غزواتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حصّۂ سوم

بریگیڈیئر گلزار احمد

ناشر:
ضیاء القرآن پبلی کیشنز
گنج بخش روڈ / اردو بازار لاہور

غزواتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حصہ سوم

بریگیڈیئر گلزار احمد

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
گنج بخش روڈ ○ لاہور

Marfat.com

جُملہ حقُوق محفوظ ہیں

نام تصنیف ——— غزواتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
حصّہ سوم

مصنّف ——— بریگیڈیئر گلزار احمد

مطبع ——— مرشد پریس لاہور

اشاعت ——— اول

تاریخ طباعت ——— جنوری ۱۹۸۸ء

قیمت مجلد خاص لائبریری ایڈیشن ——— روپے 48/-

عام ایڈیشن ——— 39-00 روپے

ناشر

ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور
الکریم مارکیٹ اردو بازار

Marfat.com

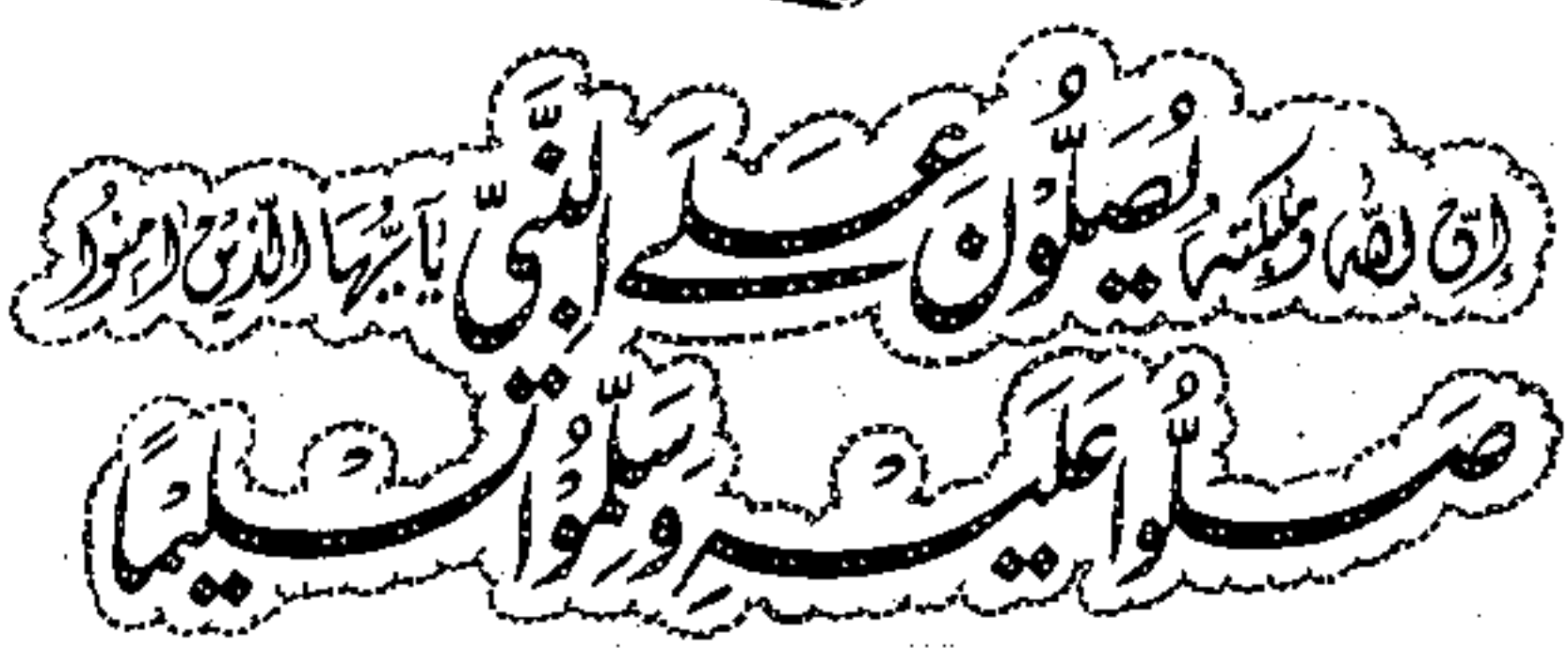

بسم الله الرحمن الرحيم

إن الله وملئكته يصلون على النبي يا أيها الذين امنوا
صلوا عليه وسلموا تسليما

Marfat.com

پیشکش

فخرِ انبیاء خیر الوراء ختم المرسلین شفیع المذنبین مخاطب

لولاک

ومقصدِ تخلیقِ افلاک، شاہدِ مکان ولامکاں، ہادی آخر الزماں،

صاحبِ کتاب، فاتحِ بدر و حنین و خیبر و اُحد،

سربر آرائے مملکت و محراب و منبر

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے غزوات کے اس نامکمل و مختصر سے نقشہ کا یہ حصہ آپ کی اُمت کے اُن نوجوانوں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جن کے دلوں میں اُن غزوات کا پیدا کردہ جذبہ

اور

شہادتِ عظمےٰ کا شوق موجود ہے۔

(گلزار احمد)

Marfat.com

فہرست مضامین

دیباچہ	۹
پہلا باب۔ میثاقِ مدینہ	۲۳
دوسرا باب۔ اُحد کی لڑائی کا تجزیہ	۱۰۳
تیسرا باب۔ اُحد کی لڑائی کے بعد کے واقعات	۱۴۱
〃 غزوۂ حمراء الاسد	۱۴۲
〃 سریۂ قطن	۱۴۹
〃 واقعۂ رجیع	۱۵۱
〃 بئر معونہ	۱۵۵
〃 سریۂ بنو عامر	۱۵۸
〃 غزوۂ بنو نضیر	۱۶۰
〃 غزوۂ ذات الرقاع	۱۶۵
〃 غزوۂ بدر الاخریٰ	۱۷۰
〃 غزوہ دُومۃ الجندل	۱۷۳
〃 غزوۂ بنو مُصطلیق	۱۷۷
چوتھا باب۔ غزواتِ نبویؐ اور عسکری استخبارات	۱۷۹
پانچواں باب۔ اُحد کے بعد کے واقعات کا تجزیہ	۱۹۲

Marfat.com

چھٹا باب - غزوۂ احزاب	۲۰۸
〃 نقشہ غزوۂ احزاب	۲۶۱
ضمیمہ "الف" - اس دور کی مہموں کا خلاصہ	۲۶۲
ضمیمہ "ب" کتابیات	۲۶۶
ضمیمہ "ج" عسکری اصطلاحات	
ضمیمہ "د" اشاریات	

Marfat.com

اظہارِ تشکر

اللہ تبارک و تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے یہ سعادت بخشی کہ میں غزواتِ نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی حد تک تحقیقی کام کر رہا ہوں۔ اس مرتبہ جو کچھ یہ فقیر اپنے قاری کے سامنے پیش کر سکا ہے یہ پچیس سال کے مطالعے کا نتیجہ ہے۔ مگر اس فقیر کو اعتراف ہے کہ وہ سیرت سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اہم پہلو کا حق ادا نہیں کر سکا۔

مجھے صاحبزادہ حفیظ البرکات صاحب اور ان کے ادارے "ضیاء القرآن" کے عملہ کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ جنھوں نے غزواتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری جلد کم از کم وقت میں شائع کر لی تھی اور اب اس تیسری جلد کے شائع کرنے کی ذمہ داری بھی لے رہے ہیں۔

مجھے اپنے بیٹے فاروق احمد کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے اور اس کی صحت و سلامتی کے لیے دستِ دعا بلند کرنا ہے۔ اس نے اس مسودہ کو غور سے دیکھا اور بہت سے مقامات پر جو خلا رہ گئے تھے، ان کو پُر کرنے کا مشورہ دیا۔

میں ان تمام مصنفوں کا بھی ممنون ہوں جن کی تصانیف سے میں نے استفادہ کیا ہے اور خصوصاً ان مصنفین اور ناشرین کا شکر گزار ہوں، جن کی کتابوں سے میں نے اقتباسات پیش کیے ہیں۔

گلزار احمد

۷۔ صفر ۱۴۰۶ھ

Marfat.com

دیباچہ

بحمد للہ غزوات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی جلد کے بعد اب دوسری جلد بھی چھپ چکی ہے اور اللہ کے فضل وکرم سے اہلِ نظر کی نگاہوں نے دونوں جلدوں کی پذیرائی فرمائی ہے۔ پہلی جلد کو جب صدر مملکت کی جانب سے اُس سال کی شائع شدہ سیرت کی کتابوں میں اول انعام کا حقدار ٹھہرنے کا اعلان کیا تھا تو انھوں نے جناب پیر کرم شاہ صاحب اور دوسرے محبوں کی سفارش پر اس فقیر کو ہدایت کی تھی کہ دوسری جلدوں کی جلد از جلد تکمیل کی جائے۔ کتاب کا مکمل ہونا وقت طلب امر ہوا کرتا ہے، اسلیے کہ تحریر اور نظرِ ثانی کے بعد کتابت اور طباعت کے مرحلوں کے دوران تیز رفتاری ممکن نہیں ہوتی۔ برصغیر پاک وہند میں سیرت ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاسوں میں علامہ شبلی نعمانی علیہ الرحمۃ کا مقام اولیت اور جامعیت کا حامل ہے انھوں نے تحقیق کے میدان کے کام سے متعلق فرمایا تھا کہ تحقیق چیونٹیوں کے منہ سے ریزہ ریزہ لے کر اور ان ریزوں کو خوردبین نگاہوں سے دیکھ اور پرکھ کر ایک پہاڑ بنانے کے مترادف ہوا کرتا ہے۔ جہاں تک بنیادی تحقیق کا تعلق ہے وہ تو علامہ شبلی رح مکمل فرما گئے تھے مگر ضروری تھا کہ ان کی تحقیق کی روشنی میں عسکری نقطہ نظر سے ان تحقیق شدہ واقعات سے نیا گلدستہ تیار کیا جائے مگر اس کام کے لیے علم اور فن جنگ کے علاوہ زبان وبیان پر قدرت رکھنا بھی ضروری ہوا کرتا ہے ان باتوں کے علاوہ یہ بھی ضروری تھا کہ میدانِ جنگ کے طول وعرض سے تفصیلی واقفیت ہو

Marfat.com

اس فقیر نے ۱۹۷۳ء میں آٹھ ماہ سے زائد عرصہ مدینہ منورہ میں گزارا تھا اور اس دوران جہاں تک ممکن تھا بعض میدان جنگ دیکھے تھے اور ان کی تفاصیل پر غور بھی کیا تھا مگر جب دوسری جلد کے لکھنے کا وقت آیا۔ تیرہ سال قبل اس فقیر کا ذہن جن پہلوؤں پر غور کر سکا تھا وہ محدود تھے جو پہلو ان تیرہ سالوں میں نگاہ کے سامنے آئے ان کے جوابات حاصل کرنے کے لیے ضروری تھا کہ ایک بار پھر مدینہ جاؤں۔ اس فقیر نے کوشش کی مگر وسائل مہیا نہ ہو سکے اور مدینہ جانے اور وہاں ٹھہر کر تفصیلی مطالعہ کرنے کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔

غزوات خیر الوریٰ کو علیحدہ علیحدہ دیکھنے سے پورا نقشہ ذہن کے سامنے نہیں آسکتا یہ غزوات ایک ایسی طویل جنگ کی مختلف کڑیاں ہیں جو بیک دگر اس قدر مضبوطی سے چسپاں ہیں کہ ان کو علیحدہ علیحدہ دیکھنے سے کوئی نقشہ استوار ہی نہیں ہوتا۔ یہ ایک ایسی طویل جنگ بھی جو از اوّل تا آخر ایک وحدت کی حامل تھی اس کے اندر بہت سی مہمیں تھیں اور کئی لڑائیاں تھیں۔ اس کے اندر پچیس کے قریب خود مختار و آزاد طاقتیں سرگرم عمل تھیں ان مختلف طاقتوں کے اندر کوئی بات اگر مشترک تھی تو وہ اسلام دشمنی اور محمدؐ دشمنی تھی ان کو ایک مثلث کا مقام بھی دیا جا سکتا ہے۔ اس مثلث کے تین اضلاع قریشِ مکہ، خیبر کے یہودی، اور بازنطینی مملکت پر مشتمل تھے۔ قریشِ مکہ نے اپنے ساتھ بہت سے عرب قبائل کو ملا لیا تھا۔ خیبر کے یہودیوں نے مدینہ کے یہودیوں کو بغاوت پر اکسایا تھا اور ان سب یہودیوں نے مل کر بازنطینی حکومت کو مدینہ کے خلاف صف آراء کرنے میں نمایاں کامیابی حاصل کر لی تھی۔ مگر بنیادی طور پر یہ جنگ ایک ہی جنگ تھی اور اسے اجمالی صورت میں ہی صحیح طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔

بادی النظر میں بدر کی لڑائی بجائے خود ایک علیحدہ اکائی کا مقام رکھتی ہے البتہ اگر مکی دور کی قریش مکہ کی اسلام دشمنی اور پھر ہجرت سے بدر تک کے واقعات کو نگاہ میں نہ رکھا جائے تو بدر کی لڑائی کے صحیح تاریخی مقام کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہی

Marfat.com

کیفیت بعد کے معروف غزوات کی ہے بعد کے واقعات کو سمجھنے کے لیے پس منظر زمان و مکان ہر دو زاویوں سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ جب غزواتِ نبیؐ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری غزوہ یعنی غزوۂ تبوک پر پہنچ کر اس پورے سلسلہ کا تجزیہ کیا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اب غزوات ختم ہو گئے ہیں اور دشمنانِ دین و ایمان نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور اب " الیوم اکملت لکم دینکم " اور تمام نعمت ہائے خداوندی کا وقت قریب آگیا ہے۔

بدر کے مقام پر قریشِ مکہ کی شکست کا تصور جزیرۃ العرب کے کسی مبصر کے وہم و خیال میں بھی نہ آسکتا تھا۔ مطالعہ میں آچکا ہے کہ بدر کی لڑائی سے قبل ہی مدینہ کے اندر رہنے والے مگر مختلف مفاد رکھنے والے بعض حلقوں کے خیالات ان کی خواہشات اور ان کی وفاداریوں میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ مدینہ کے اہلِ یہود جنھوں نے اوائل ایام میں حضورِ اقدسؐ کی تشریف آوری کو اپنے لیے سودمند سمجھا تھا انھوں نے جب مدینہ اور گرد و نواح کے عرب قبائل کے اندر حضورؐ کی ہر دلعزیزی اور کامیابی اور اس کے ممکنہ نتائج پر غور کیا تو وہ پہلے در پردہ اور پھر کھلم کھلا مخالفت پر اتر آئے تھے اس ردعمل کی منطقی دلیل موجود تھی۔ یہودی پورے مشرقِ وسطیٰ میں پھیلے ہوئے تھے۔ عیسائی عوام اور حکومتوں کی یہود دشمنی کے باوجود ابھی ان میں جان باقی تھی اور تجارت کی اجارہ داری کی وجہ سے حکومتیں ان کی زیر بار احسان رہا کرتی تھیں۔ درست کہ اہلِ یہود کو آپ کو آنے سے بڑے فائدے ہوئے تھے اس سے قبل یہودیوں کا سیاسی اور معاشرتی سطح پر کوئی مقام نہ تھا وہ اپنے اپنے شہر یا قبیلہ کے عرب قبیلہ کے پروردہ کا مقام رکھتے تھے اور اسی پر قانع تھے۔ میثاقِ مدینہ کی شق ۱۶، جس کا ذکر مفصل طور پر آئے گا اس کی رُو سے یہودیوں کو زندگی میں مساویانہ مقام حاصل ہو گیا تھا یعنی جہاں وہ اس سے قبل پناہ گزینوں کی صورت زندگی گذار رہے تھے وہاں آئندہ

Marfat.com

وہ سیاسی اور معاشرتی طور پر اپنے پرانے عرب پناہ دینے والے "حلیفوں" کے برابر کا مقام حاصل کر رہے تھے اور یہ سب کچھ حضور رحمتِ عالمؐ کے فیض کا نتیجہ تھا۔

اس کے باوجود جو قیمت انھوں نے مساوی مقام حاصل کرنے کے لیے دی تھی وہ بہت زیادہ تھی اور اس بات کا احساس انھیں اس وقت ہوا جب مدینہ میں نئے آئین پر عمل درآمد شروع ہوا۔ یہ آئین نیا ہی نہیں بلکہ دنیا کا پہلا تحریری آئین تھا اور چونکہ یہ تحریر میں تھا اس لیے اس کے مندرجات سے عام حالات میں کسی کو مفر نہ تھا۔ اس آئین نے انھیں مدینہ کے آزاد شہری کے طور پر تو قبول کر لیا تھا اور آزاد مردوں کے تمام اعزاز بخشے تھے مگر یہ بھی تو کہا تھا کہ وہ مسلمانوں کے تابع رہ کر چلیں گے اور ان کی قیادت میں جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کریں گے۔ درست کہ جہاد میں شمولیت بہت بڑا اعزاز تھا۔ دورِ جدید کے متمدن معاشروں نے انیسویں اور بیسویں صدی میں بمشکل یہ حق اپنی تمام آبادی کو عطا کیا ہے۔ جب اس بلند مقام پر فائز ہونے کو عملی شکل دی گئی تو یہودیوں کو محسوس ہوا کہ اب انھیں اپنی تمدنی زندگی اللہ اور اللہ کے رسول کی منشاء و مرضی کے مطابق گذارنی ہوگی یعنے انھیں شریعتِ اسلام کے مطابق اجتماعی زندگی گذارنا ہوگی۔ آزادی کی یہ بہت بھاری قیمت تھی اور اس لیے اب یہودی اس پابندی سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے انھیں آئین کو توڑنے کا بہترین ذریعہ حکومتِ مدینہ کے خلاف بغاوت میں نظر آیا، اور یکے بعد دیگرے وہ بغاوت کے مجرم قرار دیئے گئے۔ ان تفاصیل کے ذکر سے یہ واضح ہو گیا ہوگا کہ بدر کی لڑائی کسی خلا میں واقع نہیں ہوئی تھی اس کے پس منظر میں بہت سے عوامل تھے۔ ان عوامل میں یہود کی پسِ پردہ کارروائیاں بھی شامل تھیں جو بدر کی لڑائی میں قریشِ مکہ کی شکست نے مزید تیز اور تند کر دیں۔ یہ تیزی اور تندی اُحد پہ منتج ہوئی مگر ختم نہ ہوئی اور سلسلہ جاری رہا۔ اس جلد میں اس سلسلہ کی چند کڑیوں کا ذکر آئے گا۔

غزواتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عسکری نقطہ نظر سے پیش کرنے کے راستہ میں

Marfat.com

جو مشکلات پہلی جلد میں پیش آئی تھیں وہ اب تک موجود ہیں ان مشکلات کی وجہ سے دوسری جلد کی تکمیل کو کئی مہینوں تک روکے رکھنا پڑا شاید کوئی وسیلہ نکل آئے اور میں موقع پر ایک بار پھر جا کر بعض فاصلوں کو ناپ کر مختلف مرحلوں کے دوران دونوں لشکروں کی صحیح پوزیشن کا تعین کرنے کی کوشش کروں۔ سفر کے اخراجات تو مہیا تھے مگر سعودی عرب کے قیام کے اخراجات کا زرمبادلہ دستیاب نہ تھا اور اس کام کے لیے یہ فقیر غیر قانونی ذرائع استعمال کرنے پر اپنے آپ کو رضامند نہ کر سکا۔ اس لیے مجبوراً ۱۹۷۳ء کی یادداشتوں پر ہی انحصار کرنا پڑا اگر اس کے نتیجہ میں اس فقیر سے کوئی غلطی یا کسی غلط رائے کا اظہار ہوا ہے تو قاری کے علاوہ یہ فقیر ربِ ذوالجلال کی بارگاہ میں بخشش کا طلب گار ہے۔

خالقِ کائنات کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جو شخص دانستہ آپؐ کے متعلق کوئی غلط بیانی کرتا ہے تو وہ شخص اپنی نشست دوزخ میں محفوظ کرنے کا اہتمام کرتا ہے یہ گنہ گار حضورؐ سے متعلق غلط بیانی کو کائنات کا سب سے کریہہ اور بدترین گناہ سمجھتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے گناہ سے محفوظ رکھے۔

غزواتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی جلد کی تیاری کے وقت جس خامی کا ذکر کیا گیا تھا وہ خامی اب بھی موجود ہے اس وقت اس فقیر نے یہ کہا تھا:۔

"غزواتِ نبویؐ کے جس پہلو پر ابھی تک غور نہیں کیا گیا اور جس پر تحقیق ضروری ہے وہ غزوات اور سرایا کے راستوں کا صحیح تعین ہے ان راستوں کی جغرافیائی مشکلات، موسم کے اعتبار سے کون سی مزید دشواریوں کا امکان تھا اس دور کے ذرائع حمل ونقل کے مطابق کیا رفتار رہی ہوگی، ان راستوں کے قرب وجوار میں جو قبائل رہتے تھے ان سے اس غزوہ یا سریہ کے وقت کیسے تعلقات تھے جب تک یہ تمام تفصیلات موجود نہ ہوں مدینہ کی اسلامی فوج کے کمانڈر اعظم کے تزویراتی منصوبہ STRATEGIC

Marfat.com

PLAN کے خدوخال نمایاں نہیں کیے جاسکتے۔

یہ تمام کام فردِ واحد کی استعداد علمی اور وسائلِ دنیوی سے بالاتر ہے اس کیلیے مستقل تحقیقی ادارے کے قیام کی ضرورت ہے جب اس گنہ گار نے اس تالیف کو ہاتھ میں لیا تھا اسے اندازہ نہ تھا کہ اس کام کے لیے کتنے وسائل اور کس طرح کی علمی استعداد کی ضرورت ہوگی۔ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران قدم قدم پر اپنی بے بضاعتی کا احساس ہوتا رہا۔ کتب تواریخ کی فراہمی تو کسی نہ کسی صورت پوری ہوتی رہی البتہ مطالعہ کے دیگر وسائل کا مہیا کرنا آسان نہ تھا اور پھر علم حقیقی اللہ کی دین ہے۔ مدینۃ العلم کے سایے میں علم حقیقی سے جو عطا ہوا اسے بصد شکر قبول کیا اور من وعن اس تالیف میں شامل کر دیا مگر کتنے ہی مقامات تھے جنھیں دیکھنا ضروری تھا اور وہ نہ دیکھے گئے یا اگر دیکھے گئے تو عجلت میں اور ایک آدھ دفعہ جہاں مہینوں ٹھہرنا ضروری تھا وہاں چند گھنٹے بمشکل میسر آئے کتنے ہی راستے تھے جن پر سفر کیے بغیر اس غزوہ یا سریہ کے تزویراتی STRATEGIC اور تدبیراتی TACTACAL پہلو کے متعلق رائے زنی محض خیال آرائی رہی اس لیے کسی سنی سنائی باتوں کی تکرار کو بے سود سمجھ کر ان پہلوؤں پر اجتناب کیا اور مجبوراً بیان کو مختصر ہی رکھنا پڑا جب تک غزوات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری تحقیق نہیں کی جاتی اس وقت تک سیرت نبی کریمؐ کے کئی پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی جا سکتی۔ دورِ مدینہ حرب وضرب کا دور تھا اس دور میں اجتماعی زندگی کے ہر ممکن پہلو کی گتھیاں سلجھائی گئیں اور ان اجتماعی امور کے پس منظر میں تقریباً پورا عرصہ امت کے شب و روز پر جنگ منڈلاتی رہی تھی اس لیے غزوات پر مکمل تحقیق کے بغیر سیرت رسول اللہ کو اس خیال سے ہرگز نہیں سمجھا جا سکتا کہ آج ملت اسلامیہ اپنی اجتماعی زندگی کو کون سے خطوط پر استوار کرے کہ وہ آزاد و خود مختار زندگی بسر کر سکے تاکہ اس ملت کو نفاذ اسلام میں کسی طرح کا خوف و اندیشہ باقی نہ رہے[1]"

---

[1] غزوات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلد اول ۱۹۸۲ء صفحہ ۸ ~ ۹

Marfat.com

اس جنگ میں مسلمانانِ مدینہ اور دیگر مقامات کے تمام وسائل شامل تھے اس کے اندر ہر فرد کا حصّہ تھا، یہ دنیائے اسلام پر پوری طرح محیط ہے اور اس کے اندر زندگی کا ہر پہلو استعمال ہو رہا تھا اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ کلی TOTAL جنگ تھی اور چونکہ پوری ملّت کے وسائل اس کو جاری رکھنے کے لیے بروئے کار لائے جا رہے تھے اس لیے یہ جنگ بیک وقت ملی جنگ NATIONAL WAR بھی تھی ۔

جرمن جنرل لوڈن ڈارف کلی جنگ کے متعلق لکھتا ہے کہ اس کے لیے چند حقائق کا ہونا ضروری ہے ۔

اوّل یہ کہ فریقین کے زیر اقتدار جو علاقے ہوں یہ جنگ ان سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے ۔ غزواتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر پورے جزیرۃ العرب کو اپنی لپیٹ میں نہیں لیا تھا تو فریقین کے زیر تسلّط علاقوں یعنی حجاز اور نجد اور اس کے علاوہ دوسرے علاقوں کو ہر طرح سے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا ۔

دوم ۔ کلی جنگ پوری قوم کی شمولیت کی متقاضی ہے ۔ ملت اسلامیہ پوری طرح اس میں شامل تھی ۔ اسی طرح قریش مکہ، قبیلہ غطفان، قبیلہ بنو سلیم، خیبر کے یہودی اور دوسرے قبیلے پوری طرح اس جنگ میں شامل تھے ۔

سوئم ۔ کلی جنگ کا تقاضا ہے کہ ملک کی اقتصادی منصوبہ بندی جنگ کو کامیابی سے اختتام تک پہنچانے کی رُو سے ترتیب دیا جائے ریاست مدینہ کی اقتصادی پالیسی کلیتاً اس جنگ کو کامیاب بنانے کے خیال سے مرتب کی گئی تھی ۔

چہارم ۔ ہر طریقہ سے قوم کی قوت ایمانی MORALE کو بلند رکھا جائے ۔ اس فقیر کی نظر میں قوت ایمانی کو روشن و تابندہ رکھنے کی ترکیب جو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتب فرمائی تھی وہ تاریخ عالم میں ممتاز و منفرد ہے ۔

پنجم ۔ آخر میں یہ خیال رہنا چاہیے کہ ریاست و مملکت کے مختلف شعبوں کو

Marfat.com

صحیح معنوں میں جنگ کو کامیاب بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جنگ کا انتظام و انصرام اور جنگ کی پالیسی فرد واحد یعنی کماندار اعظم کے ہاتھ میں ہو۔[1] شاید ہی عسکری معاملات سے واقف کوئی مبصّر یہ کہہ سکے کہ اس نظریہ کا اطلاق غزواتِ نبویؐ پر نہیں ہوتا۔

غزواتِ نبویؐ ملی سطح پر کلیت کے حامل تھے اس لیے جس معاشرے نے نو سال کے طویل عرصہ تک ان کا بوجھ سنوارے رکھا اس معاشرے کو مثالی قرار دیا جا سکتا ہے اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو یہ معاشرہ ماقبل سے موجود نہ تھا اس معاشرے کو خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایاتِ خداوندی کے مطابق ترتیب دی تھی اس معاشرے کی بنیاد میثاقِ نبوی پر قائم ہوئی تھی۔ میثاقِ نبوی کی دستاویز کو بنیاد بنا کر معاشرتی، اقتصادی، تعلیمی، سیاسی اور دفاعی پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے جو عمارت تعمیر کی گئی تھی اس میں قرآن و سنت کے علاوہ کوئی دوسرا عنصر شامل نہیں کیا گیا تھا۔ اور ان کے نتیجہ میں جو معاشرہ وجود میں آیا تھا اسے اسلامی معاشرے کا نام دیا گیا تھا یہی وہ معاشرہ ہے جس نے نو سال کی طویل کلی اور ملی جنگ کا بوجھ کامیابی سے اٹھایا تھا۔

تعجب ہے تو اس بات کا کہ غیر اپنے معاشروں کو ایسے خطوط پر استوار کرنا چاہتے ہیں جہاں ان کی قومی زندگی کو ایسی نہج عطا کی جا سکے جس کے ذریعہ قوم کی زندگی کے ہر پہلو کو جنگ کے لیے استعمال کیا جا سکے۔ ایک مغربی مفکر اپنی قوم کو مشورہ دیتے ہوئے لکھتا ہے:-

"یہ انتہائی غلط سوچ ہے کہ تمدن اور جنگ صرف جنگ کے دنوں میں

---

[1] ارل میڈ۔ جدید تزویراتِ جنگ کے معمار MAKERS OF MODERN STRATEGY پرنسٹن ۱۹۵۲ء صفحہ ۲۱۵

Marfat.com

ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں۔ فتح کی بنیاد ایک ایسی سطح سے بلند ہو گی جہاں سے صرف یہی نہیں کہ مادی وسائل یا جنگ میں استعمال ہونے والی سیاسی قوت بہم ہو گی بلکہ جہاں سے معاشرتی تنظیم، دینی عقائد، نظامِ تعلیم اور قوم کے دوسرے پہلو بھی ہم آہنگ ہوں گے اور انھیں زمانہ صلح میں بھی ایک دوسرے کے قریب رکھا جائے گا"[1]

یہ اس نقشے کی جانب پیش رفت کا مشورہ ہے جو ملتِ اسلام کامیابی سے آزما چکی ہے مگر اب فراموش کر چکی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک ایسا معاشرہ وجود میں رہ چکا ہے جو کلی اور ملی جنگ کی مختلف ذمہ داریوں کا بوجھ سنبھال سکتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے۔ ملّتِ اسلامیہ اس مثالی معاشرے کو دوبارہ منظم کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتی اس کام کی ابتدا دو اطراف سے ہونا ضروری ہے اوّلاً یہ تحقیق کہ اس معاشرے کے وہ کون سے پہلو تھے جنھوں نے اسے اس قابل بنایا تھا کہ وہ طویل کلی جنگ کا بوجھ آسانی سے سہار سکے۔ دوم ہمارے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اس طویل جنگ کے جزئیات کا مطالعہ کریں کہ وہ کن اصولوں کو مدنظر رکھ کر لڑی گئی تھی۔ ملتِ اسلامیہ کو آج ان دونوں پہلوؤں سے آغاز کردہ تحقیق کی از حد ضرورت ہے۔

یہ فقیر اپنے اس نظریے کو بار بار دہرانے میں باک محسوس نہیں کرتا کہ اگر ہم غزواتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مناسب طور پر اور دورِ حاضرہ کی ضروریات کے

---

[1] سارجنٹ اور جیافری ویسٹ۔ عظیم تزویرات، فتح کی جستجو
GRAND STRATEGY THE SEARCH FOR VICTORY
رائٹ بک کلب لندن ۱۹۴۳ء صفحہ ۱۸

Marfat.com

مطابق تحقیق کرنے کے فریضہ سے غافل رہے تو ہمارے کاروبار ملی و ملکی کو صحیح نہج پر گز حاصل نہ ہو سکے گی یہ سیرت ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے غفلت کا نتیجہ تھا کہ ملت خانہ جنگیوں، بغاوتوں، درباری سازشوں اور تسلسل کیساتھ طوائف الملوکی کا شکار رہی اور بالآخر یہ نتیجہ ہوا کہ دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پوری ملت آزادی جیسی نعمت سے محروم کر دی گئی۔ مسلمان کے لیے آزادی سے محرومی کے یہ معنی ہیں کہ وہ بارگاہِ ربّ السمٰوٰت والارض کی بارگاہ میں وہ سجدہ ادا نہیں کر سکتا جو اسے بندگی و عبدیت کا مقام عطا کرتا ہے۔ مسلمان کی آزادی کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ احکامِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے پر قادر ہوتا ہے جب اس کی آزادی سلب کر لی جاتی ہے تو اسے غیر اللہ کے قوانین کے تحت زندگی گذارنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ یعنی وہ عبادتِ الٰہ العٰلمین سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔ ایک صدی سے زائد عرصہ تک مسلمان کو بارگاہِ الٰہی میں رسمی سجدہ دینے کے لیے بھی کفار کی دہلیز پر جبیں سائی پر مجبور ہونا پڑا۔ آج بھی ایسے وسیع خطے موجود ہیں جہاں مسلمان کلمہ وحدت و رسالت کو بلند پڑھنے پر مجرم قرار دیا جاتا ہے اور ایسے خطے بھی ہیں جہاں وہ مسلمانوں کے سے نام سے پکارا نہیں جا سکتا یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ اجتماعی زندگی میں مسلمان سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم کے مطابق اپنے امور کو استوار کرنے سے غافل ہو گیا تھا۔

آج ایک بار پھر سیرت خیر الوراء صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی گذارنے کی ضرورت ہے مگر اس سے قبل تمام اجتماعی امور پر از سرِ نو تحقیق کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ درست کہ گذشتہ چودہ صدیوں کے دوران سیرت پر بہت کچھ لکھا گیا ہے مگر نہ معلوم کیوں اس کا بیشتر حصہ انفرادی زندگی سے متعلق رہا ہے اور اس پر بھی شاہوں، وزیروں، درباریوں اور اصحابِ ثروت نے بہت کم توجہ دی ہے۔ شاید

Marfat.com

اس کی وجہ یہ رہی ہے کہ زندگی کو دینی و دنیوی دو مختلف خانوں پر تقسیم کر کے سیرت سے روشنی حاصل کرنے والے تارک الدنیا درویش صفت افراد پیش پیش رہے ہیں اور اجتماعی امور سے عملی تعلق رکھنے والے دنیا دار کہہ کر قرآن و سنت کو پس پشت ڈالتے رہے ہیں۔ سربراہانِ مملکت کو امام یا خلیفہ کہنے سے مملکت اور امورِ مملکت از خود اسلامی رنگ اختیار نہیں کر سکتے۔ سیرت کے اجتماعی پہلو سے غفلت امتِ مسلمہ کو بہت مہنگی پڑی ہے جیسا کہ مطالعہ میں آچکا ہے یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ حضور پُر نور نے مدنی زندگی کے دس سالوں میں سے نو سال کا طویل عرصہ جنگ کے ماحول میں گذارا۔ مدینہ کی ریاست اور مملکت نئی تھی۔ اوّلیں سالوں میں اس کی حکومت اقلیتی پارٹی کی حکومت تھی۔ شہر کے اندر یہود اور منافقین فتنہ سامانی کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔ ان حالات میں بیس سے زائد خود مختار قبائل کا مقابلہ کیا جا رہا تھا ملّت کے ہر فرد کی خدمات استعمال کی جا رہی تھیں۔ ملت کی مکمل افرادی قوت کے استعمال کے علاوہ ملّت کے تمام وسائل جنگ میں استعمال کیے جا رہے تھے جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے یہ ملّت کی کلی جنگ تھی۔ مہمات کا یہ حال تھا کہ بعض اوقات ایک ایک مہینہ میں متعدد مہمیں مدینہ سے باہر بھیجی جاتی تھیں۔ اگر اللہ اور سرورِ کونین صلّی اللہ علیہ وسلّم کا عطا کردہ معاشرہ اس دور کی سب سے بڑی طاقتوں کے مروّجہ معاشروں کا مقابلہ کرنے میں کامیاب رہا تھا اور ان پرانے معاشروں کو فرسودہ ثابت کر دیا تو پھر کیا وجہ ہے کہ آج ملّت اسلامیہ ایک بار پھر اس معاشرے کو استوار کرنے میں تامّل کر رہی ہے اس سوال کا جواب دنیائے اسلام کے مفکر، دانشور اور علماءِ کرام ہی دے سکتے ہیں۔

کیا ہم نے کبھی اس بات پر غور کیا ہے کہ تمام پیغمبروں کے حالات تحریر میں محفوظ نہیں رکھے جا سکتے۔ اس لیے کہ ان کی سیرت کا تتبع قیامت تک کے لیے ضروری نہ تھا

Marfat.com

جس طرح قرآن کے قوانین قیامت تک کے لیے نافذ رہے ہیں اسی طرح اطاعتِ رسول آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلّم کا حکم بھی اللہ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دیا ہے اگر سیرت کے حالات محفوظ نہ رہتے اور تدوینِ حدیث ہاتھ میں نہ لی جاتی تو یہ کس طرح ممکن ہوتا۔

اللہ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے[1] جس نے اطاعتِ رسولؐ کا حکم دیا ہے اس نے احکامِ رسولؐ اور سیرتِ رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلّم کو بھی حفاظت کے اسباب پیدا کر دیئے ہیں اس سیرت نے قیامت تک کے لیے راہنمائی کرنی ہے اسی لیے اسے محفوظ رکھا گیا ہے یہ ہماری کوتاہ نظری ہے کہ ہم نے اس کی طرف سے توجہ ہٹا لی۔ اور دین و دنیا ہر دو کے معاملہ میں خسارے میں رہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیرت کے حالات و واقعات کی حفاظت کا اہتمام خود مسلمانوں کے ہاتھوں ممکن بنایا۔ جب تک انھوں نے اس کے مطابق عمل کیا وہ سب سے بلند و بالا رہے[2]

اس جلد میں ماقبل کی طرح دورِ اوّل کی کتب تاریخ پر واقعات کا انحصار کیا گیا ہے البتہ جہاں کہیں ان فاضل مؤرخوں کی رائے قرآن و حدیث کی روشنی میں نادرست محسوس ہوئی اس سے اجتناب برتا گیا ہے مگر ایسے مقامات اس جلد میں بہت کم ہیں۔

پہلی دونوں جلدوں میں اس فقیر نے میثاقِ مدینہ کے متن کو ضمیمہ کے طور پر شامل کیا تھا۔ اُحد کے بعد کے واقعات کے لیے ضروری تھا کہ ان کی تفاصیل پیش کرنے سے قبل میثاقِ مدینہ پر تفصیلی غور کر لیا جائے اس لیے کہ اُحد سے قبل بھی مگر مابعد کے واقعات

---

[1] نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَنَحْنُ لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر ۱۵: ۹) ہم نے ہی یہ نعمت نازل کی ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

[2] أَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (آل عمران ۳: ۱۳۹) اگر تم مومن رہو گے تو تم ہی غالب رہو گے۔

Marfat.com

اسی دستاویز کی روشنی میں حل کیے گئے تھے اس فقیر کی رائے میں ملتِ اسلامیہ نے صدیوں سے میثاقِ مدینہ کو درسی کتب کے ایک حصّہ یا ایک سبق سے زیادہ اہمیت نہیں دی ۔ یہ دستاویز اسلام کی پہلی ریاست کے دستور اور آئین کا مقام رکھتی ہے ۔ آئین کو دورِ جدید میں بنیادی قانون کہا جاتا ہے جو انتہائی اہم موقعوں کے علاوہ تبدیل نہیں کیا جاسکتا ۔ یہ دستاویز اسلام کے پہلے آئین کی حیثیت سے غیر متبدل مقام کی حامل ہے ۔ اگر حضور پُر نورؐ نے کسی مقام پر اس کی کسی شق کو منسوخ کیا ہو تو یہ بات اس فقیر کے مطالعہ میں نہیں آئی ۔ احبابِ علم و دانش سے راہبری کی گذارش ہے یہ فقیر دانشورانِ ملت اور علماء کرام کی توجہ اس نقطہ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہے کہ اگر اس دستاویز کے کسی حصّہ کو کسی وقت بھی منسوخ نہیں کیا گیا یا کسی آیۂ کریمہ کی رُو سے اس کا کوئی حصہ منسوخ نہیں ہوا ۔ تو پھر آج ملّتِ اسلام کے لیے یہ دستاویز احکام رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مقام رکھتی ہے ۔

اس دستور میں مندرج قوانین کے تحت ریاستِ مدینہ کے اندر ایک بہت ہی قلیل تعداد کی اقلیت نے حکومت کے فرائض انجام دیئے تھے اور یہ ہر پیمانہ بہ بطریقِ احسن انجام دیئے تھے پھر کیوں نہ اس دستاویز کے مطالعہ پر قابل قدر توجہ دی جائے اس دستاویز میں دفاعِ ریاست اور جنگ سے متعلق بھی ہدایات موجود ہیں اور جنگ کسی زمانے میں بھی محض مادی وسائل پر منحصر نہیں رہی اس سے قبل اور اس کے دوران ذہن کو ہمیشہ دخل رہا ہے "جنگ بنیادی طور پر خیالات پر بھروسہ کرتی ہے اور ہتھیاروں کو ثانوی حیثیت حاصل ہے"[1] مسلمانوں نے اکثر و بیشتر اللہ پر ایمان کے بھروسہ رکھنے کو

---

[1] گرین لیفٹیننٹ کرنل ۔ کلازوٹز کے زندہ خیالات THE LIVING THOUGHTS OF CLAUSEWITZ تعارف از میجر جنرل فکر کیس لندن ۱۹۴۵ء ۔ صفحہ ۲

Marfat.com

اوّلیت دی اوران ہتھیاروں کو ہمیشہ ثانوی حیثیت دی جاتی رہی ہے مگر آج اس طرف کیوں توجہ نہیں دی جارہی۔

Marfat.com

پہلا باب

میثاقِ مدینہ

Marfat.com

میثاقِ مدینہ

ایک ایسی دستاویز ہے جس کی مثال اس سے قبل عالمی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیعت عقبیٰ ثانی کے موقع پر مسلمانانِ یثرب کی جانب سے دیئے گئے امان وحفاظت کے وعدہ کے مطابق ہجرت کر کے یثرب پہنچے تھے ۔ بیعتِ عقبیٰ اوّل کے موقع پر یثرب کے جو اصحاب مشرف بالاسلام ہوئے تھے انھوں نے جب یثرب پہنچ کر آپ کا ذکر فرمایا تو یثرب کے یہودیوں نے انھیں بتایا کہ ان کی کتابوں میں ایسے ہی ایک رسولؐ کے مبعوث ہونے کا ذکر ہے ۔ یہ یہود قبائل یثرب کے دو بڑے قبائل اوران کی شاخوں کے حلیف یعنی "امان رسیدہ" قبائل کی طرح زندگی گذار رہے تھے ۔ البتہ تجارت چونکہ ان کے ہاتھ میں تھی اس لیے بہت خوشحال بھی تھے اور عرب قبائل کو آپس میں لڑانے میں مشّاق بھی تھے ۔ سیاسی طور پر یہ یہودی قبائل کسی مقام کے حامل نہ تھے اس لیے کہ وہ اپنے حلیف عرب قبیلہ سے علیحدہ ہو کر نہ تو زندگی گذار سکتے تھے اور نہ ہی دوسرے عرب قبائل کے ساتھ تعلقات قائم رکھ سکتے تھے ۔ ان کے تعلقات صرف ان بیرونی قبائل کے ساتھ قائم ہو سکتے تھے جن کے دوستانہ تعلقات ان کو پناہ دینے والے قبیلہ کے ساتھ ہوتے تھے

ان یہودی قبائل میں پڑھے لکھے افراد بھی موجود تھے ۔ جب وہ اپنے حلیف عرب قبائل کے باذوق افراد کے ساتھ دین کے متعلق باتیں کرتے تو اکثر کہا کرتے کہ وقت آگیا ہے کہ اولاد ابراہیم کے اندر کوئی پیغمبر پیدا ہو ۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جب یثرب کے افراد نے اپنے حلیف یہودیوں کے ذریعہ پیغمبر کے آنے کے متعلق سنا اور پھر مکہ کے حج کے موقع پر حضورِ اقدسؐ کے ساتھ ملاقات ہوئی یا ماقبل کی ملاقات یاد آئی تو انھیں یقین ہو گیا کہ جس پیغمبر کے آنے کا ذکر یہودیوں اور عیسائیوں کی کتابوں میں موجود ہے

Marfat.com

وہ آپ ہی ہیں۔ یوں بیعت عقبیٰ اوّل اور پھر بیعتِ عقبیٰ ثانی عمل میں آئیں۔

جب آپ یثرب پہنچے تو حالانکہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی آپکا انتہائی پرجوش استقبال کیا گیا۔ شہر کی لڑکیوں نے گیت گائے۔ اور مردوں نے جی بھر کر میزبانی کا حق ادا کیا۔ ممکن ہے استقبال کرنے والوں اور گیت گانے والی بچیوں میں یہودی النسل بھی شامل ہوں مگر کہیں ذکر نہیں۔ عرب قبائل کے حلیف ہونے کی حیثیت سے عربوں کے مہمان کو خوش آمدید کہنا اور استقبال میں شریک ہونا ان کا فرض معلوم ہوتا ہے۔ اگر پناہ دینے والوں کے اہلِ خانہ اس قدر خوشیاں منا رہے تھے تو پناہ لینے والے قبائل کی بچیاں کس طرح خاموش تماشائی بن کر شہر کے اندر رونما ہونے والے واقعہ سے بے اعتنائی کا مظاہرہ کر سکتیں چونکہ قریشِ مکہ نے آپ کو زندہ یا قتل کر کے لانے والے کے لیے ایک سو اونٹوں کے انعام کا اعلان کر دیا تھا اور آپ کی تلاش میں کئی لوگ نکل کھڑے ہوئے تھے اس لیے آپ کی متوقع آمد کا پورے شہر کو علم تھا آپ کا سفر غیر معروف راستوں بلکہ بے راستہ علاقوں سے ہوا تھا اس لیے آپ کو یثرب پہنچنے میں زیادہ دن صرف ہو گئے تھے اور اہلِ یثرب ہر صبح جنوب سے آنے والے راستہ پر نظریں جمائے کوٹھوں پر کھڑے رہتے تھے ایک روز جب لوگ انتظار کر کے اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے تو ایک یہودی نے آپؐ کو اور حضرت ابوبکرؓ صدیق کو آتے ہوئے دیکھ لیا۔ اس نے لوگوں سے پکار کر کہا "اے لوگو! تمھاری قسمت کھل گئی ہے"۔[1]

راوی اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے "ہم فوراً آپ کی خدمت میں آئے آپ کھجور کے سایے میں تشریف رکھتے تھے۔ آپؐ کے ساتھ آپ کے ہم عمر ابوبکرؓ تھے

---

[1] ابن اسحاق انگریزی ترجمہ از گلیوم۔ صفحہ ۲۲۷۔ طبری کے الفاظ ہیں "اے بنو قیلہ تمھارا دارا آ گیا ہے" صفحہ ۱۲۳

Marfat.com

ہم میں سے زیادہ تر اصحاب ایسے تھے جنھوں نے اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہی نہ تھا۔ لوگوں کا وہاں اژدہام ہوگیا۔ ہم پہلے آپ میں اور ابو بکر میں تمیز ہی نہ کر سکے البتہ جب آپ پر سے درخت کا سایہ جاتا رہا تو ابو بکر نے اٹھ کر اپنی چادر آپ پر تان دی۔ اب ہم نے آپ کو شناخت کیا۔" ؎۵

آپ یثرب پہنچ کر پہلے شہر کے مضاف یا بالائی محلہ قبا میں ٹھہرے اور وہاں مسجد تعمیر کی وہاں سے روانہ ہو کر شہر میں اس دروازے سے داخل ہوئے جسے باب السلام کہا جاتا ہے بہت سے لوگوں کا اصرار ہوا کہ آپ ان کے ہاں قیام فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس گھر کے سامنے آپؐ کی اونٹنی بیٹھ گئی آپ اسی گھر کے مہمان بنیں گے۔ اونٹنی حضرت ایوب انصاری کے گھر کے سامنے بیٹھ گئی آپؐ نے ان ہی کی میزبانی قبول فرمائی حضرت ایوب انصاری کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ مہمان دار رسولؐ اور علمدار رسولؐ کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ آپ واحد صحابی خیر البشر ہیں جنھیں قسطنطنیہ کے پہلے محاصرے میں شہادت کا بلند مقام عطا ہوا۔ آپ کا مزار استنبول میں مسجد ایوب انصاری سے ملحق واقع ہے۔ شاہانِ عثمانیہ کے ہاں دستور تھا کہ وہ تاجپوشی کے بجائے شمشیر بندی کی رسم ادا کیا کرتے تھے یہ رسم شمشیر بندی اسی مزار پر ہوا کرتی تھی۔ خلفاءِ عثمانیہ جب تک غزواتِ نبوی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اسلامی لشکروں کی قیادت کرتے رہے۔ اس وقت تک شاہانِ یورپ ان کی دہلیز کو چومنا عزت سمجھتے رہے اور جب مسند خلافت پر متمکن افراد نے سیرت کے اس پہلو کو ترک کر دیا۔ تو وہ بیمارِ یورپ کہلائے۔

۔۔۔ جب مسجد نبویؐ کھجور کے تنوں، شاخوں اور پتوں سے مزین ہو کر تیار ہوگئی تو مسجد سے

؎۵ طبری اردو جامعہ عثمانیہ صفحہ ۱۲۳ - ۱۲۴

Marfat.com

ملحق مشرق کی سمت آپ نے ایک چھوٹا سا حجرہ تیار کروایا جسے حجرہ عائشہ صدیقہؓ کا نام دیا گیا ہے۔ اس حجرہ اور بعد میں دوسری اُمّہات المومنین کے حجروں کی لمبائی پندرہ فٹ اور چوڑائی نو سے دس فٹ تھی۔ بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑے ہو کر چھت کو ہاتھ سے چھو سکتا تھا[1] حجرۂ عائشہ صدیقہ ہی آپ کی آخری آرام گاہ قرار پائی۔ آپ کے ساتھ آپؐ کے دو معزز ترین صحابی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اسی حجرہ میں آرام فرما ہیں۔ حضرت صدیقِ اکبر کو یہ امتیاز بھی رہا ہے کہ غارِ ثور سے لے کر آخری سفر تک ہمیشہ آپ کی ہمراہی میں رہے یہ اعزاز کسی اور صحابی کے حصّے میں نہیں آیا۔

حضور پرنورؐ کا بہ خیر و عافیت مدینہ پہنچ جانا قریشِ مکہ کو ناگوار گذرا انھوں نے دارالندوہ میں جو آخری مجلس منعقد کی تھی اس میں نہایت طویل بحث و تمحیص کے دوران اس رائے کا اظہار ہوا تھا کہ آپ کو قید کرنے یا ملک بدر کرنے سے اسلام کو ختم نہیں کیا جا سکتا اس کا صرف ایک حل ہے کہ آپؐ کو قتل کر دیا جائے[2] ہر خاندان کا ایک ایک فرد اپنے خاندان کی نمائندگی کرے اور جب آپ صبح گھر سے نکلیں تو آپ کو قتل کر دیا جائے چونکہ خدشہ تھا کہ آپ رات کو کسی وقت بھی گھر سے نکل کھڑے ہوں اس لیے ان چیدہ چیدہ افراد نے رات بھر پہرہ دینا تھا۔ گھر کے اندر سوتے ہوئے آدمی کو قتل کرنا عرب اقدارِ مردانگی کے خلاف تھا یہ سب لوگ آپ کے مکان کے باہر جمع تھے جب آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ گھر سے نکلے تو ابھی ان لوگوں کو توقع نہ تھی کہ آپ اس قدر جلد گھر سے نکل کھڑے ہوں گے۔ ان میں سے کسی نے پوچھا "کون؟"

آپؐ نے فرمایا: "محمد اور ابوبکر"

---

[1] شبلی نعمانی۔ سیرت نبویؐ اعظم گڑھ جلد ا طبع سوم صفحہ ۲۶۲

[2] ابنِ اسحاق۔ صفحہ ۲۲۲

Marfat.com

معلوم نہیں وہ کیا سمجھے۔ انھوں نے کسی طرح کی مزاحمت نہ کی اور آپؐ نے غارِ ثور کا سفر جاری رکھا۔ آپ کے بستر پر حضرت علیؓ آپ کی چادر اوڑھے صبح تک سوتے رہے قریش کے جو نوجوان قتل کرنے کے لیے رات بھر پہرہ دیتے رہے تھے وہ منتظر تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلیں اور وہ ان کو قتل کر دیں گے۔ جب حضرت علیؓ صبح کے وقت نمودار ہوئے تو انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اب دارالندوہ میں ایک اور اجلاس بلایا جس میں فیصلہ ہوا کہ اعلان کیا جائے کہ جو بھی آپ کو زندہ یا قتل کر کے لے آئیگا اسے ایک سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔

آپؐ کی تلاش میں بہت سے لوگ نکلے۔ سراقہ جعشم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ تک پہنچ گیا تھا۔ مگر آپ سے معذرت کر کے ایک معافی نامہ بھی لے آیا تھا۔ جس کے عوض اس نے حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں انعامات حاصل کیے۔ ایک اونٹوں کا انعام تو کوئی حاصل نہ کر سکا مگر جب فتح مکہ کے بعد مکی سردار اسلامی فوج میں شامل ہو کر غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف کے بعد جعرانہ کے مقام پر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو دربارِ رسالت سے ایک ایک سو اونٹ تحفہ کے طور پر حاصل کیا۔ ان ایک ایک سو اونٹوں کو حاصل کرنے والوں کے قلب و ذہن پر یہ سوچ کر کیا گذری ہو گی کہ انھوں نے ایک مرتبہ دارالندوہ میں بیٹھ کر ایک سو اونٹوں کے انعام کا اعلان اس فیض رسانِ عالمؐ کو قتل کرنے والے کے لیے مقرر کیا تھا اور آج وہ اسی کے دربار سے تالیفِ قلوب کے سلسلہ میں ایک ایک سو اونٹ لے کر مکہ لوٹ رہے تھے مگر مدینہ والے دولتِ دو جہاں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ جا رہے تھے سچ ہے "جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا"

جب حضور اقدسؐ کی مدینہ پہنچنے کی خبر قریشِ مکہ تک پہنچی تو ایک بار پھر دارالندوہ میں اجلاس بلایا گیا اب معاملہ زیادہ سنگین ہو گیا تھا اور ان کا فیصلہ اب ایک فرد یا اسکے

Marfat.com

چھوٹے بڑے قبیلے سے متعلق نہ تھا اب آپؐ اور آپؐ کے ساتھی ایک علیحدہ آبادی کی حفاظت میں نہ تھے اور وہ آبادی یثرب کی تھی جو بہت جلد مدینۃ النبیؐ اور پھر مدینہ بننے والی تھی۔ اس آبادی میں دو بڑے عرب قبیلے اوس اور خزرج رہتے تھے اور ان دونوں قبیلوں کے یہودی حلیف بھی یثرب میں آباد تھے جو اگرچہ جنگجو نہ تھے مگر امیر تھے اور ان سے توقع کی جاسکتی تھی کہ اگر جنگ ہوئی تو وہ اپنے حلیف عرب قبائل کا ساتھ دیں گے۔ مگر اہلِ یثرب کی طاقت و قوت اتنی نہ تھی کہ قریش اور ان کے حلیفوں، دوستوں اور ان کی قدر کرنے والے عرب قبائل جو پورے جزیرۃ العرب میں پھیلے ہوئے تھے اور ان ہی کی طرح لات و منات اور عزّٰی کے پرستار تھے ان کا مقابلہ کر سکیں۔ بہرکیف قریش کو ایک بار نہیں کئی بار دارالندوہ میں طویل اجلاس کرنے پڑے ہوں گے تاکہ موقع کی نزاکت اور سنگینی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسا فیصلہ کیا جائے جو ان کے اپنے مفاد اور پورے جزیرۃ العرب کے مفاد کے لیے سودمند ثابت ہو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خیال میں ایک نیا نظریہ حیات پیش کر رہے تھے اور ان کے لیے پورے نظریہ حیات کو وہ فرسودہ کہہ کر اس کے لیے وہ خطرات پیدا کر رہے تھے[1] اس لیے اگر ان مسلمانوں کو مدینہ میں قائم ہونے دیا گیا تو وہ طاقت پکڑ لیں گے اور یقیناً واپس آکر قریشِ مکّہ پر غالب آجائیں گے[2]

ہجرت کے بعد کے واقعات کو ہجرت سے قبل کے پس منظر میں دیکھنے کے بغیر اس طویل کشمکش اور تقریباً پورے جزیرۃ العرب کی اس میں شمولیت اور اہلِ یہود کے کردار کی صحیح تصویر کھینچی نہیں جاسکتی۔ بیعت عقبیٰ ثانی کے موقع پر عباس بن عبادہ

---

[1] ابن اسحاق ج ۳ ص ۱۳۱

[2] ایضاً ص ۲۲۱

Marfat.com

انصاری کے الفاظ کرۂ ارض پر پھیلی ہوئی اسلام دشمنی کو اپنے صحیح رنگ میں پیش کرتے ہیں انھوں نے بیعت کرنے والوں کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

"اے خزرج کے لوگو! تمھیں اس بات کا احساس ہے کہ تم اس شخص کے ہاتھ پر کس بات کی بیعت کر رہے ہو یہ ہر کس و ناکس کے خلاف جنگ کی بیعت ہے"[1]

یہ کس و ناکس کے ساتھ جنگ جو ہجرتِ مدینہ کے بعد شروع ہوئی وہ آج تک جاری ہے اس کی وجہ بہت سادہ مگر بنیادی سی ہے اسلام وحدتِ خداوندی کے ساتھ ساتھ حاکمیت عوام الناس کی قبول کریں تو پھر ہر نیا گروہ اپنا قانون نافذ کرے گا اور ہر نئی نسل اس قانون کو منسوخ کر کے نیا قانون جاری کرے گی اس کے نتیجہ میں اخلاق، کردار، نیک و بد اور خیر و شر کی جو ابدی کا تصور مٹ جائے گا۔ نفسا نفسی کو فروغ ملے گا اور صرف ذاتی مفاد انسان کی تمام اقدار کی اچھائی کی کسوٹی بن جائیں گے اور بالآخر طوائف الملوکی اور تباہی انسان کو آگھیرے گی۔ تاریخ اس سلسلۂ نیک و بد کی شہادت دیتی ہے حتیٰ کہ مسلمان کہلانے والے جو اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھتے ہوئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو بھی قبول کرتے ہوئے جب حاکمیتِ خداوندی سے روگردانی کے مرتکب ہوئے تو یہ انکار ان کی تباہی کا پیش خیمہ بنا۔ سادہ الفاظ میں ان کی تباہی کی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ کو ایک مانتے ہوئے بھی اس کی الٰہیت سے منکر ہو گئے تھے اور اللہ کے سوا بہت سے اللہ بنا کر انسی انفرادی اور اجتماعی زندگی گذارنا شروع ہو گئے تھے جو حاکمیتِ خداوندی کی نفی کرتی تھی جب مسلمان اپنے اسلامی تشخص کو ابھارنا چاہتا ہے اور حاکمیتِ خداوندی کی طرف مائل ہوتا ہے تو کرۂ ارضی کے تمام بت پرست،

---

[1] ابن اسحاق صفحہ ۲۰۴۔ علامہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ یہ فقرہ کہنے والے سعد بن زرارہ تھے سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۲۴۷

Marfat.com

خود پرست و حق پرست، نسل پرست، زر پرست اس کے خلاف ہو جاتے ہیں اور اب مسلمان کے سامنے دو راستے رہ جاتے ہیں یا دشمن کی للکار کا جواب دے یا پھر حاکمیت خداوندی سے دست بردار ہو جائے۔ عہد حاضر کے ایک مصنّف نے اسی پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے لکھا ہے۔

"یہودیت اور بدھ مت ساری دنیا میں اپنا اثر کھو چکے ہیں۔ اسلام اب بھی بہت بڑی قوت ہے اور اس لیے یہ ہتقان کی مخالفت، یہودیوں کی نفرت اور ہندوؤں کے خوف اور روس کی دشمنی کا باعث بنتا ہے" [۱]

قریش مکہ اور خصوصاً ابوجہل کند ذہن نہ تھا انھیں اسلام کو سمجھنے میں دیر نہ لگی مگر وہ قریش کے مفاد کو اللہ کی الہیت پر قربان نہ کر سکے۔ عباس بن عبادہ انصاری کی دوربین نگاہوں نے اسلام کی برتری اور عظمت کے مناظر مکہ کے باہر بیٹھ کر دیکھ لیے مگر اس نے بھی تو محسوس کیا تھا کہ اس عظمت و برتری تک پہنچنے کے لیے انصار کو خون کی ندیاں عبور کرنی پڑیں گی۔ قریش کی قوم پرور اور قوم پروردہ نگاہ نے ان کی آنکھوں اور کانوں پر پردے ڈال دیئے تھے اور اس بے نوری نے انھیں جہالت میں ڈبو دیا تھا۔

اس جہالت کے نتیجہ میں انھوں نے دارالندوہ میں بیٹھ کر فیصلہ کیا کہ اگر وہ محمد اور اسلام کو مکہ میں ختم نہیں کر سکے تو کوئی بات نہیں وہ یثرب والوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر کے ان کو مجبور کریں کہ وہ محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کے "امان" سے دستبردار ہو جائیں، ورنہ ان کو اور ان کے شہر کو تاراج کر دیا جائے گا۔ ان کے خیال میں یثرب زراعت پیشہ لوگ تھے اور جنگ و جدال میں چنداں معروف نہ تھے وہ اس اعلانِ جنگ سے خوفزدہ ہو کر مسلمانوں کو

---

[۱] گاڈبا۔ محمد پیغمبر صحرا PROPHET OF THE DESERT
ورما پبلشنگ کمپنی لاہور ۱۹۲۴ صفحہ ۲۱۱

Marfat.com

اپنے شہر سے نکال دیں گے اور پھر جزیرۃ العرب کی وسعتیں ہوں گی اور چالیس کے قریب حاکمیّت خداوندی کے متوالے ہوں گے۔ جب لات و منات اور عزّٰی کے باغیوں کو پورے عرب میں کہیں پناہ نہ ملے گی تو وہ صحرانوردی کے دوران ہی بھوکے پیاسے ختم ہو جائیں گے اور اگر کسی اور قبیلہ نے انھیں اہلِ یثرب کی طرح امان دینے کی جرأت کی تو ان کا بھی یہی حال ہوگا۔ قریشِ مکہ جزیرۃ العرب کے دینی اور معاشرتی قائد تھے وہ یثرب کی داخلی سیاست سے بھی واقف تھے وہ جانتے تھے کہ صدیوں بعد یثرب کے دونوں عرب قبیلے اوس اور خزرج آپس کی صلح پر رضامند ہو چکے تھے اور عبداللہ بن ابی کو بادشاہ بنانے کا فیصلہ کر چکے تھے انھوں نے فیصلہ کیا کہ یثرب کی طرف یہ اعلان جنگ اسی کے نام روانہ کیا جائے گا۔

خط کا مضمون یہ تھا:۔

"تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے واللہ یا تو تم اس کو قتل کر ڈالو یا اسے نکال دو (شہر سے) ورنہ ہم لوگ تم پر حملہ کریں گے اور تم کو قتل کر کے تمھاری عورتوں پر تصرّف کریں گے"۔[1]

یہ اعلانِ جنگ تھا۔ یہ اعلانِ جنگ عبداللہ بن ابی کے نام بھیجا گیا تھا جس کی تاج پوشی کی تیاریاں بھی ہو چکی تھیں مگر حضورِ اقدسؐ کے پہنچنے سے اس خیال کو شاید ترک کر دیا گیا تھا۔ اغلباً یہی وجہ تھی کہ عبداللہ بن ابی کو بہانہ ہاتھ آ گیا تھا کہ حضورؐ اور آپ کے ساتھیوں کو جبراً یثرب سے نکال دے۔ اور اگر وہ نہ جانا چاہیں تو انھیں ختم کر دے اس کے خیال میں چالیس آدمی پورے شہر کے مقابلے میں کیا کر سکتے تھے وہ قبائلی تعصّب اور عزّت و غیرت کے معاملہ میں قبائلی اقدار کا پروردہ تھا اس کا اپنا قبیلہ خزرج

---

[1] سنن ابوداؤد۔ بحوالہ شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۲۸۳

Marfat.com

بہت بڑا تھا اور اسے یقین تھا کہ یثرب کا دوسرا قبیلہ اوس بھی اس کا ساتھ دے گا اس نے اپنے اس فیصلے کا ذکر ضرور کہیں کیا ہوگا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو اس کے اس ارادہ کی اطلاع ملی تو آپ اس کے پاس تشریف لے گئے آپ نے اسے سمجھایا کہ اسلام لانے سے انسان کی تمام سابقہ وفاداریاں ختم ہوجاتی ہیں آپ نے اسے اس حقیقت سے روشناس کیا کہ جب انسان اللہ کی وحدانیت اور حاکمیت کا اقرار کرتا ہے یعنی اللہ پر ایمان لے آتا ہے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ معاشرے میں اللہ کا عطا کردہ قانون نافذ کرنے کا اپنے آپ سے اور اپنے اللہ سے وعدہ کرتا ہے چونکہ وہ اللہ ہی کو موت و حیات کا مالک سمجھتا ہے اس لیے اس کے اس فیصلہ سے اس کو کوئی نہیں ہٹا سکتا۔ جو لوگ اللہ کی وحدانیت اور حاکمیت کو قبول نہیں کرتے اگر وہ اللہ پر ایمان لانے والوں کے خلاف کوئی اقدام کرتے ہیں تو اللہ پر ایمان لانے والے متحد ہو کر اس مخالفانہ کارروائی کے خلاف صف آراء ہو جاتے ہیں اب ان کا تعلق صرف قبیلۂ مومنین سے رہ جاتا ہے اور ان کے لسانی، نسلی، قبائلی اور جغرافیائی تعلقات ختم ہو جاتے ہیں اس اصول کی روشنی میں آپؐ نے عبداللہ بن ابی کی توجہ اس حقیقت کیطرف دلائی کہ اگر تم نے مہاجر مسلمانوں پر حملہ کیا تو پھر اوس اور خزرج کے مسلمان یعنی انصار مسلمان اپنے بھائیوں مہاجر مسلمانوں کی صف میں ہوں گے۔ اور پھر تمھارے قبیلے کا خون دونوں جانب سے بہے گا[1]

عبداللہ بن ابی فتین ضرور تھا مگر ذہین بھی تھا۔ وہ سرور عالمؐ کی حقیقت شناسی اور راست گوئی سے واقف تھا اور سمجھ سکتا تھا آپؐ کوئی بات یوں ہی نہیں کہہ دیتے اور نہ ہی مبالغہ آمیزی سے کام لیتے ہیں اس نے مسلمانوں کے خلاف کھلم کھلا جنگی اقدام نہ

---

[1] شبلی نعمانی۔ صفحہ ۲۸۲

Marfat.com

کرنے کا فیصلہ کیا۔ اغلباً اس نے یہ ضرور کہا ہوگا کہ پھر قریشِ مکّہ کے اعلان جنگ کا کیا علاج ہوگا۔ بعد کے واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ذمہ داری آپؐ نے قبول فرمائی ہوگی اور فرمایا ہوگا کہ "یثرب کے دفاع کی ذمہ داری ہم مسلمان لیتے ہیں" آپؐ کو جہاد کی اجازت وحی کے ذریعہ مل چکی تھی۔ اس اجازت کے الفاظ ہیں۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ۝	اجازت دی جاتی ہے ان لوگوں کو جو جنگ کرتے ہیں اسلیے کہ ان پر ظلم ہوا اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قدرت رکھتا ہے۔ (الحج ۲۲ : ۳۹)

مؤرخ اس ملاقات کی تفاصیل اور اس کے دوران کی گفتگو کی نوعیت پر خاموش ہیں مگر قریشِ مکّہ کے اعلانِ جنگ اور پھر عبداللہ بن ابی کا فیصلہ اور اس فیصلے کے باوجود حضورِ اقدسؐ کی ملاقات کے بعد اس کی خاموشی اور آپ کی دفاع یثرب سے متعلق مصروفیات ان تمام باتوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عبداللہ بن ابی نے مسلمانوں کی مخالفت کو وقتی طور پر مؤخر کر دیا ہوگا۔ اب جو اہم واقعہ سامنے آتا ہے وہ میثاقِ مدینہ ہے اس فقیر کی رائے یہ ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یثرب کے دفاع کی ذمہ داری لینے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہوگا کہ دفاع کی ذمّہ داریاں کسی ریاست کے شہری ہی ادا کر سکتے ہیں۔ یثرب میں ریاست کا وجود نہ تھا ریاست جب تک نہ ہو حکومت کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک حکومت نہ ہو ریاست و مملکت کے اندر قانون کا اجراء اور نفاذ ممکن نہیں ہوتا۔ جب تک قانون نہ ہو کاروبارِ زندگی میں تسلسل اور نظم پیدا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی دفاع کی ذمّہ داریاں ادا ہو سکتی ہیں اس لیے آپؐ نے فیصلہ کیا کہ یثرب کی ریاست قائم کی جائے اس ریاست کی مملکت کے وجود کو دنیا پر واضح کیا جائے اور ریاست کے کاروبارِ روزمرّہ کو چلانے کے لیے حکومت قائم کی جائے چونکہ دفاع کی ذمہ داری مسلمانوں کی جانب سے آپؐ نے

Marfat.com

قبول فرمائی تھی اس لیے حکومت کا کاروبار بھی مسلمان ہی چلا سکتے تھے البتہ ریاست و حکومت کا وجود چند متفقہ باتوں پر ہوا کرتا ہے ان میں پیش پیش یہ باتیں ہوتی ہیں کہ ریاست کا محل وقوع کون سا ہے یہ بات تو واضح تھی یعنی یہ ریاست یثرب کی ریاست ہے اسکا سربراہ مقرر ہونا تھا اس سربراہ کا مقام اور اس کے اختیارات کی وضاحت ضروری تھی۔ اس بات کا فیصلہ بھی ضروری تھا کہ حکومتی پارٹی کون ہے۔ ان تمام باتوں کے جوابات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستاویز کے ذریعہ دیئے۔ یہ دستاویز بھرے دربار میں املا کرائی گئی اگر اس دربار میں کسی نے کوئی وضاحت چاہی یا کوئی گذارش پیش کی تو اس وضاحت اور اس گذارش کا جواب بھی فوراً املاء کروا دیا گیا۔ آپؐ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے آپؐ کے "اُمّی" ہونے کا ثبوت قرآن حکیم میں واضح الفاظ میں موجود ہے اس لیے یہ خیال درست نہیں کہ یہ دستاویز پہلے تحریر میں لائی گئی ہوگی اور پھر کھلے دربار میں پڑھ کر سنا دی گئی ہوگی۔ اس دستاویز کی تحریر موقع پر املاء کروائی گئی ہوگی حکومتوں کے قوانین اور اعلانات کا ڈرافٹ یعنی مجوزہ متن تیار کروانا، اس میں اصلاح کرنا، پھر ایک بار نہیں بار بار نظر ثانی کروانا اور پھر تمام فریقوں کو گشتی مراسلے کے ذریعے مطلع کرنا اور اس کے مہینوں بعد اس قانون کا جاری ہونا یہ باتیں دور حاضر کی ہیں جب ہر فقرے اور ہر لفظ کے ایک سے زیادہ معنی مطلوب ہوتے ہیں۔

یثرب کی ریاست کو آئین کی شکل میں جو دستاویز عطا کی گئی اس کی تحریر اور اس تحریر کا ہر لفظ کھلے دربار میں ہر ایک کے سامنے املاء ہوا۔ یہ دربار دربارِ رسالت تھا جو صداقت و امانت، بخشش و عطاء اور جود و سخا کا نمونہ تھا۔ اس دربار میں دوست دشمن، اپنے اور غیروں غرضیکہ ہر فرد بشر اور ہر گروہ سے انصاف ہوتا تھا۔ یہ دستاویز جو املاء ہو رہی تھی یہ معاہدہ نہ تھا بلکہ یہ قانونی دستاویز عطا کی جا رہی تھی اس کا عنوان اس بات کی وضاحت کر رہا ہے اور چونکہ یہ دستاویز عطاء ہو رہی تھی اس لیے اس کے عنوان کو بھی دستاویز کی

Marfat.com

اشقاق میں شامل کرلیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پر کسی جانب سے اعتراض نہیں کیا گیا۔ یثرب کے چند مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے یثرب بلایا تھا مگر ان کے قبیلہ والے ان کے اس اقدام کو اخلاص سے محبت سے قبول کر رہے تھے دوسرا اہم مرحلہ یہ تھا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں مہاجر مسلمان اور انصار مسلمان مل کر یثرب کا دفاع اپنے ہاتھ میں لے رہے تھے اور اس اہم کام کے لیے مدینہ کے باقی لوگ ان کے ساتھ تعاون کا اقرار اور اعلان کرنے کے لیے یہاں اکٹھے ہوئے تھے۔ اس دفاعی اور انتظامی تعاون کے لیے شرائط اور طریق کار بلکہ قوانین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاری کر رہے تھے۔ آپؐ نے ان قوانین کے مجموعہ سے متعلق دستاویز کو "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے شروع کیا چونکہ یہ معاہدہ نہیں تھا اس لیے اس کی طرزِ تحریر یا دوسری تفصیلی جزئیات کی تحریر میں کوئی دخیل نہیں ہو سکتا تھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد آپؐ نے اس دستاویز کی نوعیت املاء کروائی۔ فرمایا:۔

شق نمبر ۱

یہ دستاویز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہے

یعنی اس دستاویز کو عطا کرنے والے اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں عنوان کے

---

[1] میثاق مدینہ کا متن ابن ہشام اور ابن اسحاق کے انگریزی ترجمہ سے لیا گیا ہے متن کے الفاظ سُرخ روشنائی میں دیئے گئے ہیں۔

Marfat.com

درج بالا الفاظ سے وہ تمام آراء غلط ثابت ہوتی ہیں جو مؤرخین نے ظاہر کی ہیں کہ میثاق مدینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور یہود کے درمیان معاہدہ تھا۔

ابنِ اسحاق، ابنِ ہشّام اور بعد کے مؤرّخین نے معاہدے کا لفظ ممکن ہے ان معنوں میں استعمال کیا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ آئین چونکہ یہودیوں نے قبول کرلیا تھا اس لیے یہ ان کی جانب سے معاہدے کا مقام رکھتا تھا اگر ان معنوں میں لفظ "معاہدہ" استعمال ہوا ہو تو اس کا یہ استعمال اصطلاحاً غلط ہے کسی ریاست کے عوام جب اپنی حکومت کے عطا کردہ قانون کو قبول کرتے ہیں تو ان کی یہ قبولیت معاہدے کا مقام نہیں رکھتی بلکہ ان کی جانب یہ اقرار ہوتا ہے کہ وہ اس قانون کے تحت زندگی گذارنے پر رضامند ہیں۔ یثرب کے یہودیوں نے بھی اس دستاویز کو قبول کیا تھا۔ اس دستاویز کو معاہدہ کہنا اس لیے بھی غلط ہے کہ اس میں قریش، مہاجرین اور انصار مسلمانوں کے متعلق بھی قوانین شامل تھے یہ دونوں اس اسلامی ریاست کے افراد تھے ان کے درمیان اور ریاست کی قانونی حکومت کے درمیان کے تعلقات کی بناء معاہدہ کے ذریعہ نہیں تھی بلکہ ان کا مسلمان ہونا اور نبی اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لے آنے کا اقرار انھیں اس ریاست کے افراد کا مقام دے رہا تھا یہ دستاویز ان کے لیے حکم نامہ تو کہلا سکتی تھی یہ دستاویز مسلمانوں کے لیے کسی طرح معاہدہ نہیں ہو سکتی تھی۔

بعد کے مؤرخین نے بھی اس دستاویز کو یہودیوں کے ساتھ معاہدے کا رنگ دیکر پیش کرنے کا طریقہ جاری رکھا۔ مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں :۔

"جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو پہلا کام یہ تھا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات واضح اور منضبط ہو جائیں آپ نے یہود اور انصار کو بلا کر حسب ذیل شرائط پر ایک معاہدہ لکھوایا جس کو

Marfat.com

دونوں فریق نے منظور کیا یہ معاہدہ ابنِ ہشام میں پورا مذکور ہے" [1]
میثاق مدینہ میں یہودیوں کے ساتھ معاملہ ان عرب قبائل کے توسّط سے تھا جن کے وہ حلیف تھے اس تعلق کا ذکر نقوش رسول نمبر جلد ۲ میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسلامی مملکت مدینہ کے لیے جو آئین نافذ کیا تھا اس میں یہودیوں کا ایک الگ قبیلہ یا کنفڈریشن کے خود مختار یونٹ کے طور پر ذکر نہیں کیا گیا بلکہ وہ دو عرب قبائل اوس یا خزرج کے حلیف کے طور پر تسلیم کیے گئے تھے" [2]

میور [3] نے بھی میثاقِ مدینہ کا ذکر کیا ہے مگر وہ اس عہد نامہ کی بجائے "چارٹر" یعنی حکمنامے کا مقام دیتا ہے اور اسے شروع میں یہودیوں کے ساتھ معاہدہ قرار نہیں دیتا البتہ دوسرے ہی صفحہ پر اسے معاہدہ کہہ دیتا ہے اور یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ "اغلباً یہ محمد کے مدینہ پہنچنے کے جلد بعد وجود میں آگیا ہوگا مگر جب یہودی اس آئین کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو اس دستاویز کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ [4]

---

[1] شبلی نعمانی صفحہ ۲۷۵
[2] محمد طفیل نقوش۔ رسول نمبر صفحہ ۲ (یہ اقتباس سیرۃ النبی جلد ہفتم سے لیا گیا ہے)
[3] میور۔ محمدؐ کی زندگی LIFE OF MAHAMMAD سمتھ ایلڈر۔ لندن ۱۸۹۴ء صفحہ ۱۷۷
[4] ایضاً صفحہ ۱۷۸

Marfat.com

شق نمبر ۱ الف

بید قریش اور یثرب کے مومنوں اور مسلمانوں کے درمیان ہے

یعنی یہ دستاویز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مہاجر اور انصار مسلمانوں کی جانب ہے تاکہ ان کے باہمی تعلقات اور مسائل واضح ہو جائیں۔ یہ دستاویز مسلمانوں کو ان کے فرائض کی نشاندہی کی غرض سے تحریر میں لائی جا رہی تھی۔ حضور اقدسؐ نے یثرب جسے اب مدینۃ النبیؐ بھی کہا جانے لگا تھا اس کے دفاع کی ذمہ داری مسلمانوں پر ڈالی تھی اس ذمہ داری کے نتیجہ میں ان پر چند فرائض عائد ہوتے تھے ان فرائض کا علم اور لوگوں کو ہونا بھی ضروری تھا اس لیے ان فرائض کو تحریر میں لانا ضروری تھا۔ اس دستاویز کے ذریعہ ان کو اس بات کا احساس بھی دلانا تھا کہ اب مسلمان اپنے ماقبل کے تمام رشتوں سے کٹ کر رشتہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے یہ خیال ایک نئے فلسفہ حیات کا حصہ تھا اور اس کی وضاحت ضروری تھی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ کہ یثرب کو ایک تحریر دستاویز دی جائے جو اساسی قانون کا مقام رکھتی ہو انتہائی اہم فیصلہ تھا کوئی بھی ریاست تحریری آساس قانون کی موجودگی کے بغیر اپنے مسائل کو امن اور سکون سے حل نہیں کر سکتی اسی طرح اگر کسی ریاست کے باشندوں کا معتد بہ حصہ اس ریاست کے اساسی قانون کی خلاف ورزی کرتا رہے تو اس ریاست میں امن و امان قائم نہیں رہ سکتا۔ حضور اقدسؐ نے جس طرح اس اساسی قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف تادیبی کارروائیاں کیں وہ مثال کا مقام رکھتی ہیں۔ اگر یہ اساسی قانون تحریری نہ ہوتا تو تادیبی کارروائیوں کے وقت اختلاف پیدا ہونے کا احتمال رہتا۔

Marfat.com

شق نمبر ا "ب"

اور جنہوں نے ان کی پیروی کی اور ان سے مل کر جہاد کیا

یہ دستاویز ان لوگوں کے حقوق کی حفاظت اور فرائض کی نشاندہی کرے گی، جو مسلمانوں کی پیروی کریں گے یعنی معاشرے میں ان کی قیادت اور رہبری کو قبول کریں گے ان کے ساتھ امن، سلوک اور پیار و محبت سے زندگی گذاریں گے اور ان کے قوانین کی روشنی میں زندگی گزاریں گے۔ ایک فرد کی پیروی آسان ہوا کرتی ہے کسی گروہ، قبیلہ، قوم یا ملت کی رہبری بڑی صبر آزما ہوتی ہے۔ ایشیاء یا افریقہ کی جن اقوام نے گذشتہ چند صدیوں میں انگریز، فرانسیسی یا دوسرے یورپی اقوام کی رہبری میں زندگی گذاری ہے وہ جانتے ہیں کہ رہبری حاصل کرنے والی قوم کا مقام کیا ہوتا ہے یہاں پر وضاحت سے اور انتہائی غیر مبہم الفاظ میں کہا جا رہا ہے کہ یہ دستاویز مسلمانوں کے لیے ہے مگر اس کا اطلاق ان دوسروں پر بھی ہوگا جو دو بنیادی باتیں قبول کر کے ان کی قائم کردہ ریاست میں شامل ہونا چاہیں گے۔

اوّلاً وہ مسلمانوں کی رہبری کو قبول کریں گے اور ان کے ساتھ مل کر رہیں گے

اور

دوم۔ ان کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے۔

اگر وہ یہ دو باتیں کریں گے تو پھر ان کو بہت بڑا اعزاز حاصل ہوگا اس اعزاز کی نشاندہی شق نمبر ا "ج" میں کی گئی ہے۔

Marfat.com

شق نمبر ا "ج"

یہ ایک ہی امت ہوں گے باقی دنیا کے مقابلہ میں

صاف ظاہر ہے کہ یہ بہت بڑا اعزاز عطا کیا جا رہا ہے کسی کو کوئی لالچ دیتا ہے کسی کو دولت دکھا کر ساتھ ملایا جاتا ہے مگر یہاں پر کہا جا رہا ہے کہ دیکھو ہم مسلمان ایک اُمّت ہیں اس امت میں مہاجر اور انصار شامل ہیں اور ان کے اجتماعی امور اور خصوصاً دفاعِ مدینہ کے لیے انھیں چند احکام دیئے جا رہے ہیں۔ البتہ مدینۃ النبیؐ کے دوسرے لوگ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے یعنی مشرکین مدینہ تو ان کے لیے اس امت میں شامل ہونے کی چند شرائط ہیں اور وہ شرائط یہ ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں کی پیروی میں زندگی گذاریں اور جب مسلمان جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف ہوں تو یہ لوگ بھی شانہ بہ شانہ ان کے ساتھ ملکر جہاد کریں۔ یہاں "جنھوں نے ان کی پیروی کی" صرف عرب قبائل کی جانب اشارہ ہے یہود کا مدینہ میں کوئی سیاسی مقام نہ تھا اس لیے وہ اپنے حلیف عرب قبائل کے ذریعہ ہی اس آئین کے تحت حقوق و فرائض میں شامل ہو سکتے تھے چونکہ یہودی مدینہ کے اندر آزاد سیاسی مقام کے حامل نہ تھے اس لیے عنوان میں ان کا ذکر نہیں البتہ بعد کی اشتقاق میں ان کا ذکر موجود ہے۔

یہاں ایک اہم امر کی طرف اشارہ ضروری ہے۔ سنت نبویؐ صرف اس دَور کے لیے ہی اہم مقام کی حامل نہ تھی بلکہ آج بھی ہے اور سنت کا مقام قیامت تک یہی رہے گا۔ اس لیے جب اس شق میں یہ کہا گیا کہ یہ "مسلمانوں کے درمیان ہے" تو یہ آئندہ بھی مسلمانوں کی توجہ کا اس کی طرف موڑنا ضروری ہے عنوان کا اطلاق پوری دستاویز پر ہوا کرتا ہے اس لیے جب زندگی کے بعض پہلوؤں پر میثاق کا متن زیر بحث آئے گا تو معلوم ہوگا کہ میثاق میں شامل بہت سی اشتقاق دائمی خصوصیت

Marfat.com

رکھتی ہیں۔ ایک مستشرق نے تعجب کا اظہار کیا ہے کہ مسلمان مؤرخوں اور اسی طرح غیر مسلم مؤرخوں نے بھی میثاقِ مدینہ کی جانب بے اعتنائی سے کام لیا ہے[1]۔ اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ دوسری صدی ہجری سے اس دستاویز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور یہودیوں کے درمیان معاہدہ سمجھا جانے لگا تھا۔ اس وقت تک جزیرۃ العرب سے تمام یہودی چلے گئے تھے اس لیے مؤرخوں نے اس دستاویز پر غور کرنے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کی۔ ممکن ہے اس فقیر کا یہ خیال غلط ہو اور اس کی کوئی اور وجہ ہو۔ بہرکیف یہ فقیر سمجھتا ہے کہ اس دستاویز پر غور کرنے کی ازحد ضرورت ہے گذشتہ چودہ صدیوں میں مسلمانوں کی تاریخ نے بہت سے ایسے موڑ لیے جن کے نتیجہ میں ملّت کی صدپارگی بڑھتی گئی اگر اس دستاویز کے مطابق مسلمان عمل کرتے رہے تو آج وہ دوسروں کے دستِ نگر اور محکوم نہ ہوتے۔ آج حقیقتِ حال یہ ہے کہ دوسروں کا ان کے ساتھ ایک ہی امت بننے کا سوال تو پیدا ہی نہیں ہوتا وہ خود بھی ایک امّت نہیں ہیں انھوں نے اپنے آپ کو اس قدر صدپارگی کا شکار بنا لیا ہے کہ اب آیندہ ایک صدی تک ان کا ایک ہی امت میں مربوط ہو کر دارالسلام کو وجود میں لانا اور دارالحرب سے علیحدہ ہونے کی امید نہیں کی جاسکتی۔

دورِ حاضر میں لادینی حکومت کی ایسی خطرناک رو چل نکلی ہے کہ مسلمان بھی اس کی طرف کھنچا چلا جا رہا ہے تعجب ہے تو اس بات کا کہ میثاقِ مدینہ جسے مسلمانوں نے صدیوں قبل بھلا دیا تھا اسی کا حوالہ دے کر آج آواز بلند کی جا رہی ہے کہ اگر میثاقِ مدینہ کے مطابق دورِ نبویؐ میں مسلمان دوسروں کے ساتھ ایک ہی امت بن کر رہ سکتے تھے تو

---

[1] THE CONSTITUTION OF MADINA سارجنٹ۔ مدینہ کا آئین اسلامک کوارٹرلی۔ لندن ۱۹۶۴ء صفحہ ۳

Marfat.com

آج کا مسلمان کیوں غیر مسلم کے ساتھ مل کر لادینی حکومت قائم نہیں کر سکتا یہ آواز بلند کرنے والے اس شق یعنی ا۔ ج کو تو ذہن میں رکھتے ہیں مگر اس سے قبل اور مابعد کی اشتقاق کا مطالعہ کرنا وہ ضروری نہیں سمجھتے ان سے قصداً سہو ہو جاتا ہے اور وہ اس پر غور نہیں فرماتے کہ وہ کون ہیں جن کو مسلمان اپنے ساتھ امت بنانے پر آمادہ تھے یہ "وہ" تھے جنھوں نے مسلمانوں کی پیروی قبول کی تھی اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد فی سبیل اللہ میں ان کے شانہ بہ شانہ کھڑا ہونے پر آمادہ تھے بعد کی اشتقاق سے بھی واضح ہوگا کہ جس ریاست میں ان لوگوں کو اپنی امت میں شمولیت کی اجازت مل رہی تھی انھوں نے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے فیصلے ماننے پر رضامندی کا اظہار کیا تھا اور انھیں معلوم تھا کہ اس دستاویز کے عنوان کے طور پر تحریر کیا گیا تھا کہ یہ دستاویز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی جانب سے ہے یعنی جس ریاست کے لیے یہ دستاویز بنیادی قانون کا مقام حاصل کر رہی تھی وہ ریاست اللہ کے رسول کی سربراہی میں کاروبار زندگی کو نیا یعنی اسلامی رُخ عطا کرنا چاہتی ہے ۔ اس لیے اس ریاست اور اس کی حکومت کو کسی طرح لادینی حکومت یا لادینی ریاست نہیں کہا جا سکتا تھا اگر کسی اسلامی ریاست میں جس کا قانون قرآن و سنت پر مبنی ہو اور اس کے اندر برادری کا درجہ کسی غیر مسلم کو اس شرط پر دیا جائے کہ وہ مسلمانوں کی رہبری میں زندگی گذارے گا اور امت کا حصّہ تصوّر ہوگا تو دورِ جدید کی سیاسی اصطلاح میں اسے اس اسلامی مملکت کی شہریت عطا ہو رہی ہے اس کے شامل ہو جانے سے پوری ریاست لادینی نہیں بن جاتی پاکستان کے ایک غیر مسلم قانون دان سے جو اس وقت اس اسلامی ملک کا وزیر قانون بھی تھا ایک میسائی ملک میں پوچھا گیا تھا کہ جس ملک کا آئین اسلامی ہے اس میں اس کی کیا حیثیت تصوّر کی جانی چاہیے اس نے جواب دیا تھا کہ مجھے اسلامی آئین کے تحت زندگی گذارنے پر رضامندی ظاہر کرنے کے بعد آئینی مسلمان تصوّر کرنا چاہیے یہ بعینہٖ

Marfat.com

وہی مقام تھا جو میثاقِ مدینہ کے تحت ان لوگوں کو دیا جا رہا تھا جو مسلمان نہ تھے مگر مسلمانوں کی رہبری میں مسلمانوں کے قانون اور آئین کے تحت زندگی گذارنے کو اپنے لیے باعثِ فخر تصور کر چکے تھے۔

مستشرقین اکثر یہ کہتے آئے ہیں کہ حضورِ اقدسؐ کے پیشِ نظر ایک عرب ریاست تھی اور اسلام کا عالمی دین ہونے کا خیال انھیں بعد میں ہوا۔[1] مستشرقین کی کم نگاہی نے انھیں قوانین اسلام یعنی قرآن وسنت کے اس پہلو پر نگاہ ڈالنے کا موقع ہی نہیں دیا حضور اقدسؐ نے روزِ اوّل سے کوئی ایسا حکم صادر نہیں فرمایا جسے زمان ومکان کی وسعتوں اور ان کی پیدا کردہ تبدیلیوں کے نتیجہ میں منسوخ کرنا پڑے۔ مثال کے طور پر ریاستوں اور حکومتوں کے ڈھانچے اور ان کی تفاصیل یعنی آیا بادشاہت ہو یا جمہوریت، قبائل کی طرح خاندانی شیوخ ہوں یا عوام الناس کے منتخب کردہ افراد کی جماعت جو ریاست کے امور کو سنبھالے آپ نے اس پہلو کو امت کی صوابدید پر اس حد تک چھوڑا کہ حضرت ابوبکر صدیق کو اپنی موجودگی میں نماز کی امامت کرنے اور ان کی امامت میں خود نماز پڑھنے کے علاوہ کوئی مشورہ یا حکم نہیں دیا کہ آپؐ کے بعد ریاست وحکومت کے امور کس کی سربراہی میں حل کیے جائیں گے یا اس سربراہ کو کس طرح منتخب کیا جائے گا یہ اس لیے کہا گیا کہ وقت اور مقام کے بدلنے سے سیاسی طور طریقوں میں تبدیلیاں بدیہی تھیں اور آپ کی نگاہ قیامت تک کے حالات پر محیط تھی اس لیے آپ نے ایسے امور کو ہمیشہ کے لیے اُمّت کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔

---

[1] میور لکھتا ہے "قرآن کو ایک ذکر بتایا گیا ہے کہ وہ عربی زبان میں ہدایت تھی مکہ اور اس کے اردگرد کے علاقے والوں کے لیے" میور۔ لائف آف محمدؐ سمتھ ایلڈر کمپنی لندن ۱۸۹۴ء صفحہ ۱۴۴

Marfat.com

شق نمبر ۲

قریشی مہاجرین آپس میں خونبہا اپنے موجودہ دستور کے مطابق ادا کرتے رہینگے

یہ شق انتہائی دور اندیشی کا نتیجہ تھی پہلی بات یہ تھی کہ خونبہا کو اسلام کے قانون میں جگہ دی جارہی تھی۔ دوم قریش کے اندر ایک دستور قائم تھا اس دستور میں تبدیلی کی کوئی وجہ نہ تھی اس لیے قریش کو اپنے دستور پر قائم رہنے کی اجازت دے کر انھیں کسی تبدیلی سے دوچار نہیں کر رہے تھے اور خونبہا کی رقم، ادا کرنے کا طریقہ وغیرہ ایسے پہلو ہیں جو بدلتے رہتے ہیں ان بدلنے والے پہلوؤں پر حضورؐ دائمی قانون نافذ نہیں کرنا چاہتے تھے دائم رہنے والے نظامِ زندگی میں صرف دائمی پہلوؤں پر دائمی قوانین بنائے جانے چاہییں۔ تبدیل ہوتے رہنے والے زندگی کے پہلوؤں کو مقامی جغرافیائی اور زمانی اثرات کے تحت بدلنے اور لچک پیدا کرنے کی اجازت ہی صحیح پالیسی کہلا سکتی ہے

شق نمبر ۳

وہ اپنے قیدیوں کو انصاف اور محبت سے آزاد کرائیں گے

خونبہا سے متعلق شق املاء کروانے کے بعد ذہن کا جنگی قیدیوں کی طرف جانا فطری امر تھا دشمن جنگ کا اعلان کر چکا تھا دشمن کی دشمنی کی انتہا معلوم تھی دشمن کے عزائم واضح تھے اُن کا کہنا تھا ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ختم کر دیں گے یا خود ختم ہو جائیں گے[1] یہ جنگ ایسی جنگ قرار پائی تھی جس میں شامل ہونے والے غلبہ یا موت کا عہد کرتے ہیں۔

---

[1] ابن اسحاق ج ۳ ص صفحہ ۱۲۴

Marfat.com

آپؐ جانتے تھے کہ اب تک جنگی قیدیوں کو آزاد کرانے کا کوئی خاص طریقہ رائج نہیں ہوا تھا۔ قید ہو جانے والے کے عزیز و اقارب اگر استعداد رکھتے تو قیدی کو آزاد کرا لیتے ورنہ وہ مرتے دم تک غلام بنا رہتا۔ آپؐ مسلمان قیدیوں کی غلامی کس طرح برداشت کر سکتے تھے آپؐ کے اس قانون سے چند باتیں سامنے آتی ہیں۔ وہ "یعنی قریش مہاجرین" من حیث الجماعت اپنے قیدیوں کو آزاد کرانے کے ذمہ دار تھے۔ دوم یہ کہ یہ ذمہ داری اب قید ہونے والوں کے عزیز و اقارب کی نہ تھی یعنی اب مل کر لڑائی پر جانے والے ایک خاندان کا مقام حاصل کر چکے تھے۔ اس لیے وہ من حیث الجماعت اپنے قیدیوں کو رہا کرائیں گے۔ اور تیسری بات یہ کہ وہ اس ذمہ داری کو انصاف اور محبت کے جذبات سے ادا کریں گے اور اسے بوجھ نہ سمجھیں گے اور نہ ہی مادی وسائل خرچ کرنے سے دریغ کریں گے۔

آپؐ نے جیسا کہ ہونا چاہیے اس قانونِ اساسی میں روپے پیسے کی کسی خاص حد کا ذکر نہیں فرمایا صرف عدل اور محبت کو معیار بنایا ہے۔ زرِ فدیہ وقت اور مقام کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں۔ عدل، انصاف، محبت اور شفقت دائمی اقدار ہیں آپؐ نے یہ شق شامل تو کر دی تھی مگر جو تربیت آپؐ اپنی سپاہ کو دے رہے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ نو سال کی طویل جنگ اور شدید معرکوں کے باوجود آپؐ کے ایک مجاہد نے بھی قیدی بننا گوارا نہیں کیا۔ غزوۂ اُحد اور سریۂ معطہ دو ایسی لڑائیاں تھیں کہ اگر کسی اور لشکر کی سپاہ کو لڑنا پڑتیں تو نہ معلوم ان کے کتنے افراد ہتھیار ڈال کر دشمن کی قید کو قبول کر لیتے۔ مگر حضورؐ کی سپاہ کے افراد سینہ سپر ہو کر تا حد شہادت لڑتے رہے۔ مگر دشمن کے سامنے سپر ڈالنے پر رضامند نہ ہوئے۔ اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ مسلمان کس حد تک اپنے قیدیوں کا تاوان دینے پر رضامند ہو جاتے یا یہ رقم بیت المال سے ادا کی جاتی یا سب مجاہدوں سے حاصل شدہ رقم سے یہ فدیہ

Marfat.com

آزاد کرائے جاتے۔ اغلباً قیدیوں کی آزادی کا تاوان بیت المال سے ہی ادا کیا جاتا اس شق کے الفاظ اور ان الفاظ کی بندش یہی تاثر دیتی ہے۔

شق نمبر ۴

بنوعوف آپس میں خون بہا اپنے موجودہ رواج کے مطابق ادا کریں گے۔

بنوعوف مدینہ کا ایک عرب قبیلہ تھا خونبہا کا معاملہ خاندانوں کا واقعی معاملہ تھا اس میں مداخلت مناسب نہ تھی قریش مہاجرین کو بھی اس معاملہ میں آزادی دی گئی تھی ضروری تھا کہ باقی لوگوں کو بھی یہ آزادی دی جاتی۔

شق نمبر ۵

تمام فریق اپنے قیدیوں کو انصاف اور محبت کے ساتھ اس رواج کے مطابق آزاد کرائیں گے جو مسلمانوں میں قائم ہے۔

یہاں "تمام فریق" سے مراد وہ لوگ ہیں جو ابھی دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے اس اساسی قانون کے ذریعہ انھیں یہ حکم دیا جارہا ہے کہ اگرچہ تم دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے مگر ایک اسلامی ریاست کے شہری ہونے کی بنا پر تم پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ تمھارے افراد اسلام کے عطا کردہ انصاف اور محبت کے اصولوں سے مستفیض ہیں۔

"بالمعروف والقسط بین المومنین" کے الفاظ قابلِ توجہ ہیں۔ یہ الفاظ شق نمبر ۳ میں بھی استعمال ہوئے ہیں یوں محسوس ہوتا ہے جو چند ماہ آپؐ اور آپؐ کے مہاجر صحابہ مدینہ میں گذار چکے تھے ان کے دوران مسلمانوں کا "معروف" برتاؤ

Marfat.com

محبت وشفقت کا آئینہ دار تھا اور عدل وانصاف کو ہمہ وقت پیش نظر رکھا جاتا رہا تھا اگر انتظامی امور سے متعلق کچھ ہدایات جاری کی جاچکی تھیں تو وہ اس فقیر کے محدود مطالعے سے نہیں گذریں ۔

" بین المومنین " کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں ۔ "بین المہاجرین" نہیں کہا گیا ۔ اس لیے یہ محبت وشفقت یا "وہ جو مسلمان اچھا سمجھتے ہیں" اور وہ انصاف جو مہاجر اور انصار مسلمانوں کے اندر پیدا ہو چکا تھا ۔ وہ وحدت ورسالت پر ایمان لانے کا کرشمہ تھا ۔

خیال رہے کہ " تمام فریق " مخاطب کیے جارہے ہیں یعنی اور لوگ بھی اس بات کے معترف ہیں کہ مسلمانوں کے اندر محبت وشفقت اور انصاف کا رواج موجود ہے ۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ صرف موجود ہی نہیں اس کا وجود اس قدر زبان زدِ عام و خاص ہے کہ اسے ریاست کے قانونِ اساسی یعنی ریاست مدینہ کے آئین میں شامل کیا جارہا ہے آئین کو جو مقام آج حاصل ہے اس سے کہیں زیادہ مقام خواہشاتِ سرورِ دو عالمؐ کو تھا ۔ ان کے نافذ کردہ قانون کا مقام تو دینی ودنیوی فریضہ ہے ۔ اگر مسلمانوں کے انصاف کو مثال کے طور پر پیش کیا جارہا تھا تو وہ لوگ جو ان کے انصاف کا نظارہ کر چکے تھے انھوں نے اپنے آپ کو کس قدر خوش قسمت تصور کیا ہوگا کہ اب مدینہ کی ریاست کے سربراہ کے زیر سایہ وہ مسلمان نہ ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں کے سے عدل وانصاف کے حق دار قرار دیئے جا چکے ہیں ۔

اسلام کے عدل وانصاف ، جذبۂ اخوت ، رحم وکرم اور دشمن کے ساتھ بھی مساوات انسانی اور رواداری کا سلوک ان دوسرے لوگوں کو رفتہ رفتہ اسلام سے قریب تر کر رہا تھا " تمام فریق " کے الفاظ میں وہ یہودی بھی شامل کیے جارہے تھے جو اپنے عرب قبائل کے توسط سے اس دستاویز کے مندرجات قبول کرنے کے

Marfat.com

خواہش مند تھے اس طرح کی اشقاق کے ذریعہ وہ رفتہ رفتہ پوری شریعت اسلامیہ کے پابند بنتے جارہے تھے بہت ممکن ہے کہ اہلِ یہود کو اس پہلو کا انکشاف جلد بعد ہو گیا ہو کہ وہ اس دستاویز کے ذریعہ قانونی اور آئینی مسلمان بنتے جارہے ہیں یعنی عملی طور پر وہ مسلمان بن رہے ہیں اس دستاویز کے املاء ہوتے وقت تو انھیں اس بات کا خیال پیدا نہ ہوا تھا البتہ مابعد کے غور و فکر اور پھر انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس حقیقت کے احساس نے انھیں بغاوتوں کی طرف مائل کر دیا۔ قریش کے ساتھ مل کر اسلام کو ختم کر دیں اور یوں عجلت میں قبول کی ہوئی ذمہ داریوں سے مستقل چھٹکارا حاصل ہو جائے۔

شق نمبر ۶

بنو سعید، بنو حارث، بنو جشم اور بنو نجار ان ہی اقدار کے پابند ہوں گے جو عدل و انصاف مسلمانوں میں رائج ہے

ابن ہشام کے اصل متن میں ان تمام قبائل کا ذکر علیحدہ علیحدہ ہے ان کو اختصار کے لیے یکجا کر دیا گیا ہے اور ابن اسحاق کے انگریزی ترجمہ سے بھی اتفاق کیا گیا ہے ہر ایک کے ساتھ " بالمعروف والقسط بین المومنین " کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان الفاظ کا بار بار دہرائے جانے سے جو نفسیاتی اثرات پیدا ہوتے ہیں اور عدل و انصاف کو جو اہمیت حاصل ہوتی ہے وہ صحت مند معاشرے کے قیام میں ممد ثابت ہوتی ہے اور اس وقت بھی ہوئی ہو گی۔

Marfat.com

شق نمبر ۷

بنو عمرو بن عوف، بنو النبیت اور بنو الاوس اسی طرح پابند ہوں گے

ابنِ ہشام کے اصل متن میں ان تینوں قبیلوں کے نام بھی علیٰحدہ علیٰحدہ دیئے گئے ہیں۔ یہاں پر اختصار اور ابنِ اسحاق کے انگریزی ترجمہ کی وجہ سے ان قبائل کے ذکر کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ املاء کے دوران ہر قبیلہ کا علیٰحدہ علیٰحدہ نام لیا جانا زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ جب ایک قبیلہ نے پہل کی اور اس کی خواہش کو قبول کر لیا گیا تو ایک اور قبیلہ کا نمائندہ بول اٹھا ہوگا کہ ہمارا نام بھی شامل کیا جائے۔

عرب دستور کے مطابق ہر قبیلہ اپنی علیٰحدہ آزاد اور خود مختار معاشرتی زندگی کا قائل ہوا کرتا تھا۔ یہ دستور نظر نہیں آتا کہ لکھا جاتا کہ ہم سب اس بات کے خواہش مند ہیں کہ ہمیں یہ رعایت دی جائے۔ بلکہ متحد ہو کر خواہش پیش کرنے کے بجائے ہر ایک نے اس قانون کے اندر رہ کر زندگی گزارنے اور مدینہ کا دفاع کرنے کی خواہش علیٰحدہ علیٰحدہ کی ہوگی اور اسی لیئے ہر ایک کے لیئے علیٰحدہ علیٰحدہ فقرہ استعمال کیا گیا۔

شق نمبر ۸

مسلمان اپنے قیدیوں کے تاوان ادا کرنے میں کوتاہی نہ کریں گے اور نہ ہی خون بہا ادا کرنے میں

مسلمانوں کے درمیان جو شفقت و محبت اور عدل و انصاف ہے اس کا کئی بار یعنی ہر قبیلہ کے ذکر کے بعد بالمعروف والقسط بین المومنین کا ذکر آچکا ہے۔ اس لیے تاکید کے طور پر اور مزید وضاحت کے لیے کیا جا رہا ہے کہ اگر اپنے قیدیوں کو جلد فدیہ

Marfat.com

ادا کر کے نہ لاؤ گے تو وہ تکلیف میں پڑے رہیں گے اسی دلیل کو دوسروں کے مقتولین پر بھی عائد کیا گیا کہ خونبہا بھی جلد از جلد ادا کر دینا ورنہ اختلافات کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اور مسائل پہلے سے زیادہ الجھ جاتے ہیں ۔

پہلے صرف مہاجر مسلمانوں کے لیے حکم تھا اب تمام مسلمانوں کو اس قانون کے تحت لایا جا رہا ہے مہاجر اور انصار کے اصطلاحیں ختم کرنے کا نہایت اچھا طریقہ اختیار کیا جا رہا ہے اس طرح ملی تشخص استوار اور مضبوط کرنے کا عمل قانونی دستاویز میں ایسے طریقہ پر کیا جا رہا کہ طریق کار میں کسی طرح کی اجنبیت نہیں رہتی اس طرح تمام مسلمانوں کے لیے ایک ہی اصول وضع کرنے کے نتیجہ میں مقامی یعنی انصار اور بادیہ کے عرب مسلمانوں کا خونبہا اور قیدیوں کے معاملہ میں اپنے قبیلوں سے علیحدہ دستور کے مطابق عمل کرنے اور باقی مسلمانوں سے قریب تر ہونے کی طرف ایک اور قدم تھا ۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے دستاویز کے اس مقام تک مسلمانوں کے اندرونی معاملات زیر بحث لائے جا رہے ہیں اور انھیں قانونی حیثیت دی جا رہی ہے یہودیوں کے ساتھ کسی سمجھوتے یا معاہدے کا کوئی پہلو سامنے نہیں آتا ۔ پھر اس دستاویز کو یہودیوں کے ساتھ معاہدہ قرار دینا بے بنیاد نظر آتا ہے ۔

شق نمبر ۹

مسلمان اپنے میں سے کسی دوسرے کے آزاد کردہ غلام کو دوسرے مسلمان کی مرضی کے بغیر حلیف نہیں بنائیں گے ۔

ملت کے اندر امن ، صلح ، پیار و محبت اور مکمل سکون کو قائم رکھنا ریاست و حکومت کا اولین فرض ہے یہ فریضہ انتظامی امور کو عدل سے انجام دینے کے علاوہ ایسے قوانین

Marfat.com

وضع کرنے سے پورا ہوتا ہے جو قوانین افراد کے مابین اختلافات کے ممکن مواقع کو کم کریں۔ مسلمان ایک نیا معاشرہ قائم کر رہے تھے حضورِ اقدسؐ نے از اوّل اس معاشرہ کو ایسے قوانین عطا فرمائے جو افراد اور گروہوں کے درمیان محبت اور یگانگت کا باعث بنے۔ اور جن قوانین نے اختلافات کے امکانات کو کم سے کمتر کیا۔ یہ قانون بھی اسی مقصد کے لیے بنایا جا رہا تھا اگر ایک مسلمان نے اپنے کسی غلام کو آزادی دے دی ہے تو معاشرے کا دوسرا فرد اگر آزادی دینے والے کی اجازت کے بغیر اسے حلیف یعنے پناہ رسیدہ کا مقام دے کر اپنے قریب لے آئے گا تو نہ معلوم کون کون سی پیچیدگیاں پیدا ہوں گی غلام کو آزادی دیتے وقت اس کی خوبیوں کے علاوہ اس کی کمزوریاں بھی پیشِ نظر ہو سکتی ہیں شاید وہ کمزوریاں اتنی زیادہ تھیں کہ اس کا معاشرے کے اندر غلام بن کر رہنا بھی نقصان کا باعث بن سکتا تھا۔ اب اگر معاشرے کا ایک اور قابلِ اعتبار اعتماد فرد اسے ایک بار پھر معاشرے کے اندر لا کر اسے پہلے سے کہیں زیادہ مقام دے دیتا ہے تو پورا معاشرہ نقصان اٹھا سکتا ہے اس لیے ایک مسلمان کے آزاد کردہ غلام کو اپنی پناہ میں لینے سے قبل اس غلام کو آزادی عطا کرنے والے سے پوچھ لینا ہی صحیح اقدام کہلا سکتا ہے ایک نئی قائم شدہ ریاست و حکومت کی اقلیتی مگر حکومتی پارٹی کے اندر اختلافات کو کم سے کم رکھنے کی اشد ضرورت تھی اور یہ قانون اسی نوعیت کا تھا۔

شق نمبر ۱

اللہ کا خوف رکھنے والے مسلمان باغی عناصر اور ان لوگوں کی مخالفت کریں گے جو مسلمانوں کے درمیان ناانصافی ظلم دشمنی اور مسلمانوں کے درمیان فساد پیدا کرتے ہیں

اس شق کے مطالعہ سے اس وقت کے مدینہ کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے

Marfat.com

درست کہ ہر گھر کے ایک یا دو افراد مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے مگر باقی ماندہ افراد ابھی دورِ جہالت کی بُت پرستی اور توہم پرستی پر ابھی قائم ہے ان میں ابھی گناہ اور عصیاں سے دوری کی معاشرتی ذمہ داری کا فقدان تھا ان میں ایسے بھی تھے جو قریشِ مکہ کی طرح مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو بنظرِ استحسان نہ دیکھتے تھے بلکہ چاہتے تھے کہ ان کے اندر کمزوریاں پیدا ہوں ۔ آج اس موجودہ دور میں بھی منظم کوششیں کی جاتی رہی ہیں کہ مسلمان معاشروں کے نوجوانوں کے اندر اخلاقی کمزوریوں کو آزادی اور آزاد خیال یا ترقی پسندی کے بہانے فروغ دیا جائے اور یوں ملّتِ اسلامیہ کو حقیقی آزادی سے دور رکھا جائے اس دور میں بھی اس طرح کی فتنہ پرور کوششوں کا وجود دیکھنے میں آیا ہوگا ۔ مدینہ میں یہودی بھی موجود تھے ۔ اس قبیلہ بنی اسرائیل نے کُرّہ ارضی کی نہ معلوم کون کون سی اقوام کو اخلاق باختگی کے ذریعہ برباد کیا ہے اس ضمن میں کہا جا رہا ہے کہ صرف مجرم کے خلاف ہی کارروائی نہ ہوگی بلکہ جو لوگ جرائم یا بغاوت پھیلاتے ہیں ان کو بھی اتنا ہی گنہ گار سمجھا جائے گا اور ان کے خلاف کارروائی میں ہر مسلمان پر حکومت کو مدد دینے کی ذمہ داری ہوگی ۔

آج کے قوانین بھی جرائم پر اکسانے والوں کو ملزم قرار دیتے ہیں مگر ان کا جرم کمتر سمجھا جاتا ہے یہ شق مجرم اور جرم پھیلانے والوں کو یکساں طور پر ایک سطح کا مجرم قرار دیتی ہے ۔ سنتِ خاتم الرسل کے مطابق زندگی گذارنا ہر مسلمان پر واجب آتا ہے حضور اقدسؐ کے حکم کی تعمیل ہر مسلمان پر فرض ہے یہ دستاویز سنتِ خیر الورا سے بڑھ کر حضور پر نورؐ کے احکام کا مقام رکھتی ہے اس لیے مسلمان معاشروں کے لیے اس دستاویز کے قوانین کو ملکی قوانین کا حصہ بنانا ان کے اجتماعی فریضوں میں شامل ہوتا ہے ۔

Marfat.com

شق نمبر ۱۱

اگر کوئی اس طرح کے قصور کا مجرم ہوگا تو تمام مسلمان اس کی مخالفت کریں گے چاہے وہ کسی کا لڑکا ہی ہو۔

اس شق کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم ہر فرد کو دیا جا رہا ہے کہ ہر مسلمان اپنی اپنی سطح پر اس طرح کے مجرموں کو روکنے کی کوشش کرے خیال رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان کو مثالی مسلمان بنانا چاہتے تھے ہر مسلمان اپنی سطح پر قاضی اور حاکم تھا۔ گناہگار افراد کو ہتھکڑیاں لگانے کی بجائے ان کو گناہ سے روکنے کا عمل زیادہ بہتر تھا۔ افراد کے حقوق جب غصب ہوتے ہیں تو فرد قاضی تک اپنا دعویٰ لے جاتا ہے۔ مگر جب معاشرے کے حقوق پامال ہوتے ہیں تو دو راستے ہوتے ہیں۔ پہلا راستہ گھر کے اندر ہی جرائم کو ختم کرتا ہے۔ مجرم کا بھائی اور باپ اُسے بدی، ظلم اور بغاوت سے روک سکتا ہے اور یہ طریقہ سہل بھی ہے اور کارگر بھی۔ دوسرا طریقہ حکومتی کارروائی ہے۔ حکومتی کارروائی کے نتیجہ میں باپ، بھائی، پڑوسی اور قبیلہ کے افراد سچائی اور اجتماعی باہمی مفاد کو چھوڑ کر اپنے خاندانی یا برادری کے مفاد کو ترجیح دے دیتے ہیں۔ یہاں پہلے طریقہ کو بروئے کار لانے کی تلقین کی جا رہی ہے باپ، بھائی، رشتہ دار اور پڑوسی مجرم کو گناہ اور بغاوت سے روک سکتے ہیں اور اگر نوبت حکومتی کارروائی تک پہنچ جائے تو ہر ایک کو کہا جا رہا ہے کہ وہ ان حالات میں بھی صداقت اور اجتماعی مفاد کو اہمیت دیں۔ دورِ نبویؐ میں ایسے واقعات ہوئے جن میں عوام الناس نے از خود یہ ذمہ داریاں ادا کیں۔ مستشرقین نے طویل کہانیاں مرتب کی ہیں کہ اس طرح عوام کے ذریعہ فتنہ بپا کرنے والوں کے خلاف کارروائی قانونی حیثیت نہیں رکھتی اس وقت مدینہ کی ریاست میں میثاقِ مدینہ کے سوا کوئی قانون رائج

Marfat.com

نہیں تھا۔ میثاقِ مدینہ کے متعلق کسی فرد کو یہ کہنے کی جرأت نہیں تھی کہ وہ قانونی دستاویز کا مقام نہ رکھتا تھا۔ اس کی شق نمبر ۱۱ کے الفاظ ہیں "اگر کوئی اس طرح کے قصور کا مجرم ہوگا تو تمام مسلمان اس کی مخالفت کریں گے چاہے وہ کسی کا لڑکا ہی ہو" اس سے تو یہی واضح ہوتا ہے کہ یہ جرائم قابلِ دست اندازی مسلمان عوام تھے اور اگر مسلمان عوام دست اندازی کرکے مجرم کو سزا دیتے ہیں تو اس میں لاقانونیت کا عمل دخل کس طرح ہوا؟ جب کوئی معاشرہ پولیس کو اس لیے وجود میں نہ لائے کہ معاشرے کی اکثریت امن پسند ہے اور اپنے تئیں امن قائم رکھنا جانتے ہیں اور پھر وہ امن قائم رکھیں اور دوسروں کو امن قائم رکھنے پر مجبور کرسکیں تو یہی بات اس معاشرے کو صحیح طور پر احترامِ قانون کا پابند معاشرہ کہا جائے گا۔

مدینہ اس وقت لاقانونیت اور داخلی امن میں شگاف کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا دشمن کی جانب سے جلد حملہ آور ہونے کا یقین تھا۔ ملک کے اندر ابھی فوج تیار کرنے کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ فوج اور جنگ کے متعلق ابھی قانون نہیں بنا تھا بلکہ یہ دستاویز اسی مقصد کے لیے تیار کی جارہی تھی۔ خارجی تعلقات اور فوج سے متعلق قوانین اور پھر دفاع سے متعلق ضروری اقدامات سے قبل داخلی، فوجی اور سفارتی محاذ سے متعلق اساسی قانون بنایا جارہا تھا۔ اس لیے داخلی محاذ پر کوئی ایسا پہلو تشنہ نہیں رکھا جا سکتا تھا جس کے نتیجہ میں جب فوج محاذ پر لڑ رہی ہو تو چند فتنہ پرور شخصیتیں اندرونِ ملک انتشار پیدا کرسکیں۔ یہ شق اور اس سے ماقبل کی شق کو اسی مقصد کے لیے نافذ کیا جارہا تھا۔

Marfat.com

شق نمبر ۱۲

مسلمان کسی غیر مسلم کی خاطر کسی دوسرے مسلمان کو قتل نہیں کرے گا

یہ حکم اس وقت کے عرب معاشرے کے رسم و رواج کے صریحاً خلاف تھا۔ البتہ یہ حکم اس دور کے عرب معاشرے کے لیے انتہائی ضروری تھا اس دور کا عرب بلکہ ساری دنیا حق و انصاف کو اہمیت نہیں دیتے تھے اور اس کے برعکس ان کے نزدیک قوم، برادری اور قبیلہ اہمیت رکھتے تھے۔ چاہے کسی قبیلہ کے کسی فرد نے کتنی ہی غلطی کیوں نہ کی ہو قبیلہ کے افراد اس کی طرفداری کرتے ہیں آج بھی اکثر مقامات پر یہی دیکھنے میں آتا ہے۔ مگر مسلمان حق و صداقت کا طلبگار تھا اسے اب برادری اور قبیلہ کے ناموس سے چھٹکارا دلانا تھا۔ اس لیے اگر وہ دیکھتا ہے کہ اس کا قبیلہ کسی دوسرے قبیلہ کے مسلمان کے خون کے درپے ہے تو اس قانون کے تحت وہ قبیلہ کی خواہشات کو پورا نہیں کر سکتا تھا یہ قانون تو یہاں تک کہتا ہے کہ اگر تمہارے غیر مسلم بھائی کو کوئی قتل کر دیتا ہے تو تم اس کے بدلے مسلمان قاتل کو قتل نہیں کر سکتے تم یہ معاملہ اسلامی حاکم کے سامنے پیش کرو گے اور وہ فیصلہ سنائے گا اس لیے کہ قتل کرنے والا مسلمان بھی تو تمہارا بھائی ہے[1]۔

اس فقیر کے مطالعہ سے ایسا کوئی واقعہ نہیں گذرا جس میں کسی مسلمان نے غیر مسلم کو قتل کر دیا ہو اور مقتول کے عزیز و اقارب اس معاملہ میں انصاف نہ حاصل کر سکے ہوں۔ البتہ قانون کی حیثیت سے یہ بالکل واضح کیا جا رہا تھا اور دنیا کو بتایا جا رہا تھا کہ

---

[1] اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات ۴۹ : ۱۰)

Marfat.com

اسلام ایک علیحدہ قبیلہ، ایک علیحدہ خاندان اور ایک علیحدہ جماعت ہے جو اپنے منفرد نظریۂ حیات کی بنا پر ایک نئی دنیا وجود میں لا رہے ہیں اور کلمہ لآ الٰہ پڑھنے کے ساتھ ہی وہ اس نئی دنیا کی تشکیلِ نو میں شریک ہو جاتے ہیں۔

یہ "شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے ۔۔۔ لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا"

اس کے بعد والی شق نے اخوّتِ اسلامی کا دائرہ مزید مضبوط کر دیا ہے۔

شق نمبر ۱۳

کوئی بھی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے خلاف کسی غیر مسلم کی مدد نہیں کرے گا۔

یہ مجموعہ قوانین، یہ آئین ریاست، یہ اقلیتی پارٹی کی حکومت کا ضابطہ قوانین ملکی اس غرض سے نافذ کیا جا رہا ہے کہ نئی قائم کی جانے والی ریاست اور اس کی نظریاتی اور جغرافیائی حدود کا دفاع اور تحفظ کیا جا سکے۔

اس چھوٹی سی اور گنتی کے افراد پر مشتمل ملّت کو جلد خُذُوْا حِذْرَکُمْ (النساء ۴ : ۷۱) کا حکم آنے والا تھا اور ملک و ملت کے دفاع و تحفظ کے لیے جو اقدامات کرنے تھے ان سے متعلق تفصیلی ہدایات کے تحت یہ حکم بھی آنیوالا تھا۔

لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِنْ دُوْنِکُمْ (آل عمران ۳ : ۱۱۸)

مگر ان احکامات کا ابھی اس دستاویز کے خالق کو براہِ راست علم نہیں تھا مگر خالقِ کائنات کے متعلق کہہ چکا تھا۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی (النجم ۵۳ : ۳)

اس لیے چونکہ آپ کا علم اللہ کی جانب سے ہوا کرتا تھا اس لیے یہی کہا جا سکتا ہے کہ دفاعِ نظریات و حدود ریاست مدینہ کے لیے یہ ضابطہ قانون جو املاء

Marfat.com

کرایا جارہا تھا یہ صرف اس دور کے لیے نہیں تھا بلکہ یہ قیامت تک کے لیے قائم ہونے والی مسلمانوں کی ریاست کیلیے اساسی قانون کا مقام رکھتا ہے۔

اخوت اسلامی کے اصول کو مزید مضبوط کرنے کے لیے یہ حکم انتہائی موزوں تھا خیال رہے کہ یہ قانونی دستاویز خفیہ طور پر یا رازدارانہ طور پر مسلمانوں تک نہیں پہنچائی جارہی تھی بلکہ کھلے دربار میں املاء کروائی جارہی تھی جہاں اغلباً غیر مسلموں کی تعداد زیادہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو شک وشبہ یا ناواقفیت میں نہیں رکھنا چاہتے تھے آپ یہ قانون مسلمانوں کے لیے وضع فرمارہے تھے مگر ساتھ ہی ساتھ غیر مسلموں کو بتارہے تھے کہ ہمارا قانون یہ ہے اگر تم لوگ اس قانون کے تحت مسلمانوں کی رہبری میں دفاعِ ملک کے فریضہ میں شرکت کرنا چاہتے ہو تو ہم آپ لوگوں کو شامل کرنے پر رضامند ہیں اگر آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ان قوانین کی موجودگی میں ہماری رہبری قبول کرنے پر آمادہ نہیں تو پھر آپ لوگ اس دستاویز کے مندرجات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے اور پھر آپ ہمارے ساتھ برابری کا مقام بھی حاصل نہیں کرسکتے۔ دفاع ریاستِ مدنیہ مقصدِ اول تھا۔ اگر یہ سب لوگ ان شرائط پر مسلمانوں کی رہبری میں شمولیت نہیں کرنا چاہتے تھے تو کوئی بات نہ تھی۔ مسلمانوں نے دفاع وتحفظ ریاست اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ وہ اس فریضہ سے غافل نہیں رہ سکتے تھے کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کو دفاعِ ملک وملت کے لیے اللہ کا یہ حکم بھی موصول ہوچکا تھا۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ (البقرۃ ۲: ۲۱۶)

اور بہت ممکن ہے اس کی تشریح بھی کردی گئی ہو کہ کس کے خلاف لڑنا ہے اور حکم آچکا ہو کہ

قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا (البقرۃ ۲: ۱۹۰)

ایک لحاظ سے دوقومی نظریہ کا یہ پہلا اعلانِ عام تھا اور اسے دوست ودشمن

Marfat.com

بھی سمجھ رہے تھے۔ مدینہ کے غیر مسلم اس کو سمجھ کر اس سے اتفاق کر رہے تھے کہ آپ لوگ ایک نئے نظریۂ حیات پر ایمان رکھتے ہیں اس لیے آپ لوگ ایک علیحدہ ملّت ہیں ہم آپ لوگوں کے سایے میں زندگی گذارنے پر راضی ہیں مکّہ کے غیر مسلموں نے کئی سال قبل اس نظریہ کو سمجھ لیا تھا اور اس کو ختم کرنے کے درپے تھے۔ ان کی مخالفت کا یہ عالم تھا کہ اس نظریہ کے ماننے والوں کو مکّہ کی حدود سے باہر قدم نہ رکھنے دیتے تھے کہ کہیں یہ نظریہ کسی مقام پر قائم نہ ہو جائے اس لیے کہ اس نظریے میں پھلنے، پھولنے اور پھیلنے کی قوت تھی اور وہ اس بات سے خائف تھے اگر یہ کسی مقام پر قائم ہو گیا تو ہمارے نظریہ حیات کی موت واقع ہونا یقینی ہے وہ اسے مکّہ کے اندر ہی گلا گھونٹ کر ختم کرنا چاہتے تھے اور اسی لیے مسلمانوں کی ہجرت کی مخالفت کی جاتی رہی اب کامیاب ہجرت کے بعد ان کے پاس جنگ ہی کا راستہ باقی تھا اس کا وہ اعلان کر چکے تھے اور یہ ساری کارروائی اس جنگ کو ناکام کرنے اور مدینہ کی سرحدوں کے دفاع کے لیے یہ ضابطۂ قانون املاء کروایا جا رہا تھا۔

شق نمبر ۱۴

اللہ کے نام پر دی گئی امان سب کی طرف سے ہو گی۔ کمزور ترین مسلمان امان لینے کا مجاز ہے۔

یہ انتہائی دور رس اور اخوّتِ اسلامی و مساواتِ انسانی کے اسلامی اصولوں کے مطابق ملی زندگی کو ڈھالنے والا قانون سپہ سالار اور ادنیٰ مجاہد کو حقوقِ انسانی کے میدان میں ایک ہی سطح پر لے آتا ہے۔ مساوات اور اخوّت کے ضمن میں کسی ضابطۂ حیات میں ایسا کوئی قانون نہیں جو اس کے ہم پلّہ کہا جا سکے۔ مساواتِ انسانی کے دعوے دار نظریۂ حیات اس عملی طور پر مساوات قائم کرنے کی جانب مائل ہی نہیں ہو سکے انکی

Marfat.com

مساوات سیاسی نعرہ بازی کا مقام رکھتی ہے اسلام بجائے خود مساوات واخوت قائم کرنے کا عملی میدان میں ایسا تجربہ ہے جسے صدیوں کی گرد بھی مدھم نہیں کر سکی اسلام فرد کو قوم، قبیلہ، خاندان اور دوسرے ہر تعلق سے علیحدہ تو کرتا ہے مگر اسے فرمانروائے ملک و ملت کے شانہ بہ شانہ کھڑا کر کے اس کی عزتِ نفس کو دوبالا کر دیتا ہے۔

یہ شق ایک لحاظ سے سطور بالا میں املاء کرائی ہوئی اشتقاق کی طبعی کڑی کا مقام رکھتی ہے عرب کے رسم ورواج کے مطابق سب سے بڑا احسان کسی ضرورت مند کو امان دینا ہوا کرتا ہے۔ اور اس امان کا پاس رکھا جاتا تھا۔ مگر اسلام سے قبل امان دینے والے کا طاقتور ہونا یا اپنے قبیلہ میں سرکردہ ہونا ضروری ہوتا تھا اسلام اس طرح کی سیادت کا قائل نہ تھا اس لیے اس شق میں اولاً یہ بتایا گیا کہ اللہ پر دی گئی امان تمام مسلمانوں کی جانب سے ہو گی اور کمزور ترین مسلمان کی عطا کردہ امان پورے علم اسلام کی عطا کردہ امان تصور ہو گی۔ یہ فیصلہ مساوات، عدل و انصاف اخوت، صداقت، رحم و کرم اور بخشش و عطا بھی خصائل کا مرقع نظر آتا ہے۔ جب یہ فیصلہ املاء کرایا گیا ہو گا تو ہر مسلمان کا دل مضبوط سے مضبوط تر ہو گیا ہو گا، اور غیر مسلم سننے والوں میں نہ معلوم کتنوں کے دل و دماغ نے انھیں اس نئی برادری میں شمولیت کے لیے اکسایا ہو گا۔

یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ جنھیں "جہاد میں شامل ہونے اور مسلمانوں کی رہبری میں زندگی گذارنے پر ایک ہی ملت کے افراد گردانا گیا ہے انھیں یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ کسی اسلام دشمن کو پناہ دے کر ملتِ اسلام کے امن و امان اور تحفظ و دفاع کو خطرے میں ڈال دیں۔ اس طرح امان دینے والے کمزور ترین فرد کا مسلمان ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

Marfat.com

شق نمبر ۱۵

مسلمان دوسرے سے علیحدہ ایکدوسرے کے مددگار ہونگے

اس شق میں بھی مسلمانوں کے علیحدہ ملت ہونے کی مزید وضاحت کردی گئی ہے اکثر و بیشتر قانون بنانے والے کئی گوشوں کو تشنہ رہنے دیتے ہیں جن کی وضاحت قواعد وضوابط کے ذریعہ کرنا پڑتی ہے۔ شارع اعظم اب گوشہ خالی نہ رہنے دینا چاہتے تھے جو بعد کے سوالات اور ان کے جوابات کے ذریعہ پُر کیا جاتا۔ بتایا جارہا ہے مسلمان ایک ایسی علیحدہ امت ہیں جو دوسروں کے ساتھ عدل وانصاف کے اصولوں پر ایک ہی مقام پر زندگی تو گذار سکتے ہیں مگر وہ اپنی تنظیم کو کسی صورت کمزور نہ ہونے دیں گے اسلام کے دائرہ سے وہی باہر رہنا چاہتے تھے جو عدل وانصاف کے اعلیٰ معیار کے مطابق زندگی گذارنے کا اہل اپنے آپ کو نہ سمجھتے تھے اس لیے مسلمان اپنی ملت کے ہر فرد کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے کا فیصلہ قانون کے ذریعہ کر رہے تھے کہ وہ کسی صورت میں بھی غلط اقدامات اور مائل بہ انتشار وفساد اعمال میں دوسروں کی مدد نہ کریں گے۔ بلکہ کوتاہ اندیش افراد کے اس طرح کے اعمال کی مخالفت میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے۔

شق نمبر ۱۶

وہ یہودی جو ہماری پیروی کریں گے ان کی مدد کی جائے گی
اور ان کے ساتھ برادری کا سلوک کیا جائے گا۔

شق نمبر ۱ میں کہا گیا ہے "اور جنھوں نے ان کی پیروی کی اور ان سب سے ملکر جہاد کیا" ان کے لیے بھی یہ دستاویز اساسی قانون یعنے آئین کا مقام رکھتی ہے۔

Marfat.com

شق نمبر ۱۶ میں "اور جنھوں نے" کی ایک مثال پیش کی جا رہی ہے وہ یہودی ہیں ان کے متعلق بھی کہا جا رہا ہے کہ اگر وہ مسلمانوں کی پیروی کریں گے تو ان کی مدد کی جائے گی اور تو اور اس غیر عرب خارجی ملّت کے ساتھ برابری کا سلوک کیا جائے گا ممکن ہے مجمع میں موجود کسی یہودی نے یہ سوال کیا ہو کہ ان کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سوال پوچھنے والا شق نمبر ۱ کے وقت موجود نہ ہو یا اپنے آپ کو یقین دلانا چاہتا ہو کہ یہودی بھی "جنھوں نے پیروی کی" کے زمرے میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اغلباً یہ وضاحت خود حضور اقدسؐ نے مناسب سمجھی اور اسے املاء کروا دیا۔

مدینہ میں یہودیوں کا مقام حلیف کی حیثیت سے تھا وہ اپنی خود مختار یا آزاد حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ وہ پناہ یافتہ تھے اور ان کی جو بھی حیثیت تھی وہ پناہ دینے والے کے رحم و کرم پر تھی۔ یہ پناہ کسی وقت بھی واپس لی جا سکتی تھی بلکہ لینے والا بھی اس سے علیحدگی اختیار کر سکتا تھا چونکہ اس سے قبل وہ کسی سیاسی حیثیت اور مقام کے حامل نہ تھے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کا نام خاص طور پر لے کر تحریر کروایا کہ گو وہ اپنے اپنے حلیف قبیلہ کے ساتھ مل کر بعض مراعات حاصل کر سکتے ہیں۔ اور جن عرب قبائل کے نام لیے جا چکے تھے ان کے پناہ رسیدہ یہودی از خود ان مراعات کے حامل ہو سکتے تھے۔ مگر آپؐ نے انھیں علیحدہ اور آزاد سیاسی حیثیت دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس لیے آپؐ نے ان کا ذکر علیحدہ کرنا مناسب سمجھا۔ مگر اس امداد اور برابری کے سلوک کی شرطِ اوّل یہ تھی کہ وہ مدینہ کے اندر اپنی زندگی مسلمانوں کی رہبری میں گزاریں اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہوں۔

پورے میثاقِ مدینہ کا طرزِ تخاطب حاکمانہ ہے اور قانونی دستاویز ہونے کے

Marfat.com

باوجود انتہائی اختصار سے کام لیا گیا ہے اس شق کے الفاظ بھی ایک حکومت کے اعلیٰ ادارے کے الفاظ ہیں ہونا بھی یہی چاہیے تھا۔ ریاست وحکومت کا سربراہ ایک اقلیت کو ان کی صحیح پوزیشن سے آگاہ کر رہا ہے۔ میثاق کو یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کے مقام دینے والے مورخ اس غلط فہمی میں تھے کہ یہودی اپنی دولت کے بل بوتے پر سیاسی اہمیت کے حامل بھی تھے اس غلط فہمی کی بنا پر انھوں نے اس دستاویز کو حضورِ اقدسؐ اور یہودیوں کے درمیان معاہدہ کہلایا۔ پہلی پندرہ اشقاق میں یہودیوں کا کہیں نام ونشان بھی نہیں۔ سولہویں شق انھیں "وہ یہودی جو ہماری پیروی کریں گے" کہہ کر ان کو برابری کا مقام دیا جا رہا ہے باقی یہودی جو پیروی نہیں کریں گے وہ برابری کے سلوک اور امداد کے حقدار نہ ہوں گے۔ جب صرف پیروی کرنے والے یہودیوں کے لیے برابری کا سلوک بنایا جا رہا ہے تو پھر یہ کس طرح کہلایا گیا کہ یہ دستاویز یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدہ تھا۔

شق نمبر ۱۷

کسی یہودی پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔

یہ شق صرف اس بات کی ضمانت دی جا رہی ہے کہ جو یہودی مسلمانوں کی پیروی نہ کرنا چاہیں ان پر زیادتی نہ ہوگی۔ انھیں یہ قانونی تحفظ دیا جا رہا ہے کہ یہودی ہونے کی وجہ سے مدینہ میں مسلمانوں کے آنے سے قبل جن پابندیوں کے تحت وہ زندگی گذار رہے تھے ان پابندیوں میں اگر کسی طرح کی زیادتی شامل تھی تو آئندہ وہ نہ کی جائے گی۔ جو یہودی مسلمانوں کی رہبری میں زندگی گذارنا چاہتے تھے انھیں تو مساوات عطا کر دی گئی باقی ماندہ اپنے ماقبل کے مقام پر رہتے تھے اس شق کے ذریعہ انھیں قانونی تحفظ دیا جا رہا تھا کہ یہودیت کی بنا پر ان کے اوپر کوئی زیادتی نہ ہوگی۔

Marfat.com

شق نمبر ۱۸

یہودیوں کے دشمنوں کی مدد نہیں کی جائیگی

اس شق کو بھی شق نمبر ۱۶ کی کڑی سمجھنا چاہیے۔ مسلمانوں کی رہبری قبول کرنے والوں کو برابری کا درجہ دیا گیا تھا اور ان کی امداد کرنے کا یقین دلایا گیا تھا۔ شق نمبر ۱۷ میں بتایا گیا ہے کہ جو یہودی شق نمبر ۱۶ سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتے ان پر بھی کسی طرح کی زیادتی نہ ہوگی۔ اس شق میں انھیں یقین دلایا جا رہا ہے کہ چونکہ تم لوگ مدینہ کے شہری ہو اس لیئے اگر تم ہماری سیادت قبول نہ بھی کرو گے تو اس انکار کو ہم دشمنی پر محمول نہ کریں گے اور تمھارے دشمنوں کی مدد نہیں کریں گے۔ ریاستِ مدینہ کے شہری چاہے وہ اجنبی افراد یعنی کسی دوسری ریاست کے شہریوں کے طور پر یہاں زندگی گزار رہے تھے انھیں حفاظت مہیا کرنا ریاست مدینہ کی ذمّہ داری تھی۔ یہودی اس اُصول سے واقف نہ تھے۔ انھیں اب تک کسی مقام پر کسی طرح کی شہریّت میسّر نہ آئی تھی۔ کسی یہودی نے یہ ضرور پوچھا ہوگا کہ اس نئی ریاست میں رہ کر اگر وہ اس کی شہریّت قبول نہ کریں تو آیا انھیں اپنے بیرونی دشمنوں کے خلاف کسی طرح کی حفاظت مہیا ہوگی یا نہیں؟ اس شق کے ذریعہ ان کا یہ خدشہ دُور کیا گیا تھا۔ حضور اقدسؐ مدینہ کے اندر امن اور صُلح کے خواہاں تھے۔ جو لوگ مدینہ کے دفاع میں آپؐ کی قیادت قبول کر رہے تھے انھیں تو مساوی حقوق عطا ہو رہے تھے۔ البتہ جو لوگ اس طرح تعاون سے اپنے آپ کو علیٰحدہ رکھنا چاہتے تھے انھیں بھی کسی طرح کی تکلیف نہیں دی جاتی تھی اور اس آزادی کو قانونی تحفظ عطا ہو رہا تھا۔ مدینہ کا دفاع مسلمانوں کی ذمّہ داری تھی۔ مسلمان اس ذمہ داری کو تنہا ادا کرنے کا تہیہ کر چکے تھے۔ اس مقصد کے لیئے ریاست معرضِ وجود میں لائی جا چکی تھی۔

Marfat.com

اسی مقصد یعنی دفاع کے لیئے قانونی دستاویز بھی تیار کی جا رہی تھی۔ اس دستاویز میں ان لوگوں کو بھی امان دیا جا رہا تھا جو مدینہ میں رہنا تو چاہتے تھے مگر مکمل شہری بننے اور شہری کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا نہ چاہتے تھے۔ انھیں اپنے حال پر چھوڑا جا رہا تھا مگر اس کے باوجود ان کے بیرونی دشمنوں کو کسی طرح کی مدد نہ دینے کا اطمینان دلایا جا رہا تھا اور اندرونِ ملک بھی ان پر کوئی زیادتی نہیں کی جاتی تھی۔

جو یہودی مسلمانوں کی رہبری قبول کر رہے تھے انھیں تو یقیناً معلوم تھا کہ ان کے دشمنوں کو ان کے خلاف مدد نہیں ملے گی۔ یہ شق ان یہودیوں کے لیے تھی جو رہبری قبول نہیں کرنا چاہتے تھے۔ البتہ جن یہودیوں نے رہبری قبول کی تھی ان کو اس بات کی امید ہرگز نہیں دلائی گئی تھی کہ ان کو ان کے دشمنوں کے خلاف مدد دی جائے گی۔ اس شق سے ایک اصول وضع ہوتا ہے یعنی مسلمان ریاست کسی دوسری غیر اسلامی ریاست کے ساتھ دفاعی معاہدہ تو کر سکتی ہے مگر دفاعی DEFENSIVE اور جارحانہ OFFESIVE معاہدہ نہیں کر سکتی۔ اس لیئے کہ غیر مسلم ریاست اگر کسی دوسری ریاست پر غاصبانہ طور پر جارحانہ حملہ کرے گی تو اس صورت میں مسلمان ریاست اس کی مدد کو جائے گی تو یہ اقدام غیر اسلامی ہوگا۔ مسلمان دوسروں کے دشمنوں کو اپنا دشمن بنا کر بے وجہ اپنے دشمنوں میں اس لیے اضافہ نہیں کرنا چاہتے تھے کہ مسلمانوں نے تو لڑائی صرف اس وقت کرنی ہے جب وہ خالصتاً فی سبیل اللہ ہوگی۔ یہودی اس طرح کی کسی قید کے پابند نہ تھے۔ اس لیے ان کی شروع کردہ جنگ میں مسلمان ملوث ہو کر اپنے اصول کو تباہ نہ کر سکتے تھے کہ ان کی لڑائی اور ان کی صلح ہر دو اللہ کی مرضی کے مطابق ہوں گے۔ وہ اپنے مفاد کے لیے کسی سے جنگ نہ کریں گے۔ انھیں تو تبلیغ دین کے لیے بھی سختی کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اس لیئے کہ وہ تو لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ - ۲: ۲۵۶) کے پابند تھے۔

Marfat.com

شق نمبر ۱۹

مسلمانوں کا امن غیر منقسم ہے

بات دشمنوں اور دشمنی کی چل پڑی تھی اور کہا گیا تھا کہ یہودیوں کے دشمنوں کو مدد نہیں دی جائے گی۔ لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے خیالات اُبھر سکتے تھے کہ مسلمان ایک دوسرے کے دُشمن کے ساتھ کیا سلوک کریں گے یا تعلقات قائم کریں گے۔ اسلام کا پھیلنا بدیہی تھا۔ حضور اقدسؐ کئی بار فرما چکے تھے کہ آپؐ تمام عالمِ انسانی کے لئے مبعوث ہو کر آئے ہیں۔ اس لیے اسلام کا دوسرے مقامات تک پہنچنے کا یقین تھا۔ جب یہ قانون املاء ہوا کہ یہودیوں کے دشمنوں کی مدد نہیں کی جائے گی تو مسلمانوں کے بین علاقائی اور بین ملکی تعلقات کا خیال سننے والوں کے دلوں میں پیدا ہونا بدیہی تھا۔ آپؐ نے مسلمانوں کے لیئے قیامت بین ملکی قانون نافذ فرما دیا۔ یعنی مسلمانوں کا امن غیر منقسم ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ آپس میں کبھی جنگ نہیں کر سکتے اور دوم کہ اگر کسی غیر مسلم ملک کے ساتھ ایک مسلمان ملک کی جنگ چھڑ گئی ہے تو یہ جنگ پورے عالم اسلام کی جنگ ہے اور جب مسلمان کسی دوسرے کے ساتھ امن سے رہیں گے تو سب مسلمان اس ملک کے ساتھ امن کے ساتھ رہیں گے۔ حضور اقدسؐ کے اس فیصلے کی تائید میں قرآن حکیم کی آیات نازل ہوئیں۔ یہ آیات اسلام کی خارجہ پالیسی کا حصہ ہیں[1]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ قانون فرض کا مقام رکھتا ہے۔

---

[1] لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (آلِ عمران ۳:۲۸)
لَا يَتَّخِذِ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (النسآء ۴ : ۱۴۴)

Marfat.com

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کے یہی معنی ہیں۔ مسلمانوں کو اپنا امن ہمیشہ غیر منقسم رکھنا چاہیے اور جب وہ اپنے امن کو تقسیم کرتے ہیں تو حکم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے روگردانی کر رہے ہوتے ہیں۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ جب کبھی مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ برسرپیکار ہوئے تو اس کا خمیازہ صدیوں تک بھگتتے رہے۔

اس شق میں اس دَور کے غیر مسلموں کو سرِعام بتایا جا رہا تھا کہ مسلمانوں کا امن غیر منقسم ہے اور وہ اس خام خیالی میں نہ رہیں کہ وہ اسے پارہ پارہ کرنے کے بعد بھی حقیقی معنوں میں مسلمان رہیں گے۔ جب کبھی مسلمانوں نے اپنے امن کو تقسیم کیا تو اپنے ضمیر کو خوش کرنے کے لیے دوسرے کو اسلام سے ہی خارج کر دیا اور کہا کہ وہ مسلمان ہی کہاں ہے جو ہم اس کے خلاف جنگ کو بند کر دیں۔ عہدِ حاضر میں بھی مسلمان ممالک ایک دوسرے کے ساتھ برسرپیکار رہے اور جنگ بند نہ کرنے کا جواز یہ پیش کیا کہ وہ دوسرا تو مسلمان ہی نہیں۔ مگر یہ بھول گئے کہ کافر بھی جب صُلح کی پیش کش کرتا ہے تو اس کی اس پیشکش کو قبول کرنا پڑتا ہے وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (الانفال ۸ : ٦١) حقیقت میں جب کوئی مسلمان حکمران اس طرح کی پیشکش کو ٹھکرا دیتا ہے تو وہ قرآن اور حکم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یعنی اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے احکام سے بیک وقت روگردانی کر رہا ہوتا ہے اور اپنے لیے دونوں جہانوں میں آگ کے شعلوں کو دعوت دیتا ہے۔

اس قانون کے نفاذ کے کچھ عرصہ بعد مدینہ کے یہودیوں نے کوشش کی کہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر ان کے امن کو تقسیم کر دیں۔ وہ امن کے تقسیم کرنے میں تو کامیاب نہ ہوئے البتہ منافقوں کا ٹولہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جس کے افراد دورِ نبوی میں تکالیف دیتے رہے اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دَور کے بعد تو مسلمانوں کے امن کو واقعاً تقسیم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اُحد کے موقع پر منافقوں

Marfat.com

نے ناقابلِ برداشت نقصان پہنچایا۔ حضور پُرنورؐ کی موجودگی کی وجہ سے مسلمانوں کے دِل اتنے مضبوط تھے کہ انھوں نے اس روز دشمن کی طاقت اور منافقوں کی پیدا کردہ اندرونی خلفشار کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔

شق نمبر ۲

جب مسلمان اللہ کی راہ میں لڑ رہے ہوں گے تو کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی مرضی کے بغیر صلح نہیں کرے گا۔

اس شق کا اطلاق اس دَور میں کہیں تصور میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ اس وقت مسلمانوں کی ایک ہی ریاست تھی۔ اس کی سربراہی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھ میں تھی۔ کسی دوسری اسلامی ریاست کے وجود میں آنے کا فوری امکان نہ تھا۔ اس شق کی ضرورت آئندہ نسلوں کو تھی۔ مسلمانوں کا امن غیر منقسم اسی صورت رہ سکتا ہے کہ جب ایک سے زائد اسلامی مُلک بیک وقت لڑائی میں شامل ہوں تو ان میں سے کوئی مسلمان مُلک بھی دشمن کے ساتھ علیٰحدہ صُلح نہ کرے۔ دوست اور حلیف مُلک کا علیٰحدہ صُلح کرنا دوسرے ساتھی کی پیٹھ میں چھُرا گھونپنے کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران جب بلجیم پر جرمنی کا قبضہ ہوا تو بلجیم کے بادشاہ نے اپنی ریاست کے اندر قتلِ عام روکنے کی غرض سے جرمنی کے ساتھ صُلح کر لی تھی۔ اس کے اس اقدام کو برطانوی وزیرِ اعظم چرچل نے اور فرانس کے وزیرِ اعظم نے دوستوں کی پیٹھ میں چھُرا گھونپنے کا نام دیا تھا۔

جہاں تک اس وقت کے ان دوسروں فریقوں کا تعلق ہے ان کے ساتھ اس طرح کا سمجھوتہ بعید از قیاس تھا۔ اولاً تو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان مل کر لڑائی کرنے کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ دوم مستقبل میں اگر اس طرح کا فیصلہ ہو بھی جاتا تو ایسی

Marfat.com

دوسری اشقاق موجود ہیں جو غیر مسلموں کو علیٰحدہ صُلح کرنے سے روک سکتی تھیں اور اگر وہ علیٰحدہ صُلح کر بھی لیتے تو ان کی صلح مسلمانوں کو جنگ بند کرنے پر مجبور نہ کر سکتی تھی۔

شق نمبر ۲۱

حالات ہر ایک کے لیے یکساں ہوں گے

زمانۂ جنگ ہو یا امن کے حالات۔ مساواتِ انسانی کا تقاضا ہے کہ ہر ایک کو یکساں طرح کے مواقع فراہم ہونے چاہیے تاکہ ہر ایک اپنی استعداد کے مطابق حالات سے استفادہ کر سکے۔ حکومت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ مُلک کے اندر ہر فرد کو یکساں مواقع فراہم کرے۔

مدینہ کے خلاف قریش کے اعلانِ جنگ کے بعد جب "آئین" کے اندر جنگ سے متعلق قوانین وضع کیے جا رہے تھے تو ہر فرد کو اس بات کا احساس دلانا ضروری تھا کہ دفاعِ ریاست و مملکت کے فرائض کی انجام دہی کے دوران حکومت میں شمولیّت یا اور کسی قسم کی افضلیت وسائل کی مساوی تقسیم میں حائل نہیں ہو سکتی۔ اگر اس طرح وسائل کی بہم رسانی میں مساوی سلوک روا نہ رکھا جائے تو ریاست کا دفاع خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ جن مسلمان معاشروں نے عدم مساوات کو فروغ دیا ان کے اندر وحدت فکر و عمل پیدا نہ ہو سکی۔ اور پھر طوائف الملوکی کے نتیجہ میں مراعات حاصل کرنے والے اور مساوات کے اُصولوں کو توڑنے والے خود بھی لاقانونیت کے طوفان میں بہہ گئے۔ گذشتہ صدیوں کی غلامی اور باتوں کے ساتھ ساتھ اسی عدم مساوات کا نتیجہ تھی۔

صدیوں کی غلامی کے نتیجے میں جو صدیا پارگی پیدا ہو چکی تھی اس کی کانٹوں بھری فصل

Marfat.com

آج لہلہا رہی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا ہے کہ فکری انتشار کسی بات پر اتفاق رائے نہیں ہونے دیتا۔ اور جب تک فکری اتحاد وجود میں نہ آئے عملی اتحاد کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا فکری اتحاد کے بغیر جو معاہدے کیے جاتے ہیں وہ ذرہ ذرہ سی بات پر توڑے جاتے ہیں۔ یہ فکری انتشار آج مسلمان ریاستوں کے مابین بھی ہے اور ان کے اندر بھی موجود ہے

شق نمبر ۲۲

جب غزوات پر جانا ہوگا تو سوار اپنے ساتھ دوسرے کو بٹھائے گا

یہ شق وسائل کی کمی کو پورا کرنے کی غرض سے شامل کی گئی ہے اس اولیں دور میں وسائل از حد کم تھے اس لیے ایک قانون نافذ کیا جا رہا تھا کہ لڑائی کے لیے جاتے ہوئے جو ذرائع حمل و نقل ہیں ان کو بہم مل کر استعمال کیا جائے۔ یہ شق آج کی مسلمان ممالک کی حکومتوں کو اجازت دیتی ہے کہ وہ جنگ چھڑ جانے پر عوام کے پاس ذرائع حمل و نقل کو حکومت کی تحویل میں متفقہ معاوضہ پر اپنی تحویل میں لے لیں بلکہ یہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر اس پر از جہل دور پر باہم مل کر جنگ نہیں کر سکتے تو جنگ میں مصروف مسلمان ریاست کو مادی وسائل تو دیتے رہیں۔

شق نمبر ۲۳

جب اللہ کی راہ میں جنگ ہو رہی ہو تو مسلمان ایک دوسرے کے خون کا بدلہ لیں گے

اس شق کا یوں تو سادہ سا مطلب ہے کہ جنگ کے دوران اگر ایک طرف مسلمانوں پر بندوق سے حملہ ہو رہا ہو اور وہاں نسبتاً زیادہ اتلاف ہو رہی ہوں یا ہوئی ہوں اور دوسری طرف

Marfat.com

دشمن کمزور ہو اور اس جانب حربی کارروائیاں کمتر ہوں یا اس جانب پر دشمن حملہ نہ کرنا چاہتا ہو تو اس طرح کے دوسرے محاذ پر مسلمان سپاہ کو خاموش بیٹھ نہیں رہنا چاہیے بلکہ اس خاموش محاذ جنگ پر دباؤ ڈال کر دوسرے محاذ پر دشمن کا دباؤ کم کر دینا چاہیے۔

جب اس شق کو دورِ حاضرہ کے حالات پر منطبق کرنے کی کوشش کی جائے اور کرۂ ارضی پر پھیلے ہوئے مسلمان ممالک کے خلاف جو کارروائیاں ماضی میں ہوتی رہی ہیں یا آج بھی ہو رہی ہیں تو مسلمانوں کو ایک دوسرے کی امداد بالواسطہ کرتے رہنا پڑے گی۔ کرۂ ارضی پر پھیلے ہوئے مسلمان ملّت کے مواطن کے دفاع کے لیے اب فرداً فرداً کوششیں بے سود ہوں گی۔ متحدہ منصوبے تیار کرنے ہوں گے اور ان کی تیاری کے لیے ایک مستقل ادارہ وجود میں لانا ہوگا۔

ماضی کے حالات کا سرسری سا جائزہ بھی بتا دے گا کہ مسلمان حکمرانوں کی علیحدگی پسندی نے ملتِ اسلام کو ہر مقام پر کمزور کر دیا تھا۔ جب ارض مقدّس پر متحدہ یورپ کے حملے ہو رہے تھے تو باقی مسلمان خاموش تماشائی بن کر دور سے دیکھتے رہے اور اگر کسی نے پوچھا بھی تو کہہ دیا کہ پہلی ذمہ داری قریب والوں کی ہے جب وہ دشمن سے نبرد آزما ہو چکیں گے تو پھر ہماری باری آئیگی جب وسطی ایشیا کا مسلمان عیسائی حملوں کا ہدف بنا تو اس کی مدد کو بھی کوئی نہ پہنچا۔ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (الانبیاء ۲۱ : ۹۲) کی تلاوت ہر مسلمان کرتا رہا مگر اس کے معانی اور ان معانی کا عملی نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے نہ آسکا۔

حضور پر نورؐ نے تو مسلمانوں کا امن غیر منقسم قرار دیا ہے (شق ۱۹) اور یہ حکم بھی دیا ہے کہ ایک محاذ پر نقصانات کو کم کرنے کے لیے دوسرے محاذ پر حملہ کر کے پہلے نقصان کا ازالہ کرو (شق ۲۲)۔ مگر مسلمان ان احکامات کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ یہ شق آج بھی دنیائے اسلام کو دعوت دے رہی ہے کہ ایک تنظیم وجود میں لاؤ جس کے نتیجہ میں

Marfat.com

ایک دوسرے کی کمک کو پہنچ سکو اور یوں اس الجھی ہوئی دنیا کے الجھے ہوئے مسائل کا حل پیدا کر سکو۔

شق نمبر ۲۴

مسلمان اللہ سے ڈرتے ہیں انہیں اچھی ھدایت اور استقلال نصیب ھوتا ہے

اللہ کے خوف کے نتیجہ میں دوسرے تمام خوف قلب و ذہن سے نکل جاتے ہیں "راس الحکم مخافۃ اللہ" اور اللہ پر بھروسہ بڑھ جاتا ہے اور اللہ کی جانب سے صبر و استقلال میں اضافہ ہوتا ہے اس صبر و استقلال سے قلبی طمانیت حاصل ہوتی ہے۔ اور ذہن پرسکون ہونے کی وجہ سے اللہ کی جانب سے ہدایت حاصل کرنے کے قابل بن جاتا ہے۔ اب اس کا ہر فیصلہ درست ہوتا ہے اور وہ جلد دشمن پر فتح پالیتا ہے اس سکون اور طمانیتِ قلب و ذہن کی حالت میں جب وہ اپنی جان وحدہٗ لاشریک کی بارگاہ میں پیش کرنے کی خاطر غیر معمولی بلکہ یوں کہیے کہ فوق البشری جراءت و شجاعت کے کام کر جاتا ہے تو قدرتی طور پر دشمن کے ذہن پر اس کا اثر بہت شدید ہوتا ہے، یہ اثر دشمن کو بزدل بنانے کی طرف لے جاتا ہے اور میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔

مہاجر مسلمان جب مدینہ پہنچے تو ان کی جراءت و بہادری کی داستانیں ان سے قبل ہی وہاں پہنچ چکی تھیں مکہ میں ان پر جو گذرتی رہی تھی اس سے ایک دنیا آشنا تھی۔ ہجرت کے دوران جب وہ اہل مکّہ کی مخالفت اور مزاحمت کے باوجود اتنا طویل سفر ایک ایک اور دو دو کر کے مدینہ پہنچے تھے تو ان کی یہ کامیابی بھی جراءت مندانہ اقدام تھا مدینہ میں بھی ان کی زندگی ہر ایک کے سامنے تھی بہت ممکن ہے کہ ان اوّلین ایام میں بھی

Marfat.com

مکہ کی جانب سے چھوٹی بڑی مہمیں روانہ کی گئی ہوں اور مہاجر اصحاب نے ان کے خلاف داد شجاعت دی ہو۔ انصار صحابہ کی زندگی بھی اسلام لانے کے فوراً بعد بدل چکی تھی اور خوفِ خدا نے تمام دوسرے خوف کافور کر دیئے تھے اس طرح کی دستاویز میں مسلمانوں کی دلیری اور جرأت اور اللہ کی تائید اور رہبری کا ذکر معمولی بات نہ تھی۔ اس طرح جب حقیقت برسرِ عام تسلیم کی جاتی ہے تو مخالف گروہ کے دلیر جوان از خود کھچے ہوئے چلے آتے ہیں اور اس طرح وہ دلیر اور جرأت مند گروہ میں شمولیت حاصل کرنے پر اپنے آپ کو خوش بخت سمجھتے ہیں۔

شق نمبر ۲۵

کسی مشرک کو اجازت نہ ہوگی کہ وہ قریش کا مال یا جان اپنی حفاظت میں لے

قریشِ مکہ، مدینہ کے خلاف جنگ کا اعلان کر چکے تھے مگر یہ اعلان اس صورت میں تھا جب اہلِ مدینہ مسلمانوں کو مدینہ سے نکال نہیں دیتے اس لیے اس اعلان کو مسلمانو کے خلاف اعلانِ جنگ تصوّر کرنا چاہیے۔ جنگ کے دوران دشمن کے ساتھ راہ و رسم رکھنا فی نفسہٖ جرم ہے البتہ دوستی کے تعلقات یا دشمن کے مال کو اپنے "امان" میں لیکر اس کی حفاظت کرنا صریح طور پر دشمن دوستی اور ملک و ملت دشمنی ہے اس دلیل کے نتیجہ میں اس طرح دشمن کو مدد دینے کے عمل پر قانون کے ذریعہ قدغن لگایا جا رہا ہے مدینہ کے مشرک قریشِ مکہ کے دشمن نہ تھے مدینہ کی ریاست جو مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی وہی جنگ کے دوران دفاع کے انتظامات مکمل کر رہی تھی اس لیے خدشہ تھا کہ کئی مشرک ایسے ہوں گے جو قریشِ مکہ کے مال کو اپنی حفاظت میں لے کر اس کو بچانے کی کوشش کریں گے اگر یہ قانون نہ بنایا جاتا اور قریش حملہ آور ہوتے یا ان کا قافلہ

Marfat.com

مسلمانوں کے ہاتھ آنے لگتا اور مدینہ کا کوئی مشرک پکار کر یہ کہہ دیتا کہ "یہ لوگ اور یہ مال میری حفاظت میں ہے"۔ تو عرب کے دستور کے مطابق اب اس مال پر قبضہ کرنے کے لیے اس شخص اور اس کے قبیلے کے ساتھ لڑائی کرنا پڑتی اس قانون کے بن جانے سے اب کوئی مشرک قریشِ مکہ کی کسی شے کو اپنی "حفاظت" میں نہیں لے سکتا تھا۔ دربارِ عام میں مشرک، یہودی اور مسلمان اس قانون کو تسلیم کر رہے تھے۔

اس شق میں یہودیوں کا ذکر نہیں اس لیے کہ وہ تو خود عرب قبائل اور ان کی شاخوں کی "حفاظت" اور "امان" میں تھے مدینہ کے اندر ان کا کوئی خود مختار مقام نہ تھا جو خود "امان" کے ذریعہ زندگی گذار رہا ہو اس کا دیا ہوا "امان" حرفِ بے معنی کا مقام رکھتا ہے جس کی کوئی بنیاد نہ ہو۔

دورِ جدید میں یہ طریقہ عام ہے کہ جب جنگ چھڑ جاتی ہے تو دشمن کا جس قدر مال و اسباب، بحری جہاز، ہوائی جہاز، مشارکت کے ذریعہ یا مکمل طور پر قائم کیے گئے کارخانے ملک کے اندر موجود ہوں حکومت فوراً ان کو اپنی تحویل میں لے لیتی ہے اور دشمن کے شہریوں کو قید کر لیتے ہیں اکثر بڑے ممالک جنگ کا اعلان کرنے یا پڑوسی کی حدود کے اندر حملہ آور ہونے سے قبل اندازہ لگا لیتے ہیں کہ ان کے کتنے جہاز اس ملک کی بندرگاہوں میں لنگر انداز ہوں گے جس کے خلاف وہ جنگ شروع کر رہے ہیں۔ بعض دفعہ جب اس طرح زیادہ نقصان کا احتمال ہوتا ہے تو جنگ شروع کرنے سے چند گھنٹے پہلے اپنے جہازوں کو خفیہ پیغامات کے ذریعہ دشمن کی حدود سے اور ان کے قرب و جوار سے نکل جانے کے احکام بھیج دیئے جاتے ہیں البتہ اس طرح اس بات کا اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں اس ملک کو شک نہ پڑ جائے کہ حملہ ہونے والا ہے عسکری اعلیٰ کمان MILITARY HIGH COMMAND

Marfat.com

ہی یہ فیصلہ کیا کرتی ہے کہ اپنے جہازوں اور ہوائی جہازوں اور ان کے عملے کو محفوظ مقامات پر پہنچا دیا جائے یا انھیں ہونے دیا جائے

شق نمبر ۲۶

نہ ہی وہ (کوئی مشرک) قریش کے معاملہ میں دخل دے گا۔

یہ پابندی بھی مشرکوں کے لیے ہے یہ دخل کئی طریقوں سے دیا جا سکتا تھا اگر اساسی قانون میں اس کی ممانعت نہ کر دی جاتی تو وہ نامناسب قسم کی صلح کی کوشش کر سکتے تھے وہ بے وجہ عسکری تیاری پر پابندیاں لگانے کی تجاویز پیش کر سکتے تھے ایک ایسی ریاست جس میں مختلف مذاہب اور قومیں آباد ہوں اور ذمہ داری صرف ایک طرح کی آبادی پر ہو وہاں تخریب کار کئی طرح سے دفاع کو کمزور کر سکتے ہیں دورِ جدید کا مسلمان انتیسویں اور بیسویں صدی عیسوی کے دوران ان گنت محاذوں پر اس طرح کی آبادی کے ذریعہ نقصان اٹھا چکا ہے۔ تعجب ہے تو اس بات کا کہ اسے ابھی اپنے اندرونی اور بیرونی دفاع کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہیں ہوئی اور ملت کے دشمنوں کو ہر طرح کی آزادیاں دے رکھی ہیں۔ حتیٰ کہ انھیں حکومت کے ایوانوں اور عساکر کی صفوں میں بھی اعلیٰ ترین مدارج عطا کر رکھے ہیں حکومت اور دفاعی رازدارانہ شعبوں کے لیے قرآن کا حکم ہے۔

لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ (آلِ عمران ۳ : ۱۱۸)

(اپنوں کے سوا راز میں کسی کو شریک نہ کرو)

قریش کے معاملات کو صرف مسلمان ہی سمجھ سکتے تھے اس لیے مسلمانوں کے سوا سب کو ان کے معاملہ میں دخل دینے سے منع کر دیا گیا تھا۔

Marfat.com

شق نمبر ۲۷

اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کو بغیر جائز وجہ کے قتل کرتا ہے تو اسے بھی قتل کیا جائے گا سوائے اس حالت کے کہ اگر اس کا وارث راضی ہو گیا ہو۔ تمام مسلمان ایسے آدمی کے خلاف ہونگے مسلمان جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے ایسے آدمی کو پناہ نہ دیگا۔ قیامت کے دن اللہ کا غضب ایسے آدمی پر ہوگا۔ اسکی توبہ قبول نہ ہوگی۔

اس وقت جو صورت حال تھی یہ شق عین اس کے مطابق تھی۔ قریش مکہ مسلمانوں کو ختم کرنا چاہتے تھے مسلمان تعداد میں ازحد کم تھے۔ قریش ایک ایک کر کے مسلمانوں کی تعداد مزید کم کروا سکتے تھے۔ مسلمانوں کے پاس افرادی قوت اس قدر کم تھی کہ وہ ایک فرد کی کمی بھی گوارا نہ کر سکتے تھے۔

یہ خیال بھی رہے کہ مسلمانوں کے قتل سے نفسیاتی طور پر مسلمانوں کے وقار پر ضرب پڑ سکتی تھی۔ دوسری طرف صورت حال یہ تھی کہ ہر گھر میں ابھی مشرک موجود تھے۔ یعنی اگر دشمن لالچ دے کر کسی مشرک سے ایک مسلمان کو قتل کرا دیتے اور قاتل کا مسلمان بھائی بھی اس کی مدد کرتا تو مسلمانوں کے درمیان کس قدر اختلافات اور رنجشیں پیدا ہو جاتیں۔ عرب قبائلی دستور کے مطابق قبیلے کا ہر فرد قاتل کو مدد دینے کا پابند تھا ادھر اسلام اس بات کی نہ اجازت دیتا تھا اور نہ ان پرانی وفاداریوں کو برداشت کر چکا تھا اس طرح کے قبائلی تعصبات سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اس طرح کے سخت الفاظ استعمال کرنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا۔

مسلمانوں نے مدینہ کے دفاع کی ذمہ داری قبول کی تھی۔ یہ دفاع اسی صورت

Marfat.com

ممکن تھا کہ مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد قائم رہے اور باہمی تعلقات مثالی رہیں اس لیے ہر مسلمان کو پرانے تعلقات اور رشتوں کو نظر انداز کر کے مسلمانوں کے ساتھ رہنا تھا مدینہ کا دفاع مسلمانوں پر منحصر تھا اور مسلمانوں کا دفاع ان کے اپنے اتحاد میں مضمر تھا اس لیے اتحاد بین المسلمین کو انتہائی اہمیت دی جانی تھی اور یہ شق اسی مقصد کے لیے شامل کی گئی تھی۔

اگر کوئی مسلمان قتل ہو جاتا ہے اور اس کے وارث اس کا قتل معاف نہیں کرتے تو قاتل کو پوری سزا دی جائے گی اگر قاتل کا مسلمان بھائی یا رشتہ دار اس کی سفارش کرتا ہے تو وہ سفارش اس لیے قبول نہیں ہو گی کہ اس نے قاتل کی امداد کر کے اپنے آپ کو مسلمانوں کی صفوں سے خارج کر دیا ہے اور اسلام سے خارج ہونے کے بعد وہ اسلامی ریاست کے کسی عہدہ دار کے سامنے کسی گناہگار کی جانب سے اگر سفارش لاتا ہے تو وہ سفارش قبول نہ ہو گی۔

شق نمبر ۲۸

جب اس دستاویز کے متعلق کسی بات پر تمہارے درمیان اختلاف ہو تو معاملہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔

شق نمبر ۲۷ میں ایسے ممکنات کا ذکر تھا جہاں کوئی مسلمان غیر مسلم قاتل کو پناہ دیتا ہے ظاہر ہے کہ ایسے واقعات کے نتیجہ میں اختلافات کے پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے اختلافات کی صورت میں ہر ایک کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ کس فرد یا ادارے کی طرف رجوع کرنا ہے۔ قانونی دستاویز میں اختلاف کو رفع کرنے کی تفاصیل کا ہونا ضروری تھا۔ یہ دستاویز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے عطا کردہ قوانین پر مشتمل تھی اور

Marfat.com

آپ یہ سب کچھ اللہ کے حکم کے مطابق کر رہے تھے۔ شق نمبر ۴ ۵ میں درج ہے کہ اس دستاویز کے مندرجات کو اللہ کی تائید حاصل ہے۔ اس شق نے تمام شک وشبہ رفع کر دیا ہے یعنی اگر اس دستاویز سے متعلق کسی حکم کی تہہ میں جو مقصد ہے اس کے متعلق کوئی سوال ہے یا اس دستاویز کی شق کی ترجمانی میں اختلاف ہے تو معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوگا جو اپنا فیصلہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضی کے مطابق فرمائیں گے۔ یعنی معاملات قرآن کے احکامات کے مطابق فیصل ہوں گے اور قرآن کے احکام کی ترجمانی آپؐ فرمائیں گے۔

اس دور کے وہ مسلمان جو میثاق مدینہ میں یہودیوں کی مشروط شمولیت کی وجہ سے غیر مسلموں کے ساتھ مل کر لادینی حکومت کے قیام کا مشورہ دیتے رہتے ہیں انھوں نے شاید اس شق پر غور نہیں کیا۔ یعنی اختلاف کی صورت میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اللہ کا فیصلہ وحی کے توسط سے آتا تھا اور وحیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تھی۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ فیصلہ قرآن کی روشنی میں ہونا تھا۔ غیر مسلم بھی اس فیصلے کے پابند ہو رہے تھے اس لیے جب دور نبویؐ کی یہ مثال ہمارے سامنے ہو تو پھر ہم غیر مسلموں کو مقننہ میں شامل کر کے لادینی حکومت کے قیام کو کسطرح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کہہ سکتے ہیں۔

شق نمبر ۲۹

یہودی جب تک مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ میں شریک ہونگے تو جنگ کے اخراجات میں بھی شرکت کریں گے۔

اس شق سے قبل جو تمہیدی کلمات کہے گئے ہوں گے ان کی تفاصیل مطالعہ میں نہیں آئیں اس سے یہ مراد نہیں کہ تمام یہودی مل کر جنگ میں شریک ہوں گے اور اخراجات

Marfat.com

میں بھی شرکت کریں گے۔ شق نمبر ا کی طرح جو یہودی جنگ میں شریک ہوں گے ان کے لیے یہ شرط رکھی گئی ہے۔ بعد کی اشقاق سے معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون کون سے یہودی قبیلے تھے جو جنگ میں شرکت کے متمنی تھے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ کون سے عرب قبائل تھے جن کے حلیف اس عزت سے سرفراز ہونا چاہتے تھے کہ مدینہ کے دفاع میں انھیں بھی شمشیر و سناں کے باعزت جوہر دکھانے کا موقع عطا ہو۔

یہ فیصلہ قابلِ عمل فیصلہ تھا۔ جہاد جان و مال دونوں سے ہوا کرتا ہے جنگ کا اعلان ہو چکا تھا جنگ کے لیے اخراجات بھی شروع ہو چکے ہوں گے ان اخراجات کی تفاصیل منظرِ عام پر نہیں لائی گئیں۔ البتہ بدر اور احد کے درمیانی عرصہ میں ان اخراجات کا ذکر آتا ہے اور یہودیوں کی وعدہ خلافی بھی منظرِ عام پر آتی ہے اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ میثاقِ مدینہ کو تحریر میں لانے کا فیصلہ کس قدر صحیح فیصلہ تھا یہ اس دور کی بات ہے جب متفقہ فیصلوں کو اس قدر تفصیل سے بہت کم تحریر میں لایا جاتا ہے۔ یہ دستاویز باہم فیصلے یا معاہدے کے بجائے سربراہِ ریاست کی جانب سے حکم کے طور پر دی جا رہی تھی اور وہ فریق جو اس کے بعد بھی مدینہ میں سکونت اختیار کیے رہے ان کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اس دستاویز کو قبول کر لیا تھا۔ عدم قبولیت کی صورت میں وہ مدینہ کے شہری کہلانے کے حقدار نہ تھے بلکہ ان کا قیام غیر ملکی افراد کی صورت میں تصور ہوگا غیر ملکی افراد جو کسی شہر میں سکونت اختیار کرتے ہیں ان کی قانونی حیثیت صفر کے برابر ہوتی ہے۔ جنگ کے ایام میں ان پر کڑی نگرانی رکھی جاتی ہے اور انھیں دشمن کے ساتھ راہ و رسم رکھنے کی پاداش میں دشمن کے جاسوسوں کی سی سزا دی جاتی ہے۔

Marfat.com

شق نمبر ۲۰

بنوعوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک ہی امت ہیں
یہودیوں کا اپنا دین ہے اور مسلمانوں کا اپنا دین اس بات کا اطلاق ان کے آزاد کردہ
غلاموں پر بھی ہوگا۔ سوائے ان کے جو ناانصاف ہوں گے
اور گناہ کے مرتکب ہوں گے اس طرح وہ اپنا اور اپنے
خاندان کا نقصان کرتے ہیں۔

اس شق کو شق نمبر ۱ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے۔ شق نمبر ۱ میں اصول بیان کرنا مقصود تھا اس شق میں ان قبائل کے نام نہ آ سکتے تھے جن کے پناہ دادہ یہودی قبیلے مسلمانوں کی رہبری میں زندگی گذارنے اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کے آرزومند تھے۔ چونکہ وہ اپنی اس خواہش کا اظہار کر چکے ہوں گے اس لیے انھیں مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک ہی امت کی طرح زندگی گذارنے کو اس شق میں قانونی حیثیت عطا کی گئی ہے بنوعوف کے یہودیوں کی درخواست کی قبولیت جب املا ہو چکی تو ان کے آزادہ کردہ غلاموں کے لیے بھی اس ارفع مقام کی خواہش کا اظہار کیا گیا مگر آزاد کردہ غلاموں پر مکمل اعتماد نہ تھا اس لیے ان کے متعلق کہا گیا کہ جو گناہ و عصیاں یا قانون شکنی کے مرتکب ہوں گے انھیں مسلمانوں کے ساتھ ایک امت بن کر رہنے کی اجازت نہ ہوگی۔ یہاں یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ ایسے لوگوں کو امت میں شامل نہ کرنے سے مسلمانوں کا کسی طرح کا نقصان نہ ہوگا بلکہ قانون شکنی اور گناہ و عصیاں کی زندگی گذارنے والے اپنا اور اپنے عزیز و اقارب کا نقصان کرتے ہیں وہ ملت کے لیے نفع بخش اثاثہ نہیں بن سکتے۔ غلامی بجائے خود ایک کلنک ہے اور جو لوگ کچھ عرصہ غلامی کی زندگی گزار چکے ہوتے ہیں ان کے کردار اور اخلاق میں

Marfat.com

قدرتی طور پر سیاہی اور ظلمت عود کر آتی ہے اور جب قومیں کچھ عرصہ تک غلامی کی زندگی گذارنے پر مجبور ہو جاتی ہیں یعنی جب وہ حصولِ آزادی کیلیے خون بہانے سے ڈرتی ہیں تو ان کے افراد کا شمار اسفل السافلین میں ہونے لگتا ہے۔ اس شق میں بھی غلاموں کو شک کی نظر سے دیکھا گیا ہے اور ان کے گناہ و عصیاں اور جرائم سے مبرّا ہونے کی شرط عائد کر دی گئی ہے۔

یہاں پر بنو عوفؔ کے زیر سایہ یہودیوں کو ظاہراً بہت بڑی رعایت دی گئی ہے کہ وہ اپنے دین پر قائم رہ سکتے ہیں ہم دیکھ چکے ہیں کہ اختلاف کی صورت میں فیصلہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم مطابق ہوگا۔ یعنی یہودی بھی شریعتِ اسلام کے تحت زندگی گذاریں گے۔ اس لیے دین پر قائم رہنے کی جو اجازت انھیں دی گئی ہے وہ شخصی قانون PERSONAL LAW تک محدود ہوگی۔ انھیں شخصی قانون یعنی وراثت وغیرہ کے معاملے میں بنی اسرائیل کے قانون کے مطابق مل کر کام کرنے کی اجازت ہوگی۔ یہ کوئی خاص رعایت نہ تھی یہ رعایت اسلام آج بھی اپنی اقلیتوں کو دیتا ہے۔

شق نمبر ۲۱

یہی بات بنو نجّار، بنی الحارث، بنی ساعدہ، بنی جشم بنی الاوس، بنی ثعلبہ، بنی الشطیبہ کے معاملہ میں ہوگی

(اصل متن میں ہر قبیلہ کے لیے علیحدہ فقرہ استعمال ہوا ہے[1]۔ اختصار کے لیے انھیں یکجا کر دیا گیا ہے۔ ابن اسحاق کے مترجم نے بھی یہی کیا ہے)

---

[1] ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۲۲

Marfat.com

ان قبائل نے میثاقِ مدینہ میں شامل ہونے کی درخواست اجلاس سے قبل نہ کی ہوگی ۔شق نمبر۱ کے بعد کی اشقاق سننے اور پھر شق نمبر۳ میں بنوعوف کا مدینہ کے قانونی شہریوں میں شامل ہونا جب ان کے سامنے آیا ہو تو یکے بعد دیگرے ان سب قبائل نے شمولیت کی خواہش کا اظہار کیا ہو اس رائے کی اساس اس بات پر ہے کہ اگر پہلے سے ان کی خواہش کا اظہار ہو چکا ہوتا تو ہر قبیلہ کو علیحدہ فقرہ دینے کی ضرورت نہ ہوتی ۔ان قبائلی مجالس میں ایک قبیلے کے بعد دوسرا قبیلہ رائے کا اظہار کرتا ہے اور کوہستان نمک تک کے علاقوں میں اب بھی قبیلے یا خاندان کا نمائندہ جب اپنی رائے پیش کرتا ہے تو وہ پورے قبیلے یا خاندان کی طرف سے رائے کا اظہار کرتے وقت قبیلے کا نام بھی لیتا ہے مثلاً ہم بگیال وغیرہ اس معاملہ میں شامل نہیں ہوں گے وغیرہ ۔

شق نمبر۲۲

نیکی و ناداری دھوکہ دھی سے تحفظ دیتی ہے ۔

شق نمبر۲۰ جس میں یہودی قبائل کا ذکر چھڑ گیا اس سے قبل کی دستاویز میں مدینہ کا دفاع اور جنگ سے متعلق قوانین نافذ کیے جا رہے تھے ۔بنوعوف کے یہودیوں نے درمیان میں اپنے لیے بہت بڑی رعایت کا ذکر چھیڑ دیا اور پھر دوسرے یہودی قبائل بھی شامل ہوتے گئے مگر ان کو جتلا دیا گیا کہ وفاداری کا ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہوگا ۔اور صاف طور پر کہا گیا ہے کہ قانون شکنی کرنے والوں کے لیے مسلمانوں کے ساتھ برابری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ دفاعی اور جنگی قسم کے قوانین کے مین بعد وفاداری پر زور بدیہی تھا ۔ انھیں یہ بتایا جا رہا تھا کہ جو لوگ قانون کے پابند رہتے ہیں انھیں کبھی بھی پشیمانی نہیں ہوتی ۔ وفادار انسان کو دھوکا بازوں کے خلاف مدد دینے والے بہت سے دوست پیدا ہو جاتے ہیں ۔

Marfat.com

شق نمبر ۳۳

ثعلبہ کے آزاد کردہ غلاموں کو وہی مقام حاصل ہوگا جو ثعلبہ کا ہے۔

ایک بار پھر رعایت کا تقاضا شروع ہوگیا ہے قبائلی جرگوں میں اس طرح سے بولنا معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ کاروبار کا بیشتر حصہ اسی طریقہ پر انجام پاتا ہے۔ ثعلبہ کو رعایات مل چکی تھیں۔ ان کے آزاد کردہ غلام بھی ان رعایات سے مستفیض ہونا چاہتے ہوں گے پکار کر پوچھا گیا ہوگا کہ ثعلبہ کے آزاد کردہ غلاموں کا کیا ہوگا جواب میں ان کے لیے بھی یہی رعایت املاء کروادی گئی۔

شق نمبر ۳۴

جو یہودیوں کے ساتھ معاہدوں کے ذریعہ پابند ہیں ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک ہوگا جو یہودیوں کے ساتھ ہوگا۔

جب رعایات کے تقاضے شروع ہوتے ہیں تو ان کا رکنا مشکل ہوجاتا ہے کسی کو یاد آگیا ہوگا کہ ان کا کسی قبیلہ سے دوستی کا معاہدہ ہے۔ حضورِ اقدسؐ نے ایک ہی فقرہ میں یہودی قبائل کے ساتھ معاہدہ کرنے والوں کو بھی وہی مقام دے کر اس بحث کو ختم کردیا ہے ورنہ ہر یہودی قبیلہ اپنے ساتھ معاہدہ کرنے والوں کے لیے ایک علیحدہ فقرے کا تقاضا کرتا۔

Marfat.com

شق نمبر ۳۵

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اجازت کے بغیر کوئی جنگ نہیں کریگا۔ اگر کسی فرد یا قبیلہ کو کوئی گزند پہنچایا گیا تو وہ بدلہ لے سکتا ہے

جب یہودی قبائل کے لیے مراعات اور انھیں مسلمانوں کے ساتھ ایک ہی امت کا بلند مقام دینے کے مقامات شروع ہوئے تھے اس سے قبل جنگ سے متعلق قوانین املاء کرائے جارہے تھے جونہی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ان مراعات کے مطالبات کی قبولیت کے املاء سے فارغ ہوئے آپ نے دوبارہ جنگ کے موضوع پہ قوانین املاء کروانے شروع کر دیئے۔ میثاقِ مدینہ کا اصل مقصد ہی یہ تھا کہ مدینہ کا دفاع کس طرح کیا جائے آپؐ نے اس ایک دستاویز کے ذریعہ مدینہ کی ریاست کے قیام اور اس کے دفاع سے متعلق ایسا مجموعہ قوانین املاء فرمادیا جو مدینہ میں بسنے والے ہر فریق کی خواہشات کے مطابق تھا اور دفاع کے لیے بہترین وسیلہ بننے کے قابل بھی تھا اس مرتبہ دفاع کے موضوع کی طرف پلٹتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ آپؐ کے بغیر کوئی جنگ کا فیصلہ نہیں کر سکے گا یہودیوں کے مختلف قبائل کو مسلمانوں کے ساتھ برابری کا درجہ دیا جارہا تھا وہ مسلمانوں کی رہبری قبول کر رہے تھے مگر جنگ کا فیصلہ اور اعلان سربراہ ریاستِ مدینہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بغیر کوئی نہیں کر سکتا تھا جنگ بازیچہ اطفال نہیں۔ جنگ کو روانگی جذبات کے تحت نہیں کی جاتی، جنگ کے لیے نہ معلوم کون کون سے پہلوؤں پر شب و روز کا غور اور پھر اس غور کے نتیجہ میں عملی اقدامات کی ضرورت ہوتی ہے جنھوں نے قریش کے اعلانِ جنگ کی تہہ میں جو اسباب تھے اور جو فلسفہ مضمر تھا اس پر کبھی سوچا نہ تھا وہ جنگ کا فیصلہ کس طرح کر

Marfat.com

سکتے تھے۔ آپؐ کی موجودگی میں آپؐ کے علاوہ کوئی دوسرا مسلمان بھی اس اہم معاشرتی حقیقت کے متعلق فیصلہ نہ دے سکتا تھا۔ پھر اہل یہود کو اس بات کی اجازت کس طرح دی جاسکتی تھی کہ وہ پوری ریاست کو جنگ میں ملوّث کر سکیں یا کسی وقت بھی اس سے ہاتھ کھینچ لیں۔ یوں بھی جنگ کا اعلان ریاست کا اعلیٰ ترین ادارہ یا عہدہ دار ہی کر سکتا ہے۔ مدینہ کا دفاع مسلمانوں نے اپنے ذمہ لیا تھا، آپ مسلمانوں کے ہر طرح کے سربراہ تھے اور اللہ کی جانب سے سیادت و قیادت پر مامور تھے لہٰذا جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے صرف آپؐ ہی جنگ شروع کر سکتے تھے اور آپؐ ہی جنگ ختم کر سکتے تھے۔ جنگ ختم کرنے کا فیصلہ بھی اتنا ہی اہم ہوا کرتا ہے جتنا کہ جنگ شروع کرنے کا فیصلہ ہوتا تھا۔ علاوہ بریں اسلام میں جنگ یعنی جہاد اعلیٰ ترین عبادت ہے اس وقت تک ابھی جہاد سے متعلق تمام قوانین نازل نہیں ہوئے تھے اس لیے صرف رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی فیصلہ فرما سکتے تھے کہ کن حالات میں جہاد فرض ہوتا ہے اور اس کو شروع کرنے، جاری رکھنے اور مختلف وسائل کے استعمال کے کون سے طریقے اختیار کیے جا سکتے ہیں۔

آپؐ نے اس شق کے ذریعہ اوّلاً تو اس دَور کے لیے یہ قانون نافذ فرمایا، کہ آپ ہی جنگ سے متعلق فیصلہ فرمائیں گے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے آپؐ کے فیصلے دنیائے اسلام کے لیے تا قیامت حکم کا مقام رکھتے تھے آپ کے اس فیصلے کی رُو سے سربراہِ ریاست و مملکت ہی جہاد فرض ہونے کا فیصلہ صادر کر سکتا ہے اور شورائی کے حکم کے تحت سربراہِ مملکت اپنے دور اور اپنی ریاست کے آئین کے مطابق اپنی مجلس شورائی کے مشورے کو قبول یا رد کر کے اعلان جنگ یا اختتامِ جنگ کے احکام صادر کرے گا مگر ہر حال میں جب اعلان سربراہ ریاست کے نام سے ہوگا تب ہی درست ہوگا۔

Marfat.com

آپؐ نے اس شق میں جنگ سے متعلق ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں کہ اس بات کا فیصلہ بھی آپؐ ہی فرما سکتے تھے کہ فلاں شخص یا فریق جنگ میں شریک ہوگا اور فلاں فریق کو جنگ میں شریک کرنے کی ضرورت نہیں آپؐ نے بدر کے موقع پر اپنے اس استحقاق کو اس طرح استعمال کیا تھا کہ دو غیر مسلم آپؐ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونا چاہتے تھے آپؐ نے فرمایا تھا کہ پہلے اسلام لے آؤ پھر جہاد کرو اسی طرح اُحد کے موقع پر جب عبداللہ بن ابی اپنے آدمی لے کر واپس مدینہ روانہ ہوا تو کسی نے کہا کہ فلاں یہودی قبیلہ جہاد میں شریک ہونا چاہتا ہے آپؐ نے کہا نہیں ہمارے لیے اللہ کافی ہے اگر وہ شامل کر لیے جاتے تو جو صبر و استقلال اور پامردی مسلمانوں نے دکھائی تھی یہودی نہ دکھا سکتے اور بھاگ کھڑے ہوتے اور مسلمان بھی ان کی کمزوری سے متاثر ہو سکتے تھے اس لیے آپؐ نے غیر مسلموں کی شرکت نامنظور فرمائی میثاقِ مدینہ کی ان اتفاق کے باوجود جو یہودیوں کے متفق ہیں، سنت نبی آخر الزماں کے مطابق اسلامی لشکروں میں غیر مسلموں کی شرکت کا کوئی جواز نہیں نکلتا۔ بلکہ درج بالا دو مثالوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراخدلانہ سلوک کے باوجود مدینہ کے یہودیوں نے بغاوتیں کھڑی کیں اور وہ منافقوں کے ذریعہ اندرونِ مدینہ کا سکون برباد کرتے رہے اسی وجہ سے قرآن حکیم میں یہودیوں اور عیسائیوں کی بے وفا سرشت سے آگاہ کیا گیا ہے اور ان کے ساتھ دوستانہ معاہدوں سے گریز کرنے کا حکم دیا گیا ہے[1]

مسلمان ممالک کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ مسلم افواج کے اندر جو غیر مسلم شامل کیے جاتے رہے انھوں نے زیر زمین تحریکوں کے ذریعہ مسلمان ممالک کو نقصان

---

[1] لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى أَوْلِيَاءَ (المائدہ ۵ : ۵۱)

Marfat.com

پہنچایا۔ پہلی عالمی جنگ کے دوران ترک افواج کو ان کے غیر مسلم کمانداروں نے کافی نقصان پہنچایا۔ صلیبی جنگوں کے دوران بھی ایسے کئی واقعات رونما ہوئے جہاں عیسائی افراد نے نومسلم بن کر صلیبیوں سے سازباز کے ذریعہ نقصان پہنچایا۔[1]

شق نمبر ۳۶

جب کوئی شخص کسی دوسرے کو بغیر وجہ قتل کرتا ہے
تو حقیقت میں وہ اپنے اور اپنے خاندان کو قتل کر رہا ہے
ہاں اگر مقتول نے اسے نقصان پہنچایا ہو تو (وجہ
موجود ہے)

یہ شق بھی موجود ہے کہ کسی نے سوال پوچھ لیا اور حضورؐ نے اس کا جواب املاء کروا دیا۔ قتل اور اسی طرح کے تشدد کے واقعات معاشرے کو انتشار اور فساد کا شکار بنائے رکھتے ہیں۔ ایک قتل کے بدلے دو قتل اور پھر دوسری طرف سے تین اور چار قتل۔ پورے خاندان ختم ہو جاتے ہیں اسی لیے فرمایا ہے کہ قاتل حقیقت میں اپنے آپ اور اپنے خاندان کو قتل کرتا ہے اس طرح ایک سوال کا جواب املاء کروانے کے بعد آپؐ ایک بار پھر مدینہ کے دفاع اور "آئین" کی طرف متوجہ ہو گئے۔

---

[1] انطاکیہ کا قلعہ نومسلم فیروز کے ہاتھ میں تھا اس نے عیسائیوں سے سازباز کر کے عیسائیوں کو قلعے میں داخل ہونے دیا اور یوں پوری فوج کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔ انھوں نے ہر اس شخص کو قتل کر دیا جو انھیں نظر آیا فیروز کے بھائی کو بھی۔ گسٹا فرینکورم GESTA FRANCORUM پہلی صلیبی جنگ، گولڈن کا کرل، لندن ۱۹۴۵ پہلی بار کتاب بیت المقدس میں ۱۱۰۱ء میں طبع ہوئی اس کا انگریزی متن لندن ۱۹۴۵ء میں طبع کیا گیا۔

Marfat.com

شق نمبر ۳۷

یہودیوں کو اپنے خرچ برداشت کرنے ہوں گے اور مسلمانوں کو اپنے خرچ برداشت کرنے ہوں گے۔

درمیان میں ایک سوال آگیا تھا ورنہ شق نمبر ۳۵ میں جنگ کے اعلان اور دوسرے پہلوؤں کے متعلق قانون املاء ہوا تھا۔ اب جنگ کے دوران ان اخراجات کا ذکر ہے جو کسی فوج یا فوج کے حصّہ یا دستہ پر ہوا کرتے ہیں۔ شق نمبر ۲۹ میں عام اخراجات کا ذکر تھا اس شق میں یہودیوں کی اپنی فوج کے خرچ کا ذکر ہے یعنی جب وہ مہم پر جائیں شق نمبر ۲۹ میں جو خرچ ہے وہ تاوان یا خونبہا قسم کے اخراجات پر مشتمل ہو سکتا تھا اس شق کی ذکر کی گئی شرکت اصولی ہے واقعی نہیں۔

شق نمبر ۳۸

اس دستاویز پر دستخط ثبت کرنے والوں کے لیے مدینہ حرم ہوگا۔

اس سے بڑھ کر امن اور تحفظ کی کوئی ضمانت نہ دی جا سکتی تھی۔ اس آئین کی یہ شق نہایت اہم شق ہے مگر امن اور تحفظ صرف انھیں ملتا ہے۔ جو فتنہ و فساد کے موجب نہ ہوں۔ علاوہ بریں اس دستاویز پر جس فریق نے دستخط نہ کیے وہ حرم مدینہ سے مستفیض نہ ہو سکتے تھے۔

اس وقت تک صرف مکہ کو حرم ہونے کا امتیاز حاصل تھا۔ میثاق مدینہ کے نافذ ہونے کے بعد مدینہ بھی حرم قرار پایا۔ جس طرح حرم مکہ صرف ان ہی لوگوں کے لیے حرم تھا جن کے دل میں اس کی عظمت تھی۔ اس طرح مدینہ بھی صرف ان لوگوں کیلئے

Marfat.com

حرم قرار پایا جو اسے حرم کا مقام دینے پر رضامند تھے۔ یعنی یہ دستاویز جو مدینہ کا آئین بن کر نمودار ہوئی تھی اس کے مندرجات کو قبول کر کے یہاں سکونت اختیار کر رہے تھے جنھوں نے اس دستاویز کو قبول نہ کیا یا جو بیرونی مفاد کے تقاضے پورے کرنے کے لیے سازشیں کرتے رہے ان کے لیے اور ان کے بیرونی دوستوں کے لیے مدینہ حرم نہ تھا۔ مثال کے طور پر قریش نے مدینہ پر حملہ کرنے کا عزم کر رکھا تھا۔ وہ مدینہ کو حرم کے طور پر استعمال نہ کر سکتے تھے۔ ان کے کعب بن اشرف کی طرح کے جو جاسوس مدینہ کے اندر رہتے تھے وہ بھی مدینہ کو حرم بنا کر ڈھال کے طور پر استعمال نہ کر سکتے تھے۔ کعب بن اشرف کو کیفر کردار تک پہنچانے پر مستشرقین جب اعتراض کرتے ہیں تو وہ بھول جاتے ہیں کہ وہ دشمن کی طرف سے جاسوسی کر رہا تھا بلکہ دشمن کے حق میں کھلم کھلا پراپیگنڈہ کرنے کا مرتکب ہو چکا تھا۔ اس کے لیے مدینہ کس طرح حرم بن کر اس کے گناہوں اور جرائم کی پردہ پوشی کرتا۔

شق نمبر ۲۹

حملہ کی صورت میں میثاقِ مدینہ میں شامل فریق ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

یہ شق خالصتاً دفاع سے متعلق اجتماعی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے شامل کی گئی ہے۔ ایک ہی ریاست میں رہنے والوں کے لیے ریاست کے کسی فریق پر حملہ تمام فریقوں پر حملہ متصور ہوتا ہے اس لیے اگر ریاست کے ایک فریق پر حملہ ہوتا ہے تو دوسرے فریقوں کا دفاع میں شامل ہونا واجب ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

شق نمبر ۴۰

ایک دوسرے کے ساتھ صلاح اور مشورہ کرتے رہنا چاہیے۔

مدینہ کے خلاف جنگ کا اعلان ہو چکا تھا۔ اس اعلان کے نتیجہ میں دفاع کی تیاریوں کے سلسلہ میں ریاست کا قیام کیا گیا تھا اور اس ریاست کو آئین عطا کیا جا رہا تھا۔ ریاست کی آبادی میں مسلمانوں کے علاوہ بھی دوسرے لوگ شامل تھے جنھیں اجازت تھی کہ وہ دفاعِ مدینہ میں شرکت کریں۔ یہ شرکت اسی صورت عمل میں لائی جا سکتی تھی کہ اوّل فریق یعنی مسلمانوں اور ان کے درمیان صلاح و مشورہ کا سلسلہ جاری رہے ورنہ متحدہ دفاع کی تفاصیل کا تعین کرنا مشکل تھا۔ یہ حقیقت ان سب لوگوں کو بتائی جا رہی تھی جو اس آئین کے تحت دیئے گئے دفاعی قوانین کے مطابق عمل کرنے کے خواہش مند تھے اور انھیں اصولی طور پر شرکت کی اجازت دی جا رہی تھی۔ عملی شرکت کا انحصار ان کے مابعد کے رویہ پر منحصر ہونا تھا۔

شق نمبر ۴۱

وفاداری دھوکے کے خلاف تحفّظ عطا کرتی ہے۔

متحدہ دفاع کے سلسلہ میں صلاح اور مشورے کا حکم دیا جا چکا تھا۔ اب یہ بتایا جا رہا تھا کہ اس طرح کے مشورے ہی بتا سکتے ہیں کہ کون وفاداری کے اقرار پر قائم ہے یا نہیں یہ شق ایک طرح سے اس بات کا اشارہ ہے کہ جو بے وفائی کی جانب مائل ہوں گے وہ باہم صلاح مشورے کے مواقع سے کتراتے رہیں گے۔ جب کسی کی وفاداری اس کے اعمال کی وجہ سے مشکوک ہو جاتی ہے تو اس کے دل میں بھی دھوکہ کھانیکا

Marfat.com

احتمال پیدا ہونے لگتا ہے۔

شق نمبر ۴۲

کوئی دشمن اپنے حلیف کے قصور کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا۔

حلیف کی دھوکہ بازی، بے وفائی، وعدہ خلافی یا جرائم کی کثرت کی سزا دوسرے حلیف کو دینا غیر قانونی قرار دیا جا سکتا ہے۔ جب وفاداری کی اہمیت کی شق املاء کرائی گئی ہو گی۔ تو ظاہر ہے کسی طرح سے آواز اٹھی ہو گی۔ کہ حضور حلیف کے جرائم کی ذمہ داری تو ہم پر عائد نہ ہو گی۔ آپؐ نے مسائل کے جواب میں یہ شق املاء کروادی ہو گی۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ آپؐ نے شق کسی کے سوال کے بغیر ہی املاء کروادی ہو اس لیے کہ بعض معاشروں میں حلیف جو پناہ لے رہا ہو اس کے قول و فعل کی ضمانت پناہ دینے والے پر بھی عائد کی جاتی ہے۔

شق نمبر ۴۳

اگر کسی کو کوئی نقصان پہنچتا ہے تو اس کی مدد کی جانی چاہیے۔

متحدہ طور پر دفاعِ مملکت کو ہاتھ میں لینے والے مختلف قبائل اور گروہ اپنی مرکزیت اور اتحاد کو قائم رکھنے پر مزید توجہ دیتے ہیں جب انھیں یقین ہوتا ہے کہ اگر کبھی ان پر برا وقت آئے گا تو وفاق میں شامل باقی قبائل ان کی امداد کو پہنچیں گے۔

Marfat.com

شق نمبر ۴۴

یہودیوں کو مسلمانوں کے ساتھ اخراجات میں حصّہ دار بننا ہو گا۔

شق نمبر ۲۹ کو واضح تر الفاظ میں بیان کیا گیا تھا کہ یہودی اس میثاق میں شامل کیے جا رہے ہیں اب چاہے وہ جنگ میں عملی طور پر شرکت کریں یا نہ کریں۔ جنگ یعنی دفاعِ مدینہ پر جو اخراجات آئیں گے ان ہی یہودیوں کو شریک ہونا پڑے گا۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے شق نمبر ۳۷ ان حالات کے لیے تھی جب وہ اپنے افراد کا فوجی دستہ جنگ کے لیے روانہ کریں گے تو اس کے تمام تر اخراجات انھیں خود برداشت کرنے ہوں گے۔ شق نمبر ۴۴ کے تحت چاہے یہودی جنگ میں اپنے دستے روانہ کریں یا نہ کریں مرکزی سطح پر جو اخراجات کیے جائیں گے ان میں انھیں شریک ہونا پڑے گا۔

شق نمبر ۴۵

اس میثاق میں شامل قبائل کے لیے یثرب حرام ہو گا۔

جنگ جیسے تباہ کن اور خطرناک عمل میں معتدہ طور پر حصّہ لینے والے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نہیں ہو سکتے۔ بہرکیف اندیشہ رہتا ہے کہ کوئی ایک آدھ فرد اپنے جذبات کے بے قابو ہو جانے کے باعث فضا کو مکدر نہ کر دے اس لیے از اوّل ہر ایک کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جانی چاہیے کہ مدینۃ النبیؐ میں کوئی کسی پر دست اندازی نہیں کر سکتا اور یہاں ہر کوئی ہر کسی کے آرام اور سکون سے زندگی بسر کرنے کا قائل ہے۔

Marfat.com

شق نمبر ۴۶

اگر کسی اجنبی کو اس میثاق میں شامل کسی قبیلہ نے پناہ دی ہو تو اس کے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو اس کے میزبان کا حق ہوگا۔ بشرطیکہ وہ کوئی نقصان نہیں پہنچا رہا اور کسی جرم کا مرتکب نہیں ہو رہا۔

انتہائی منصفانہ اور حقیقت پسندانہ قانون ہے جو پناہ دیتا ہے وہ اپنے مقام کے حقوق و فرائض میں پناہ لینے والے کو شریک بناتا ہے وہ نہ اپنے مقام سے بلند مقام اسے عطا کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنے مہمان کو کم تر مقام پر لانا پسند کرتا ہے۔ اس آئین سے اس حقیقت کو پیش نظر رکھا گیا ہے ایک شرط ضرور رکھی گئی ہے وہ یہ کہ پناہ لینے والا اپنے اعمال کو قانونِ ملکی کا پابند رکھے گا۔ نہ تو مملکت کو کوئی نقصان پہنچائے گا اور نہ ہی کسی جرم کا مرتکب ہوگا۔ اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ پناہ دینے والا اشقاق نمبر ۲۵ اور ۲۶ کے مطابق اس طرح کی پناہ میں قریشِ مکہ کے افراد کو شامل نہ کرے گا۔ اس شق کو بھی بہت بڑی حد تک دفاع سے متعلق اشقاق میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

شق نمبر ۴۷

کسی عورت کو اسی صورت میں پناہ دی جائیگی جب اس کے خاندان کی اجازت موجود ہو۔

عورتوں کے معاملہ میں محتاط رہنا پڑتا ہے۔ درج بالا اشقاق کے مطابق قبائل کو مدینہ سے باہر کے لوگوں کو پناہ دینے کی اجازت دی گئی ہے مگر اس شق میں اس

Marfat.com

اجازت کو محدود کر دیا گیا ہے کہ اگر پناہ دی جانے والی عورت ہے تو اس کے خاندان کی اجازت پہلے سے موجود ہو۔ جب تک عورت کا عائلی مقام معلوم نہ ہو، پناہ نہیں دینی چاہیے۔ خاندان کی اجازت اگر مل جائے تو کسی الجھن کے پیدا ہونے کا احتمال نہیں رہتا۔

شق نمبر ۴۸

اگر کوئی ایسا اختلاف ہو یا نزاع پیدا ہوتا ہو جس سے لڑائی جھگڑے کا اندیشہ ہو تو معاملہ اللہ اور اللہ کے رسول محمدؐ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

شق نمبر ۲۸ میں اس دستاویز کے متعلق اختلاف کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرنے کا قانون وضع کیا گیا تھا اس شق میں عام اختلافات جن سے لڑائی جھگڑے کا اختلاف ان سے متعلق بھی معاملہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے سامنے پیش کرنے کا اساسی قانون نافذ کیا جا رہا ہے۔ یہاں پھر یہ یاد دلانا مناسب ہو گا کہ جس وفاق میں ہر بات کا آخری فیصلہ اللہ کے قانون کے مطابق پیغمبرِ اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرنا ہو اس سے یہ نتیجہ کیسے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کی غیر مسلمانوں کے ساتھ مل کر لادینی حکومت میں شرکت اس بنا پر جائز کہی جا سکتی ہے کہ مدینہ میں قائم کی گئی ریاست میں یہودی بھی موجود تھے۔ ان کی موجودگی انھیں کسی طرح کا کوئی اختیار نہیں دے رہی تھی۔

Marfat.com

شق نمبر ۴۹

اللہ اس میثاق کی ہر اس بات کو قبول کرے گا جس سے پاکیزگی اور تقویٰ حاصل ہو۔

یہ ایک بنیادی اور اصولی بات میثاق کے شرکاء کو بتائی جارہی ہے کہ اللہ عزّوجل ہر اس بات کو قبولیت کا شرف بخشیں گے جس کے نتیجہ میں پاکیزگی اور تقویٰ حاصل ہوتا ہو۔ شق نمبر ۴۸ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اختلافات کو اللہ کے حضور پیش کرنے سے پاکیزہ معاشرہ وجود میں آئے گا۔

شق نمبر ۵۰

قریش اور ان کے حلیفوں کو پناہ نہیں دی جائیگی

قریش جنگ کا اعلان کر چکے تھے اور جیسا کہ ذکر آچکا ہے میثاق کی نوبت بھی اسی وجہ سے پیش آئی تھی اس شق سے پہلے قریش کے مال کے متعلق شق زیر غور آچکی ہے اس کے بعد یہ فیصلہ صادر کیا گیا تھا کہ مدینہ کے باہر رہنے والوں کو پناہ دی جاسکتی ہے۔ البتہ عورت کے مقابلہ میں یہ شرط تھی کہ اس کے گھر والوں کی اجازت موجود ہونی چاہیے۔ خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ کہیں کوئی بے خبری میں یا ظاہراً بے خبری میں کوئی فریق یا ان کا کوئی فرد قریش کے کسی فرد یا جمعیت کو یا ان کے حلیف کو یا ان کے حلیفوں کی کسی جماعت کو پناہ دے دی تو معاملات کے سنگین صورت اختیار کرنے کے امکانات پیدا ہوسکتے ہیں اس لیے علیحدہ شق میں اس بات کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا ہے اس شق سے یہ بات پختہ طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ میثاقِ مدینہ قریشِ مکہ کی جانب سے بھیجے گئے اعلان جنگ کے بعد وجود میں لایا گیا۔ یعنی جنگ کی یہ تیاریاں اس وقت

Marfat.com

شروع ہوئی ہیں مدینہ کے جب تمام قبائل کو اس بات کا یقین ہوگیا تھا کہ اب مکّہ کے خلاف متحدہ محاذ کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں اور پیغمبرِ اسلام محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور ان کے صحابہ کے سوا اور کوئی فرد یا جماعت ایسی نہیں جو اس دفاع کے انتظامات کو اپنے ہاتھ میں لے سکے ۔ اگر صورتِ حال اتنی سنگین نہ ہوتی تو تمام قبائل جن میں یہودی بھی شامل تھے اپنے تمام تر اختیارات حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھوں میں نہ دے دیتے ۔

شق نمبر ۱۵

یثرب پر حملہ ہونے کی صورت میں اس میثاق میں شامل تمام جماعتیں ایک دوسرے کی مدد کرنے کی پابند ہیں۔

یہ شق یوں تو بغیر الفاظ کا جامہ پہناتے، قابلِ قبول ہونی چاہیے تھی ۔ مگر حضورِ اندسؐ انسانی ذہن اور خصوصًا یہودی ذہنیت اور یہودیوں کی نفسیات سے اچھی طرح واقف تھے آپ نے مناسب سمجھا کہ اس بات کو واضح طور پر قانونی زبان میں آئین کے اندر شامل کر دیا جائے مابعد کے واقعات کے دوران یہودی اس شق کی خلاف ورزی کے بھی مرتکب پائے گئے ۔

Marfat.com

شق نمبر ۵۲

اگر ان سے صلح کرنے کو کہا جاتا ہے تو انہیں اس حکم
کا پابند ہونا پڑیگا اگر اس طرح کی درخواست مسلمانوں سے
کی جاتی ہے تو وہ اس کے پابند ہوں گے سوائے ایسے موقعوں
کے جب مسلمان ماقبل سے اللہ کی راہ میں جنگ کر رہے ہوں۔

یہ شق انتہائی دور اندیشی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے جو اشتقاق ہم دیکھ چکے ہیں ان کے مطابق اگر میثاق میں شریک قبائل کسی بیرونی طاقت کے خلاف اپنی چھوٹی موٹی جنگ چھیڑ دیتے تو انھیں روکنے کے لیے کوئی قانون وضع نہیں کیا گیا تھا۔ یعنی کوئی شق ایسی نہ تھی جس کے الفاظ واضح طور پر انھیں روک سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ قانون بھی نافذ نہیں کرنا چاہتے تھے کہ اگر کسی فریق کو مجبوراً تنہا کسی جنگ میں شرکت کرنی پڑے تو وہ نہ کر سکے اس لیے کہ بہت ممکن تھا کہ قریش مکہ کے حملہ کے وقت باقی قبائل اس قابل نہ ہوں کہ انھیں شریک جنگ کیا جائے یا وہ جنگ میں شرکت کے لیے آمادہ نہ ہوں۔ ایسے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے دشمن کا حملہ روکنے میں قانونی دشواری یا سقم پیدا نہیں کرنا چاہتے تھے اس لیے آپؐ نے میثاق کے اندر جنگ سے باز رہنے کے متعلق تو کچھ نہ کہا مگر یہ قانون نافذ کر دیا کہ اگر میثاق میں شامل فریق کسی ایسی جنگ میں مصروف ہے جس میں مسلمان شامل نہیں اور مسلمان اس جنگ کو بند کرنے اور صلح کرنے کے لیے کہتے ہیں تو ایسی جنگ کو فوراً بند کر دیا جائے گا۔ اس شق کا اطلاق ہر ایک پر ہونا تھا البتہ اگر مسلمان اس طرح کی صلح کی دعوت سے قبل جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف ہوں گے تو پھر وہ صلح کی اس دعوت کو رد کرنے میں مدینہ کے آئین کے مطابق درست ہوں گے اور جہاد فی سبیل اللہ جاری رکھ سکیں گے۔

Marfat.com

حضور اقدسؐ جانتے تھے کہ انھوں نے تو مسلمانوں کو سوائے جہاد فی سبیل اللہ کے اور کسی جنگ میں شریک نہیں کرنا اس لیے عام جنگ بند کرنے اور صلح کرنے کی پابندی دوسرے قبائل پر عائد کرنا ضروری تھی اور جہاد فی سبیل اللہ میں آپ کسی کی مداخلت قبول کرنے پر آمادہ نہ تھے۔

شق نمبر ۵۳

ہر ایک کا حصّہ اس بات پر منحصر ہوگا کہ وہ میثاق میں شامل کون سے فریق کا فرد ہے۔

میثاق میں شامل قبائل کے کردار پر ان کے افراد کے ساتھ سلوک کا تعین کیا جائے قرار پایا۔ اس سے کسی کو انکار نہ ہو سکتا تھا۔ دور حاضر میں افراد کو سپاس و صلح پر وہی کچھ حاصل ہوتا ہے جو اس پارٹی کی کارکردگی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جماعتوں کا اجتماعی کردار ان کے افراد کے مستقبل کا فیصلہ کیا کرتا ہے جب اجتماعی طور پر کوئی ملّت عملی زندگی میں مات کھا جاتی ہے تو اس کے قابل ترین اور ذہین ترین افراد بھی زندگی کی دوڑ میں ناکام ہو جاتے ہیں۔

شق نمبر ۵۴

قبیلہ العوث کے یہودی اور ان کے آزاد کردہ غلام جبتک وفادار رہیں گے اس وقت تک اسی مقام کے حامل ہوں گے جو میثاق میں شامل دوسرے فریقوں کو حاصل ہے، وفاداری دھوکہ بازی کے خلاف تحفّظ ہے۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ قبیلہ العوث کے کچھ افراد نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا

Marfat.com

چونکہ وہ یہودی قبائل کے تحت نہ آتے تھے اور نہ ہی العوث قبیلہ کے حلیف تھے اس لیے انھوں نے محسوس کیا ہوگا کہ شاید وہ میثاق سے باہر رہ گئے ہیں۔ اغلباً ان کے ساتھ ان کے کچھ آزاد کردہ غلام بھی ہوں گے اس لیے انھوں نے حضورؐ سے اپنے اور اپنے آزاد کردہ غلاموں کے متعلق دریافت کیا ہوگا آپؐ نے ان کے متعلق بھی قانونی حیثیت املاء کروادی۔ ساتھ ہی وفاداری پر بھی زور دیا۔

شق نمبر ۵۵

کوئی شخص اگر وفادار رہتا ہے یا بے وفائی کرتا ہے تو وہ اپنے فائدے یا نقصان کے لیے کرتا ہے۔

یہ واضح کر دیا کہ اگر وفادار رہو گے تو فائدہ حاصل کرو گے کسی پر احسان نہ کرو گے

شق نمبر ۵۶

اللہ اس میثاق کی تائید کرتا ہے۔

ریاست و مملکتِ مدینہ کا یہ آئین عدل و انصاف کی اس لیے ضمانت دے رہا ہے کہ اسے اللہ کی تائید حاصل ہے۔ یہ بات بھی اس شق کے ذریعہ ہر ایک پر واضح کی جا رہی ہے کہ جس دین کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ میثاق مسلمانوں اور مختلف قبائل کو عطا کیا ہے وہ اللہ کے برگزیدہ نبی اور پیغمبر ہیں اور جو آئین انھوں نے اس ریاست کے باشندوں کو عطا کیا ہے وہ صرف ان کی جانب سے ہی نہیں بلکہ اس آئین کو اللہ کی جانب سے نافذ ہونے کی منظوری مل چکی تھی۔

Marfat.com

شق نمبر ۵۷

یہ دستاویز کسی ظالم اور مجرم کو حفاظت نہیں دے سکے گی۔

اللہ کے ذکر کے ساتھ ذہن کا اس طرف جانا کہ اللہ ظالموں کو مجرموں کو دوست نہیں رکھتا چونکہ واضح الفاظ میں ایسے افراد کو امان دینے کے خلاف کچھ نہیں کہا گیا تھا۔ اس لیے اب اس قانون کا اضافہ کر دیا گیا کہ کوئی قبیلہ ایسے فرد کو امان نہ دے گا جس پر ظالم یا مجرم ہونے کا الزام ثابت ہو چکا ہو۔

شق نمبر ۵۸

اگر کوئی شخص جنگ میں حصہ لیتا ہے یا گھر پر بیٹھا رہتا ہے وہ امن اور سلامتی کا حقدار ہے جب تک وہ کوئی جرم یا گناہ نہیں کرتا۔

ممکن ہے یہ کسی سوال کے جواب میں املاء کرایا گیا ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی فرد عمداً دفاعِ مدینہ میں حصہ نہیں لیتا مگر کوئی اور جرم یا گناہ بھی نہیں کرتا تو حرمِ مدینہ میں رہتے ہوئے اس پر کوئی زیادتی نہ ہوگی وہ اوروں کی طرح امن اور سلامتی کا حقدار تصور ہوتا رہے گا اور اسے امن مہیا ہوتا رہے گا۔

Marfat.com

شق نمبر ۵۹

اللہ نیک بندوں اور ان لوگوں کا محافظ ہے جو اللہ سے
ڈرتے ہیں اور محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں۔

اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ محمد رسول اللہؐ، اللہ کی جانب سے ہر نیک اور اللہ سے ڈرنے والے آدمی کی حفاظت کی ضمانت اللہ کی جانب سے دیتے ہیں۔

پروفیسر سارجنٹ نے حضور کا اللہ کا رسول ہونا آخر میں لکھے جانے سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ حصہ بہت بعد میں کسی نئے معاہدے کے تحت شامل کیا گیا[1]۔ مگر پروفیسر سارجنٹ دراصل اس میثاق کی روح سمجھنے سے قاصر رہا ہے اس کا یہ کہنا کہ میثاقِ مدینہ آٹھ معاہدوں کا مجموعہ ہے اس قدر مضحکہ خیز رائے ہے کہ اس پر غزوات کے سلسلہ میں بحث وقت ضائع کرنے کے مترادف ہوگا۔ اس کے اس دعوٰی کا تجزیہ علیحدہ تصنیف کا متقاضی ہے۔

میثاقِ مدینہ کا ذکر ختم کرنے سے قبل مناسب ہوگا کہ کعب بن اشرف کے قتل کے واقعہ کو میثاق کی مختلف اشتقاق کی روشنی میں دیکھا جائے۔ مستشرقین نے اس واقعہ کو سامنے رکھ کر انتہائی غلط اور نازیبا باتیں کہی ہیں۔

کعب بن اشرف میثاقِ مدینہ کے وقت موجود تھا۔ اس کا باپ طے قبیلہ کا عرب تھا

---

[1] سارجنٹ۔ مدینہ کا آئین۔ ح۔س۔ صفحہ ۳

Marfat.com

مگر چونکہ اس کی ماں یہودی قبیلہ النضیر کی تھی اس لیے وہ اپنے آپ کو النضیر یہودی ہی قرار دیتا تھا۔[1] قبیلہ النضیر نے میثاقِ مدینہ میں برضا و رغبت شرکت کی تھی اس لیے اس کے ہر فرد پر اس دستاویز کا احترام لازم تھا۔ جب بدر کے مقام پر قریش کی شکست کی خبر مدینہ پہنچی تو کعب بن اشرف نے اس خبر کو باور کرنے سے انکار کیا اور پھر جب اسے یقین ہو گیا کہ یہ خبر درست ہے تو رنج و غم کا اظہار کیا اور شاعر ہونے کی حیثیت میں مقتولینِ قریش کا مرثیہ لکھا اور پھر مدینہ چھوڑ کر مکہ چلا گیا۔ وہاں اس نے قریشِ مکہ کو اپنی شاعری کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اور بدر کا بدلہ لینے پر انھیں اکساتا رہا۔ اور پھر ایک دن واپس مدینہ آ کر یہی کام جاری رکھا وہ مدینہ میں بھی مسلمانوں کے خلاف شعر و شاعری کرتا اور مسلمان خواتین کی ہجو لکھتا تھا۔

اس کا میثاق کی خلاف ورزی میں قریش کا ساتھ دینا ہی بغاوت کا جرم اس پر عائد کرتا تھا۔ اب مدینہ واپس آ کر اور قریش کی کھلم کھلا تعریف کرنا اور ان کے حق میں پروپیگنڈا کرنا اسے ملکی جاسوس کا مقام دیتا تھا اس کے قتل کا فیصلہ قانونی اور اخلاقی اعتبار سے درست تھا اس کے ختم کرنے کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا وہ مدینہ کی اندرونی سیاست اور مدینہ کے اندر امن و امان قائم رکھنے کا بہترین ذریعہ تھا اگر اسے کسی عدالت کے سامنے پیش کیا جاتا تو نوبت قبائلی تعصب اور قبائلی اختلافات تک جا پہنچتی اور مدینہ اندرونی خلفشار کا شکار رہ جاتا جو لوگ اس کے اس عمل سے نالاں تھے ان کو آپؐ کا اجازت دے دینا عین مناسب اقدام تھا اور کعب بن اشرف اس سے بھی کہیں زیادہ سزا کا مجرم تھا۔

---

[1] منٹگمری واٹ ۔ محمد مدینہ میں MUHAMMAD AT MADINA لاہور۔ صفحہ ۲۱۰

Marfat.com

اُحد

کی لڑائی

کا تجزیہ

Marfat.com

اُحد کی لڑائی کا تجزیہ کرنے سے قبل یہ دیکھنا ضروری ہو گا کہ اُحد تک پہنچتے پہنچتے حالات کن اہم مراحل سے گزرے تھے۔ ان مراحل کے دوران مکّہ اور مدینہ کے کمانداروں کے عمل اور ردِعمل کا بھی اگر مطالعہ کیا جا سکے تو اجمالی خاکہ واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے حضور سرورِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی کامیاب ہجرت کا ردعمل قریش کی قیادت کے ذہنوں پر یہ اثر ہوا تھا کہ وہ فوری طور پر کچھ کر گذرنا چاہتے تھے انھوں نے فوراً مدینہ پر حملے کا فیصلہ کیا اور جیسا کہ مطالعہ میں آچکا ہے اس فیصلے سے مدینہ کو بھی باخبر کیا۔ دارالندوہ میں ہجرت سے قبل ان کے جو خدشات تھے وہ درست ثابت ہو رہے تھے کہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم اور ان کے ساتھی اگر کسی مقام پر محکم طور پر آباد ہو گئے تو وہ طاقت پکڑ لیں گے اور پھر ہم پر غلبہ پالیں گے۔[1]

یہ ان کی ذہنی شکست تھی اور ذہنی شکست کھانے والے کے لیے تنکے کا سہارا بھی قابلِ تسکین بن جاتا ہے۔ مکّہ کا اعلانِ جنگ مدینہ کے ایک سردار عبداللہ بن ابی کو دیا گیا تھا جس کے متعلق اوس اور خزرج کے قبیلوں میں ہجرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ قبل فیصلہ ہو گیا تھا کہ اسے مدینہ کا بادشاہ بنا لیا جائے۔ کہتے ہیں کہ اس مقصد کے لیے اس کی تاج پوشی کے لیے سونے کا تاج بھی بنایا جا چکا تھا۔ حضورِ اقدسؐ اور آپؐ کے صحابہ جب مدینہ پہنچے تو آپؐ نے سب سے پہلے مسجد کی تعمیر کا اہتمام کیا اور یوں مدینہ پہلی بار اجتماعی زندگی سے آشنا ہوا۔ مسجد نے اجتماعی زندگی کی بنا کچھ اس انداز میں ڈالی اور جلد علم کے پیاسوں کی تشنگی کے انتظامات اس خوبی سے

---

[1] ابن اسحاق صفحہ ۲۲۱

Marfat.com

ہونے لگے کہ عبداللہ بن ابی کی تاجپوشی لوگوں کے ذہنوں سے مٹ گئی ۔ اب مدینہ میں ایک ایسا منظم گروہ آچکا تھا جس نے انصارِ مدینہ کے ساتھ مل کر ذکر و فکر خداوندی اور انسانی مسائل کے حل کو اس خوبی سے بیک دیگر سمو دیا تھا کہ زندگی حسین و جمیل اعمال کا مرقع بن گئی تھی اور ایک دل خوش کن صالح معاشرہ وجود میں آنے لگ گیا تھا جو اس میں شریک لوگوں سے بھی زیادہ دیکھنے والوں کے لیے توجہ کا مرکز بن کر ابھر رہا تھا ۔

عبداللہ بن ابی کو بادشاہ نہ بننے کا صدمہ تھا ۔ شاید وہ نئے قائم کردہ اجتماعی نظام میں بھی نمایاں مقام حاصل نہ کر سکا تھا ۔ جب قریشِ مکہ کا اعلان جنگ اسے موصول ہوا تو ایک بار پھر امید کی کرن اسے نظر آئی ۔ کیوں نہ وہ اہلِ یثرب کو قریش کی طاقت، جزیرۃ العرب میں ان کا اثر و رسوخ اور ان کی معاشی و معاشرتی برتری کا خوف دلا کر مہاجرین کے خلاف کارروائی کی جائے ۔ مہاجرین کی تعداد چالیس کے قریب تھی اس لیے انھیں ختم کرنا مشکل کام نہ تھا ۔ اوس اور خزرج طاقت ور قبیلے تھے اور یہودی قبیلوں کی تعداد بھی کم نہ تھی ۔ مہاجرین مسلمانوں کو ختم کر کے قریشِ مکہ سے تحسین و آفرین اور شکریہ قبول ہوگا ۔ اور اس کی بادشاہی اور تاجپوشی میں کوئی رکاوٹ نہ رہ جائے گی ۔

خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ خبر سنی تو آپ عبداللہ بن ابی کے پاس چلے گئے اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تمھیں قریشِ مکہ کی جانب سے کوئی دھمکی آمیز خط آیا ہے اور تم اس خط کے مطابق عمل کرنے کا ارادہ کر رہے ہو ۔ آپؐ نے مزید فرمایا کہ تمھارا یہ خیال کہ مہاجر مسلمانوں کے خلاف تم کوئی جنگی کارروائی کرو گے تو تم انھیں بے یار و مددگار پاؤ گے ۔ آپؐ نے اسے سمجھایا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنے کے بعد انسان اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا ہو کر رہ جاتا ہے ۔ پھر

Marfat.com

اس کے خاندانی تعلقات اور اس کی قبائلی وفاداریاں نقشِ پارینہ بن جاتی ہیں۔ اب اس کا خاندان اور اس کا قبیلہ اسلام لانے والوں پر مشتمل ہو جاتا ہے فرمایا "کیا تم خود اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے"۔[۵] عبداللہ بن ابی کو یہ بات سمجھ میں آگئی اور وہ قریشِ مکہ کے خط کے مندرجات پر عمل نہ کر سکا۔

مؤرخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عبداللہ بن ابی کے درمیان جو گفت و شنید ہوئی اس کی تفصیل سے آگاہ نہیں کرتے مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب آپؐ نے عبداللہ بن ابی کو ملتِ اسلام اور ملت غیر اسلام یعنے دارالسلام اور دارالحرب کے تصور سے آگاہ کیا ہوگا تو اس نے اہلِ مکہ کے اعلانِ جنگ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا ہوگا کہ مکہ جیسی بڑی طاقت کے خلاف یثرب کا دفاع کون کرے گا آپؐ نے یہ ذمہ داری اپنے اور مسلمانوں کے اوپر لی ہوگی۔ یعنی یہ کہ مدینہ کا دفاع مسلمان کریں گے۔ مگر دوسروں کو مسلمانوں کے ساتھ مل کر اور ان کی رہبری میں مدینہ کے دفاع کو یقینی بنانا ہوگا۔ عبداللہ بن ابی اس تجویز کے خلاف کچھ نہ کہہ سکتا تھا ظاہر ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے دفاع کی ذمہ داری لی ہوگی تو یہ بھی کیا ہوگا کہ یہ ذمہ داری پورا کرنے کے لیے ہر ایک پر کچھ فرائض عائد ہوں گے اور اسی طرح ہر ایک کے کچھ حقوق ہوں گے اور یہ سب کچھ تحریر میں لانا ہوگا اور آئندہ مدینے کی اجتماعی زندگی اس تحریری دستاویز کے مطابق گذاری جائے گی۔ اس فقیر کی نگاہ میں میثاقِ مدینہ کا یہ پس منظر حقیقت سے قریب ترین معلوم ہوتا ہے۔

عبداللہ بن ابی، بیعتِ عقبیٰ میں شامل تھا۔ اس لیے وہ ظاہراً طور پر مسلمانوں میں شامل تھا۔ قیامِ ریاست اور اساسی قانون کا تحریر میں لے آنے کا منصوبہ اسے بھی

---

[۵] شبلی نعمانی۔ جلد اوّل صفحہ ۲۸۳

Marfat.com

قابلِ عمل نظر آیا ہوگا۔ اس طرح ریاست کو وجود میں لاکر اسے ایسا قانون عطا کرنے والی شخصیت جو یہودیوں کو بھی گرویدہ بنالے اس کے ساتھ تعاون اسے نفع بخش محسوس ہوا ہوگا۔ وہ زیرِ زمین قسم کی جماعت تو وجود میں لاسکتا تھا اسے منافقت کے اصول بھی معلوم تھے مگر مثبت کام اور صحیح سمت کے اقدامات اس کی سرشت کے مطابق نہ تھے۔ اسے مدنیہ کی ریاست کے قیام کو مستقبل میں اپنے مفاد کے لیے استعمال کرنے کا خیال بھی گزرا ہوگا مگر اس نے اس کا اظہار نہیں کیا البتہ اس نے منافقانہ رویہ اختیار کرنے کا فیصلہ اسی روز کر لیا ہوگا۔ ریاست کا وجود اقتدار کا ذریعہ بنتا ہے اور اقتدار کی لیلیٰ ہوس جب شوق کا مقام اختیار کرتی ہے تو طاقت قوت کے سراب افسانہ و خیال پر مہمیز بن کر عجیب و غریب نقش ابھارتے ہیں اور انسان جنتِ ارضی کے تصور ہی سے محظوظ ہوتا رہتا ہے ان خوابوں نے عبداللہ بن ابی و بانیٔ ریاستِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنے پر مجبور کیا مگر ساتھ ہی ساتھ اس نے یہ فیصلہ بھی کر لیا کہ ہر ممکن طریقہ سے مخالفت بھی جاری رکھے گا۔ یوں مدینۃ النبی میں ایک منافق جماعت وجود میں آگئی۔

میثاقِ مدینہ کے سال و ماہ کا ذکر کسی مؤرخ نے نہیں کیا۔ اغلباً ہجرت سے تین ماہ سے چھ ماہ بعد کے عرصہ میں تحریر میں لایا گیا۔ اس میں مدینہ کو یثرب ہی کہہ کے پکارا گیا ہے اس لیے یہ اوّلین دور کی ہی تحریر ہو سکتی ہے۔ بعد میں مدینۃ النبیؐ کا نام عام ہو گیا تھا۔ مستشرقین میں سے میور نے اسے اولین دور کی تحریر قرار دیا ہے وہ لکھتا ہے

"یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ میثاق کب قرار پایا گیا البتہ یہ ہجرت کے بعد جلد تحریر میں لایا گیا"[1]

---

[1] میور۔ ح۔ س۔ صفحہ ۱۷۸

Marfat.com

میثاقِ مدینہ کی خبر جب مکہ پہنچی ہوگی تو قریشِ مکہ کی تشویش اور غُصّہ میں ضرور اضافہ ہوا ہوگا اور یہ فیصلہ بھی کر لیا گیا ہوگا کہ مدینہ کے خلاف فوجی کارروائی شروع کر دی جائے ادھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ریاستِ مدینہ کو اردگرد کے قبائل میں متعارف کرانے کا فیصلہ کیا ہوگا اور یوں ان قبائل کے ساتھ نامہ و پیام کا آغاز ہوا تھا۔

ابنِ اسحاق کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ سے باہر کا سفر پہلی صفر ۱ھ ہجری کے مہینہ میں کیا۔ یعنی ہجرت کے دس مہینے بعد یہ غزوہ عمل میں لایا گیا۔ واقدی کے مطابق آپؐ کے غزوہ سے قبل حضرت حمزہ کا سریہ واقع ہو چکا تھا۔[1] مگر واقدی اس میں درست معلوم نہیں ہوتا۔ واقدی کے مطابق حضرت حمزہ، حضرت عبیدہ بن الحارث اور حضرت سعد بن وقاص کے سرایا حضور اقدسؐ کے پہلے سفر یعنی غزوۂ ودّان سے پہلے واقعہ ہو چکے تھے۔ یہ درست نہیں ہو سکتا اس لیے کہ سریہ عبیدہ بن الحارث کے دوران عمرو المجدی نے لڑائی نہیں ہونے دی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ کے دوران اس قبیلہ کے ساتھ معاہدہ کیا تھا کہ مکہ اور مدینے کی لڑائی میں وہ غیر جانبدار رہے گا۔ ابوجہل نے جو اشعار کہے تھے اس میں بھی اس نے اس بات کا رونا رویا تھا کہ اگر مجدی اسے روک نہ لیتا تو مسلمانوں کی لاشیں گدھوں کے کام آتیں۔ اس لیے جس غزوہ میں غیر جانبداری کا معاہدہ ہوا تھا وہ غیر جانبداری پر عمل کے بعد واقع نہیں ہو سکتا۔ سیرت کے اس دَور کے واقعات کے لیے ہمیں ابنِ اسحاق اور ابنِ ہشام کو ترجیح دینا پڑے گی۔

آپؐ نے سب سے زیادہ توجہ ان قبائل کی طرف دی جو شاہراہِ شام کے مختلف حصّوں پر قابض تھے۔ ان کی جانب نامہ و پیام کے بعد ہی آپ نے سفارتی سفر کیا ہوگا

---

[1] واقدی۔ تحقیق ڈاکٹر مارسڈن جونس۔ مطبعہ جامعہ آکسفورڈ۔ ۱۹۶۶ء۔ جلد ۱ صفحہ ۹

Marfat.com

ان میں آپ کا سب سے پہلا سفر غزوہ ودّان اور غزوہ ابواء کے نام سے مشہور ہے۔ اسی سفر کے دوران بنو ضمرہ (تحقیق کریں) اور بنو الجہنی کے ساتھ معاہدے قرار پائے۔ اوّل الذکر کے ہاں آپؐ نے پندرہ رات قیام فرمایا اور دوستانہ معاہدہ طے پایا۔ آخر الذکر کے ساتھ غیر جانبداری کا معاہدہ قرار پایا۔ اس معاہدے کے نتیجہ میں لڑائی نہ ہو سکی۔ اس دور کا تفصیلی ذکر غزوات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی جلد میں آچکا ہے۔ یہاں صرف یہ ذکر کر دینا کافی ہوگا کہ اس پہلے دَور میں یعنی ہجرت سے بدر تک کے دور میں غزوہ ودان سے شروع ہو کر غزوہ بدر الکبریٰ تک مدینہ سے آٹھ مہمیں باہر گئیں ان مہموں میں سے چار کی قیادت حضور اقدسؐ نے بنفسِ نفیس فرمائی۔ ان کے علاوہ چار سرایا تھے جن کی قیادت مختلف مہاجر صحابہ کرام کو سونپی گئی یہ دور دفاعِ ریاست کے علاوہ کمانداروں کی تربیت کا دور بھی تھا۔ حضور اقدسؐ کی نگاہِ دوربین کا افق کرّہ ارضی سے بھی ماوراء تھا۔ ان صحابہ نے شرق و غرب کے دور دراز کونوں تک نورِ وحدت خداوندی اور صدائے رسالت آخر زماں صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچانا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہ جلیل المرتبت صحابہؓ اس فریضہ سے بطریقِ احسن عہدہ برآ ہوئے۔

جن چار سرایا کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے دو سرایا خصوصی ذکر کے قابل ہیں دونوں سرایا میں تیس چالیس مہاجر اصحاب کے چھوٹے لشکروں کا تین سو کے لگ بھگ لشکروں کے ساتھ آمنا سامنا ہوا۔ پہلے سریہ میں حضرت سعد وقاص نے تیراندازی میں پہل کی۔ ظاہر ہے کہ دوسرے صحابہ نے بھی تیر پھینکے ہوں گے ورنہ پہل کا لفظ استعمال نہ ہوتا اور حضرت سعد کے اپنے اشعار میں رسول اللہؐ کے صحابہؓ کے دفاع کا ذکر نہ ہوتا۔ اس سریہ کی قیادت حضرت عبیدہ بن الحارثؓ کے ہاتھوں میں تھی اور مقابلہ میں عکرمہ بن ابوجہل تھا اس نے خیال کیا کہ اگر مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی ٹولی جارح عمل OFFESIVE ACTION پر اتر آئی ہے تو یہ صرف طلایہ ہوگا اور مدینہ کا

Marfat.com

بڑا لشکر کہیں قریب ہی ہوگا۔ اس نے پس نشینی اختیار کی اور مکّہ کی راہ لی۔ دوسرا اہم سریہ حضرت حمزہؓ کی کمان میں تھا اور مقابلہ میں ابوجہل خود تھا اور اس کے تحت بھی تین سو کی سپاہ تھی۔ یہی وہ مقابلہ ہے جس میں عمرو الجہینی نے لڑائی نہ ہونے دی اور ابوجہل کو اس کا قلق ہوا[1]۔

یہ دور انتہائی اہم دور ہے۔ اس دور میں مکّہ کا مقصد تو ظاہر ہو چکا تھا البتہ ان کی حکمتِ عملی اور جنگی تدبیرات کا رُخ واضح نہیں ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قریشِ مکّہ کے اربابِ حل وعقد کو ابھی مدینہ کی صحیح قوّت کا اندازہ نہیں ہوا تھا۔ درست کہ ریاستِ مدینہ وجود میں آچکی تھی اس کے آئین کو غیر مسلمانوں نے بھی قبول کر لیا تھا اس لیے وہ عجلت میں کوئی قدم اٹھانا نہ چاہتے تھے۔ انھیں یہ اطلاع بھی مل چکی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساحل کے قریب رہنے والے قبائل کے ساتھ دوستانہ تعلّقات اور معاہدات کر رہے تھے۔ اغلباً وہ جانتے تھے کہ آپؐ کی معیت میں چالیس سے زیادہ صحابہ نہیں ہوا کرتے تھے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ قریشِ مکّہ نے جب عکرمہ بن ابوجہل کے تحت تین سو افراد پر مشتمل لشکر روانہ کیا تو وہ لڑاکا گشت FIGHTING PATROL کے طور پر بھی ہو سکتا تھا اور یہ خیال بھی ہو سکتا تھا کہ اگر اس کو راستہ میں روکا نہ گیا تو مدینہ پر قبائلی قسم کا حملہ بھی کرے گا۔ جیسا کہ ابوسفیان نے غزوۂ سویق کے وقت کیا۔ یعنی چند کھجور کے درخت کاٹے، ایک یا دو پاسبانوں کو قتل کیا اور رجز پڑھتے ہوئے راہِ فرار اختیار کی۔ اس دور کے واقعات قلم بند کرتے ہوئے مؤرخوں نے بے توجہی کا ثبوت دیا ہے۔ اور ان غزوات وسرایا کو قریشِ مکہ کے تجارتی قافلے لوٹنے کی مہمیں ظاہر کیا ہے۔

---

[1] ابن اسحاق۔ ح۔س۔ صفحہ ۲۸۴۔

Marfat.com

یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ اس دور کے غزوات اور سرایا میں صرف مہاجر اصحابؓ نے حصّہ لیا۔ اس کی توجیہ مستشرقین نے یوں کی ہے کہ چونکہ انصار نے صرف مدینہ کے اندر حفاظت کا وعدہ کیا تھا اس لیے مدینہ سے باہر کی مہموں میں انکو شامل ہونے کی دعوت نہیں دی گئی۔ یہ درست نہیں۔ انصار مدینہؓ نے حضور اقدسؐ کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ مقام کا کہیں ذکر نہ تھا۔ دراصل آپؐ کسی ایسے فرد کو ساتھ لے جانا نہ چاہتے تھے جس کی تربیت مکمل نہ ہوئی تھی۔ غزوہ بدر الکبریٰ سے قبل آپؐ نے انصار صحابہ کو اس لیے دعوت نہ دی تھی کہ ابھی ان کے درمیان ایسے افراد موجود تھے جو آپ کے مجاہدانہ معیار پر پورے نہ اترتے تھے۔ غزوۂ احزاب تک ایسی کمزور طبیعتوں کا ذکر ہے، جنھیں قتال کے ذکر سے غشی طاری ہو جاتی تھی

فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ
أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۝

(الاحزاب ۳۳ : ۱۹)

پھر جب خوف آتا ہے تو تم ان کو دیکھو کہ تمھاری طرف اس طرح دیکھتے ہیں ان کی آنکھیں اس طرح پھر رہی ہیں جیسے کسی کو موت کی غشی آرہی ہو۔

مگر قریشِ مکہ کو ان کمزوریوں کا علم نہ ہو سکتا تھا وہ تو اسی خیال میں تھے کہ آپؐ ایک نئے شہر میں قیام پذیر ہوئے ہیں وہاں پراثر دروسوخ پیدا کرنے میں آپ کو وقت درکار ہوگا۔ اس لیے انھیں کسی طرح کی جلدی نہ تھی مگر جب آپؐ نے ساحل سمندر اور شاہراہِ شام کے اوپر بسنے والے قبائل کے ساتھ تعلقات استوار کرنا شروع کیے تو انھوں نے اس امر کو زائل کرنا اپنی پہلی ذمہ داری قرار دیا اب تک انھوں نے اپنی مستقل حکمتِ عملی کا تعین نہیں کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بدر سے قبل

Marfat.com

مکی اقدامات جارحانہ STRATEGY صورت رکھنے کے باوجود کسی محکم تزویرات OFFENSIVE کا پتہ نہیں دیتے۔ عکرمہ بن ابوجہل کے تحت تین سو کا لشکر غیر متعین منزل کی طرف روانہ ہونا اور بے وجہ واپس ہو جانا پھر ابوجہل کا اسی لشکر کی قیادت چند دن کے بعد کرنا جب اس میں ناکامی ہوئی تو راستہ بدل کر ابوسفیان کا مدینہ کے مضافات میں رات کے وقت چھاپہ مارنا اور سرعت سے غائب ہو جانا یہ تمام کارروائیاں مربوط حکمتِ عملی یا سوچی سمجھی جنگی تزویرات کا پتہ نہیں دیتیں۔

ان کے برعکس سربراہِ مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قدم سوچے سمجھے پائیدار اور دور اندیشانہ منصوبے کی کڑی نظر آتا ہے۔ آپؐ کا مقصدِ اوّل تبلیغِ اسلام تھا آپؐ کا دوسرا مقصد مسلمانوں اور مسلمانوں کی سرزمین کی حفاظت تھا۔ دفاع کی حکمتِ عملی کا انحصار کسی حد تک دشمن کے منصوبوں پر ہوا کرتا ہے مگر اس کے باوجود دفاعِ ریاست و مملکت کے چند ایسے پہلو ہیں جو دشمن کے اقدامات یا عدم اقدامات کی صورت میں بھی حل کرنے ہوتے ہیں۔ حضورِ اقدسؐ نے جس طرزِ جنگ کو اپنایا وہ کلی جنگ ہے۔ اس طرزِ جنگ کا ذکر ان اوراق میں آچکا ہے اور یہ فوج کی تربیت اور اسلحہ کی فراہمی سے لے کر داخلی امور اور سفارتی تعلقات پر محیط ہوتی ہے۔ جب مکہ نے جنگ کا اعلان کیا تو آپ نے مہماتی میدان کو وسعت دینے کی غرض سے اردگرد کے قبائل سے دوستانہ تعلقات اور معاہدات کی بنا ڈالی اس کے نتیجہ میں مکہ کو عجلت میں وہ مہمیں روانہ کرنی پڑیں جن کا ذکر آچکا ہے جب ان سے نتائج برآمد نہ ہوئے تو قریشِ مکہ کے سرداروں نے مدینہ کے اندر انتشار پھیلانے اور فتنہ و فساد کا جال بچھانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس مقصد کے لیے انھیں عبداللہ بن ابی اور چند یہودی حاصل ہو گئے۔ ساتھ ہی ساتھ

Marfat.com

انھوں نے مدینہ پر بھرپور حملے کا فیصلہ بھی کرلیا۔ اس حملے کے لیے انھوں نے مدینہ کی سرحد پر واقع بدر کے مقام کو چُنا۔ بدر صرف شاہراہِ شام پر واقع ایک پڑاؤ نہیں تھا بلکہ گزشتہ چند مہینوں سے اسے ریاستِ مدینہ کا سرحدی مقام کہا جا سکتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ ساحل تک کا علاقہ اور بدر سے جنوب کے علاقوں پر بھی مدنی فوج کا تسلط قائم ہو چکا تھا۔ قریشِ مکہ اس تصور کو زائل کرنا چاہتے تھے اگر مدینہ اپنے سرحدی مقام کے دفاع کے لیے فوج روانہ کرتا تو اہلِ مکہ کو یقین تھا کہ وہ مدینہ کے روانہ کیے ہوئے لشکر کو شکست دے سکیں گے اور اگر مدینہ نے فوج روانہ کرنے کی جُرأت نہ کی تو آگے بڑھ کر مدینہ پر حملہ کیا جا سکتا تھا۔ بہرکیف ان کے ذہن میں یہ بات بھی ہو سکتی تھی کہ اگر مدینہ کی طرف سے کوئی لشکر نہ آیا تو عوام الناس میں بدر اور اردگرد کے علاقہ کے عوام میں جو تصور پیدا ہو چکا تھا کہ وہ ریاستِ مدینہ میں شامل ہیں، وہ تصور زائل ہونا یقینی تھا۔

ساحل کے علاقہ کا مدینہ کی ریاست میں شامل ہونا آپؐ نے اس شدت سے کیا کہ قرب وجوار میں کسی کو شک کی گنجائش نہ رہ گئی تھی، جہاں تک لڑائی شروع کرنے کا تعلق ہے۔ آپؐ اللہ کے حکم کے تابع تھے، آپؐ اس وقت تک لڑائی شروع نہ کر سکتے تھے جب تک دشمن پہل یا زیادتی نہ کرے۔

قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا۔

(جو تم سے جنگ کرتے ہیں ان کے ساتھ جنگ کرو اور زیادتی مت کرو)

کے حکم سے یہی نتیجہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے پھر ساحلِ سمندر تک کا علاقہ اپنی ریاست کی حدود میں کیوں شامل کیا، پہلی بات یہ ہے کہ مدینہ سے ساحلِ سمندر تک کا علاقہ خالی پڑا تھا اور اسے بے مالک زمین کہا جا سکتا تھا (NO MANS LAND)

Marfat.com

ساحلِ سمندر پر جو قبائل آباد تھے اور جن کا تسلّط ان علاقوں پر قائم تھا۔ ان کے ساتھ آپؐ نے دوستانہ معاہدے کیے۔ کسی کو مجبور نہیں کیا اور نہ ہی کسی پر حملہ کیا۔ بنو ضمرہ کے ساتھ جو دوستانہ معاہدہ ہوا تھا، اسے ریاستِ مدینہ کی ذیلی ریاست یا زیرِ حفاظت (PROTECTORATE) علاقہ کہا جا سکتا تھا اس کے ساتھ جو معاہدہ تھا اس کے الفاظ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ لڑائی کے دوران وہ مدینہ کی مدد کے لیے لشکر روانہ کرنے کے پابند ہوں گے۔ اس امر کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ۹ سنہ ہجری میں جزیرۃ العرب کے اسّی سے زائد قبائل نے مدینہ پہنچ کر اپنی اپنی خود مختاری حضور اقدسؐ کی خدمت میں پیش کر کے مدینہ کی ریاست کی شہریت قبول کی۔ ان اسّی سے زائد قبائل میں بنو ضمرہ شامل نہیں، اس کے بعد ہی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ۱ سنہ ہجری میں طے شدہ معاہدے کی رو سے وہ از اول مدینہ کی ریاست میں شامل تھے، علاوہ بریں قریشِ مکہ نے بدر کے جلد بعد سے اس شاہراہ سے اپنے قافلے گزارنے بند کر دیے تھے۔ یعنی عملی طور پر انھوں نے بھی اس شاہراہ اور ساحل تک کے علاقہ کی ریاست مدینہ میں شمولیت کو تسلیم کر لیا تھا۔

مدینہ اپنے اثر و رسوخ کو مشرق اور جنوب کی جانب وسعت دے رہا تھا۔ مکہ نے جب اقداماتی میدان یعنی جنگی کارروائی کے علاقہ (FIELD OF OPERA-TIONS) کو وسیع ہوتے دیکھا تو انھوں نے اپنے اثر و رسوخ کو مدینہ کے شمال اور مشرق کی جانب وسعت دینا شروع کی۔ اس وسعت کا آغاز انھوں نے نجد کے قبائل بنو غطفان اور بنو سُلیم سے کیا۔ ان دونوں قبائل نے پہلے تو بدر الکبریٰ کی لڑائی میں مکہ کی امداد کی اور پھر وقتاً فوقتاً مدینہ کو عرصہ تک تنگ کرتے رہے اور مدینہ دشمنی کو اپنا ذاتی معاملہ بنا لیا۔ تاریخ دان اس معاملہ پر

Marfat.com

خاموش ہے مگر جب ۶ھ کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دائرۂ اختیار بڑھانا شروع کیا تو سردارانِ قریش نے اس کا جواب مدینہ سے خیبر تک کے علاقہ کو اپنے دائرہ اختیار میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا اور خاطر خواہ کامیابی بھی حاصل کی۔

اس پہلے دور میں حضورؐ کے سامنے صرف یہی سوال نہیں تھا کہ مکہ کی پیش رفت کو روکیں، اس کے علاوہ آپؐ کے سامنے اپنی فوج کو ان علاقوں کے جغرافیہ اور جغرافیائی اثرات سے بھی متعارف کرانا تھا۔ اس کے علاوہ آپؐ کو ایک قیادت تیار کرنے کی ضرورت کا احساس بھی نظر آ رہا تھا۔ اگر یہ ضرورت آپؐ کے پیش نظر نہ ہوتی تو آپ تمام مہموں کو اپنے ہاتھ میں رکھتے۔

بدر الکبریٰ کی لڑائی کا ایک بنیادی پہلو زیر غور نہیں لایا گیا، جب آپؐ مدینہ سے چلے تھے تو آپؐ کو علم تھا کہ مکہ کے دو گروہ مکہ سے باہر خروج کر چکے ہیں۔ ایک قافلہ تھا اور دوسرا ان کا لشکر تھا۔ الٰہ العلمین نے آپؐ کو ان دو میں سے ایک کے حاصل ہونے کا وعدہ بھی فرما دیا تھا:۔

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ (انفال ۸ : ۵)

اور جب آپؐ بدر کے میدان میں پہنچے ہیں تو قافلہ آپؐ کے قریب ہی نیچے تھا۔

وَالرَّکْبُ اَسْفَلَ مِنْکُمْ (اور قافلہ تم سے نیچے (کی طرف) تھا) (الانفال ۸ : ۴۲)

قافلہ کمزور تھا اور مکی لشکر آپؐ سے تین گنا زیادہ طاقتور تھا، پھر کیا وجہ تھی کہ آپؐ نے قافلہ کی طرف توجہ نہ دی اور اپنے سے کہیں بڑے لشکر کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ فنِ جنگ کے ماہرین کہتے ہیں کہ اگر دشمن کے دو گروہ میدان میں ہوں تو پہلے کمزور کو شکست دے کر پھر طاقتور کی طرف متوجہ

Marfat.com

ہوا جلائے مگر آپؐ نے کمزور کو جانے دیا اور طاقتور کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ گو قافلہ قریب ہی ساحل کی جانب تھا مگر مکی لشکر بھی تو چنداں دور نہ تھا۔

اگر آپؐ پہلے قافلے کی طرف متوجہ ہوتے تو درست ہے کہ اس کا نقصان کر سکتے تھے مگر پھر آپؐ کو کھلے میدان میں اپنے سے تین گنا بڑے لشکر کا مقابلہ کرنا پڑتا جس کے پاس سوارہ بھی موجود تھا۔ اس حالت میں شاید آپ کے لیے مکی لشکر کے خلاف دفاعی پوزیشن ڈھونڈنا مشکل ہو جاتا۔ اس لیے حالانکہ آپؐ کو جنگ کا تجربہ نہ تھا آپؐ نے اس کے باوجود جو تزویراتی (STRATIGIC) فیصلہ کیا وہ درست تھا۔ اور اس فیصلے کی وجہ سے آپ کے لیے بہترین تدبیراتی (TACTICAL) پوزیشن حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

بدر کے بعد کے دور کے مطالعہ سے یہ پہلو مکمل طور پر سامنے آجاتا ہے۔ اس لیے کہ بدر کے بعد قریشِ مکہ اور ان کے حلیف شکست خوردہ ہو چکے تھے۔ عام حالات میں فتح کے بعد کمانداراکثر مہموں کو اپنے نائب کمانداروں کی قیادت میں روانہ کیا کرتے ہیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ فتح بدر کے بعد یعنی بدر اور اُحد کے درمیانی عرصہ کے دوران مدینہ سے جو سات مہمیں روانہ کی گئیں ان میں سے چھ کی قیادت خود سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں میں رکھی تھی۔ صرف ایک مہم زیدؓ بن حارثہ کی قیادت میں روانہ کی کہ مکی قافلہ جو عراق کے راستہ پر جا رہا تھا اسے روک لیں۔ یہ مہم اس قابل نہ تھی کہ آپؐ اس کی قیادت فرماتے ان چھ مہموں کی قیادت اپنے ہاتھ میں رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ اب قریش نے نئی حکمتِ عملی کے مطابق عمل کرنا شروع کر دیا تھا۔ یعنی اقداماتی علاقہ کو دوبارہ محدود کر کے اپنے تمام اقدامات کو مدینہ کے خلاف مرکوز کرنا چاہتے تھے، غالباً

Marfat.com

حضور اقدسؐ نے اقداماتی علاقے کو وسعت دینے کی جو تدبیرات زیرِ عمل لائی تھیں یہ اس کا جواب تھا، اقداماتی علاقہ کو محدود کرنے اور اس کو مدینہ پر مرتکز کرنے کا پہلا قدم یہ تھا کہ یہودی قبیلہ بنو قینقاع کو بغاوت کرنے پر آمادہ کر لیا گیا تھا، اسی وقت مدینہ کے شمال سے بنو سُلیم اور بنو غطفان نے براہِ راست مدینہ پر حملے کرنے تھے۔ اور عین اسی وقت مکہ کی جانب سے خود قریش نے مضبوط لڑاکا گشت کے ذریعہ آپؐ کے دارالرسالت مدینہ پر حملہ کرنا تھا، یہ انتہائی دور اندیشانہ مہاجماتی طرز کا منصوبہ تھا مگر اس کو حضور اقدسؐ نے اپنی فراست اور جنگی مہارت کے ذریعہ ناکام بنا دیا اور اس سہ رُخی حملے کو باہم دگر مربوط نہ ہونے دیا۔ بنو قینقاع کی بغاوت متوقع وقت سے پہلے ہی ختم کر دی گئی۔ بنو سلیم ابھی تیار نہ ہوئے تھے کہ ان کو بھی منتشر کر دیا گیا۔ جب ابو سفیان اس بغاوت کی خبر سُن کر مکہ سے روانہ ہوا تو اس کے مدینہ پہنچنے سے قبل ہی بنو قینقاع ہتھیار ڈال کر مدینہ سے مال و اسباب سمیت نقل مکانی کر چکے تھے۔ اس کا ذکر قرآنِ حکیم میں ان الفاظ میں ہوا ہے :۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۔ (الحشر ۵۹ : ۲)	وہی تو ہے جس نے کفارِ اہل کتاب کو نکال دیا اپنے گھروں سے حشرِ اول میں (پہلے اخراج کے دوران)

جب ابو سفیان مدینہ پہنچا اور اسے ایک یہودی سردار نے حقیقتِ حال سے آگاہ کیا تو اس کے لیے مدینہ سے بعجلت بھاگ جانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، مدینہ کے طویل محاصرہ کے لیے ستّو کی جو وافر بوریاں ساتھ لایا تھا، بھاگتے ہوئے انھیں بھی راستہ میں پھینکنا پڑا۔ حضور اقدسؐ نے اس کے تعاقب میں جو غزوہ تیار کیا اس کو یہ بوریاں راستہ میں پڑی ملیں، اسی وجہ سے اس غزوہ کا نام ہی غزوۂ سویق پڑ گیا۔

غزوۂ سویق سے فارغ ہو کر آپ نے شمال میں نجد کے قبائل، جو مکہ کے سہ رُخی

Marfat.com

منصوبہ میں شامل ہونا چاہتے تھے، ان کی تیاری کی خبر سُنی تو تین مرتبہ نجد کی طرف مہمیں لے جانی پڑیں اور یوں ان کو مدینہ پر حملہ کرنے سے باز رکھا۔ ان تینوں مہموں کے دوران کمان آپ نے اپنے ہاتھ میں رکھی تھی۔ نچلی سہم کی کمانیں صحابہؓ کے ہاتھ میں تھیں جو رفتہ رفتہ آپؐ کی رہبری میں قیادت کے اصولوں پر عبور حاصل کر رہے تھے، اعلیٰ کمان کی یہ ذمہ داری جس کی مثال آپؐ نے اپنے غزوات کے دوران قائم کی اس کو دیکھ دیکھ کر پائین درجہ کے کمانداروں نے رفتہ رفتہ تربیت حاصل کر لی۔ یہ ذمہ داری بہت کم سپہ سالاروں کو یاد رہتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر سپہ سالار جب دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو ان کی تمام فتوحات اس لیے لاحاصل ہو جاتی ہیں کہ انھوں نے اپنے بعد اس کام کو جاری رکھنے والوں کی صحیح تربیت نہیں کی تھی سکندر اعظم جب بابل میں مرا تو اس کی مملکت دوسرے ہی دن چار مملکتوں میں تقسیم ہو گئی۔ نپولین جب شکست سے دوچار ہوا تو فرانس میں اب کوئی سپہ سالار نہ تھا جو فرانس کی آزادی کو برقرار رکھ سکتا اور فرانس کو ایک بار پھر اسی خاندان کے فرد کو شہنشاہ تسلیم کرنا پڑا، جس کے نہ معلوم کتنے افراد کو تہ تیغ کیا جا چکا تھا اور وہ بھی دوسروں کے حکم کے تحت۔ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم واحد سپہ سالارِ اعظم ہیں جن کے بعد ان کے شاگردوں نے آپؐ کی روایات قائم رکھیں اور شرق و غرب میں آپ کا پھیلایا ہوا رحم و کرم کا سبق اس خوبی سے پہنچایا کہ اس کو صدیوں پر پھیلی ہوئی سیاہ راتیں بھی محو نہیں کر سکیں، اسی دور میں آپؐ نے ایک مہم کی قیادت حجاز کے علاقہ میں بھی کی مگر مکہ کو ہمت نہ ہوئی کہ مکہ کے سردار اس مہم کی مزاحمت کی غرض سے کوئی لشکر روانہ کرتے۔ اس دور کی آخری مہم سریہ قرادہ تھی جس کے دوران زیدؓ بن حارثہ نے عراق جانے والے مکی قافلہ کو روک لیا تھا۔

ان دو ادوار کے اس مختصر سے ذکر کا مقصد یہ تھا کہ گزشتہ واقعات کی روشنی میں قریش کے زعماء کے مصمم ارادے کا تجزیہ کیا جائے اور دیکھا جائے کہ وہ حضور اقدسؐ کو

Marfat.com

ختم کرنے اور اسلام کی جانب سے انھیں جو خوف پیدا ہو گیا تھا اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے کس قدر بیتاب تھے، پہلے دور میں واقعات کی رفتار قدرے مدھم اور ارادے قدرے مبہم سے تھے اس لیے کہ انھیں مدینہ کے اندرونی حالات کی صحیح حالت کا اندازہ نہ تھا، انھیں مسلمانوں کی فنِ جنگ سے واقفیت کا بھی علم نہ تھا، ان کی یہ کم علمی بدر کے میدان میں ختم ہو گئی۔

دوسرے دور میں قریش نے شروع سے واقعات کی رفتار کو تیز کرنے کی کوشش کی مگر ان کے حلیف اور مددگار تجربہ کار نہ تھے اور نہ ہی انھیں وقت اور فاصلوں کو باہم دگر مربوط کرنے کے فن پر عبور تھا، مجالِ انکار نہیں کہ سہ طرفی حملے کا منصوبہ ارادے اور خیال تک نہایت عمدہ تھا مگر تین اطراف سے تین لشکروں کو ایک جگہ میں مرکوز کر کے جنگی کارروائی کو کامیاب بنانے کے لیے جس قدر باریک بینی کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان کے کسی سپہ سالار میں موجود نہ تھی، اس سہ طرفی حملے کی ناکامی کے بعد قریشِ مکہ نے تو خاموشی اختیار کر لی مگر محسوس ہوتا ہے کہ اپنے حلیفوں کو بار بار حملے کرتے رہنے پر مامور رکھا، ساتھ ہی ساتھ مدینہ پر ایک بھرپور حملے کی تیاریاں جاری رکھیں۔ اور جب سریۂ قرادہ کے نتیجہ میں بہت سی دولت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھنے کے علاوہ اس تجارتی راستہ کو بھی اپنے لیے مسدود پایا تو انھیں جلد از جلد فیصلہ کن ضرب کے سوا اور کوئی روشنی کی چمک نظر نہ آئی، اس دوران انھوں نے مدینہ کے اندر رہنے والے یہودیوں کے استعمال کو جاری رکھنے کی طرف سے توجہ نہیں ہٹائی۔ مگر بنو قینقاع کے اخراج کے بعد ان کی کوششوں کو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ بنو قینقاع کے اخراج کے بعد یہودیوں کا جذبہ قدرے مدھم پڑ گیا تھا

مطالعہ میں آ چکا ہے کہ مدینہ میں عبد اللہ بن ابی کی سرکردگی میں منافقین کا گروہ پیدا ہو چکا تھا، جب تک کوئی تحریک اپنے اولین دور میں ہوتی ہے اور اس میں شمولیت

Marfat.com

صرف قربانی تک محدود ہوتی ہے اس لیے اس تحریک کے ساتھ وہی افراد وابستہ ہوتے ہیں جو خدمت اور قربانی کے جذبے سے معمور ہوتے ہیں۔ جب تحریک کو کامیابی حاصل ہونا شروع ہوتی ہے اور خصوصاً جب اقتدار اور قوت بھی تحریک کو حاصل ہو جاتی ہے تو پھر اس میں رُک رُک کر طالع آزما بھی آنے کے خواہشمند بن جاتے ہیں مگر ایثار و قربانی سے دور رہنے کی کوششیں کرتے ہیں۔ وہ یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ان کے لیے کونسا لائحہ عمل درست ہوگا۔ عبداللہ بن ابی کو بھی چند ایسی کمزور طبیعتیں مل گئی تھیں، جو شہادت کے طلبگار تو نہ تھے مگر اسلام کے ذریعہ جو فائدے حاصل ہوتے تھے، ان میں حصہ دار بننے کے خواہشمند ضرور تھے۔ ان کے ایمان کو مزید کمزور کرنے کے لیے مدینہ کے اندر یہودی بھی موجود تھے جو انھیں اسلام کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے۔

وہی یہودی جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا تھا اور میثاقِ مدینہ میں شمولیت کے اعزاز کو غیر معمولی سیاسی فتح تصور کیا تھا، وہ اسلام کے دشمنوں کی صفوں میں شامل ہو چکے تھے، جب انھیں احساس ہوا کہ مدینہ کی ایک ریاست وجود میں آچکی ہے اور میثاقِ مدینہ اس ریاست کا بنیادی قانون ہے۔ اور انھوں نے اپنے آپ کو آئینی مسلمان بنا دیا ہے تو انھوں نے اپنی نجات اسی میں محسوس کی کہ حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کریں اور قریش مکہ کے ہمنوا بن کر اسلام کو دنیا سے نابود کر دیں۔ ریاست کے صدر مقام کے اندر رہتے ہوئے وہ ریاست کے خلاف اور ریاست کے نظریۂ حیات کے خلاف زہر اُگلتے رہتے تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ مسلمانوں کے ایمان پر ضرب لگائیں اور انھیں جہاد کے خلاف دلائل دے کر کمزور کر دیں۔

کمزور طبیعتیں ان کے کہنے میں آجائیں اور جہاد سے بچنے کے لیے طرح طرح کے

Marfat.com

بہانے ڈھونڈ نکالتیں، یہی نہیں کہ جہاد کی دعوت پر کہتے کہ اگر ہم جنگ کے قابل ہوتے تو ضرور مسلمانوں کا ساتھ دیتے (۳ : ۱۶۷) بلکہ دوسروں کو بھی جہاد سے دور رکھنے کی کوشش کرتے اور کہتے کہ اگر تم لوگ ہمارے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہتے تو قتل نہ ہوتے (۳ : ۱۶۸)

اس دوران تبلیغِ اسلام کی جو رفتار تھی اسے بھی اگر زیرِ مطالعہ رکھا جائے تو ان دو ادوار کے عرصہ میں جو پیش رفت ہوئی تھی اس کا اندازہ کرنا ممکن ہوگا۔ مدینہ اب جزیرۃ العرب کے اندر ایک اہم مقام حاصل کر چکا تھا، اس مقام کے نتیجہ میں مکہ، مدینہ اور دوسرے قبائل کے اندر مختلف قسم کے نتائج ظاہر ہو رہے ہوں گے۔

قبائل کی جانب سے مبصروں کا آنا اور مدینہ کی زندگی کا مطالعہ کرنا تو فطری بات تھی۔ قبائل کی جانب سے اسلام سکھانے کے لیے اساتذہ روانہ کرنے کی گزارشات بھی موصول ہوتی رہتی ہوں گی۔ یثرب کا قصبہ اب مدینۃ النبیؐ بن چکا تھا، مہمانوں کی پذیرائی کے لیے مسجد موجود تھی، جہاں میزبان خود خیر البشرؐ تھے، ان مہمانوں کو اس سکونِ قلب سے آشنا کرنے کا عمل جاری رہتا ہوگا جو حاکمیتِ خداوندی پر ایمان لانے کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ حضور اقدسؐ کا ہر عمل تبلیغِ دین کی طرف مثبت قدم ہوتا تھا یہاں تک کہ جہاد فی سبیل اللہ کے دوران جس طرح اخلاقی اقدار کو بلند ترین سطح پر رکھا جاتا تھا وہ پہلو بجائے خود تبلیغ دین کا اہم حصہ تھا۔ غرضیکہ ہر لمحہ اور ہر مقام پر، ہر عمل کے دوران اللہ کے آخری دین کی تبلیغ احسن ترین طریق پر، محراب و منبر اور گلی کوچہ سے لے کر سفر کے دوران تک جاری رہتی تھی۔ تبلیغِ دین کے سلسلہ میں اس انہماک کی آج ایک بار پھر ضرورت ہے۔ اس کے بغیر نسلِ انسانی امن و سکون حاصل نہ کر سکے گی۔

اُحد کی لڑائی سے قبل اس جنگ کے کچھ ایسے اثرات تھے جن کا ذکر مؤرخوں نے

Marfat.com

نہیں کیا، مثلاً وہ مسلمان جو ابھی مکہ میں موجود تھے ان پر کیا گزر رہی تھی۔ قرآن حکیم تو ان کے متعلق کہتا ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ... الخ

تم کو کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں لڑتے نہیں اور بے بس مرد، عورتیں اور بچے ہیں جو یہ کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں اس بستی سے نجات دلا جس کے رہنے والے ظالم ہیں۔ ..... (النساء ۴ : ۷۵)

درست ہے کہ یہ آیۂ کریمہ دورِ نبویؐ سے زیادہ بعد کے ادوار کے متعلق اللہ کا فرمان ہے اور خصوصاً آج کے دور میں جو مسلمان غیر اسلامی حکومتوں کے مظالم سے تنگ آچکے ہیں اور وہ خود مختار مسلمان ریاستوں کی جانب نظریں جمائے بیٹھے ہیں، اس آیہ کے اس ہمہ وقتی حکم کی حیثیت کے علاوہ یہ آیہ کریمہ اس دور کے بھی مسلمانوں کی حالتِ زار کی جانب بھی اشارہ کرتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس وقت دوسری بستیوں میں بھی ایسے افراد موجود ہوں جو اسلام قبول کر چکے تھے اور ان کے گرد و پیش میں جو لوگ تھے وہ انھیں اس لیے تنگ کرتے تھے کہ وہ اللہ کی حاکمیت کو قبول کر چکے تھے، اور ان اسلام لانے والوں کو حاکمیتِ انسانی اور شرک کی زندگی قبول نہ تھی۔ نو مسلموں کو اس طرح کی تکالیف قیامت تک رہیں گی۔ جب تک عالم اسلام اپنے دفاع اور اپنے کمزور بھائیوں کی نجات کے لیے کوئی دفاعی اور فلاحی تنظیم وجود میں نہیں لاتا، اس وقت تک مکہ میں پیچھے رہ جانے والے مسلمانوں کی طرح مسلمان اقلیتوں کے لیے زندگی گزارنا مشکل رہے گا۔

مکہ میں رہ جانے والے مسلمانوں کی اس حالت کا علم حضور اقدسؐ سے پوشیدہ نہ رہ سکتا تھا، آپؐ کی جنگی کوششوں اور منصوبوں میں ان مسلمانوں اور اس طرح کی

Marfat.com

دوسری مسلمان اقلیتوں کی نجات کا خیال بھی ہمیشہ رہتا تھا، اس پہلو کو نگاہ میں رکھنا اور حضور اقدسؐ کی اس سنت کے مطابق حکمتِ عملی مرتب کرنا آج کے مسلمان رہنماؤں کی ذمہ داریوں میں متصوّر ہونا چاہیئے۔

مدینہ کو جہاں تکالیف کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا اور ملتِ اسلامیہ جس طرح مکہ اور مدینہ بلکہ چند دوسرے مقامات میں بٹی ہوئی تھی وہاں مدینہ کے محلِ وقوع کے نتیجہ میں جنگی لحاظ سے فائدہ بھی تھا۔

مدینہ کا محل وقوع شام کی جانب جانے والی تجارتی شاہراہ کے قریب تھا، اور اس کا اثر و رسوخ اس شاہراہ پر اور بعد میں عراق جانے والے راستہ پر بھی محکم ہو گیا تھا۔ اس جغرافیائی حقیقت نے بھی جنگ کو خاص رُخ عطا کیا تھا۔ اگر مدینہ ان تجارتی راستوں پر قابض نہ ہوتا تو مکہ کے زعماء کو بار بار عجلت میں کچھ کر گزرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ ممکن ہے کہ اگر جغرافیائی صورت حال یہ نہ ہوتی تو مکہ کی جانب سے کیے گئے حملے عجلت کا شکار نہ ہوتے۔ اس صورت میں مدینہ کے دفاع کے لیے حکمتِ عملی اور تزویراتِ جنگ کو کوئی اور رُخ عطا کرنا ضروری ہو جاتا۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ بدر سے قبل کے دور میں حضور اقدسؐ نے مکی قافلوں کی جانب چنداں توجہ نہ کی تھی، اس دور میں تو مکہ کی جانب سے روانہ کی گئی مہموں کو مدینہ سے دور رکھنا ہی اس قدر اہم تھا کہ مدینہ قافلوں کو روکنے کی جانب توجہ نہ دے سکتا تھا۔ بدر کے بعد کے دور میں اوّلاً تو اہل مکہ اس شاہراہ کو استعمال کرنے کی ہمت ہی نہ کر سکتے تھے اور اب چونکہ باقاعدہ جنگ چھڑ چکی تھی اس لیے مدینہ کے لیے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ مکی قافلوں کی آمد و رفت کو بے ٹوک جاری رکھنے کی اجازت دیتے، اُحد کی لڑائی کے بعد تو یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اب اہلِ مکہ شمال اور شمال مشرق کی جانب قافلہ روانہ کرنے کی ہمت کر سکیں گے۔

Marfat.com

اُحد کی لڑائی غزواتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے دور کو انجام تک پہنچاتی ہے۔ اس جنگ کا آغاز مکہ کی جانب سے ہوا تھا اور اس جنگ کو تندی و تیزی بھی ان ہی کی جانب سے میسر آتی رہی ہے۔ مکی مدنی جنگ، ملت کی اجتماعی زندگی سے متعلق بہت سے اہم نکات کو روشن کرتی ہے۔ اوّلاً اس جنگ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سربراہِ مملکت اور اعیانِ ریاست کو کس قدر دفاعِ ملک و ملّت کی ضروریات سے کما حقّہٗ آگاہ ہونا چاہیئے، قیامِ ریاست مدینہ، اس ریاست کو واضح طور پر دفاعی نکتۂ نظر کو پیش نظر رکھ کر ایک مبسوط اور مدلل آئین کا سربراہِ مملکت کی جانب سے عطا ہونا اور پھر قدم قدم پر ریاست و مملکت کے دفاع کے انتظامات، تزویراتِ جنگ اور تدبیراتِ جنگ سے لے کر لشکروں کی روانگی اور ان کی لام بندی تک کے وسائل کا ذاتِ واحدؐ کا حل کرنا ایک ایسی سُنّتِ ختم الرسلؐ ہے کہ مسلمانوں پر واجب آتا ہے کہ وہ اپنے آئین میں سربراہِ مملکت کی شرائط میں صرف عاقل و بالغ کی خصوصیات کا ذکر نہ کریں بلکہ اس بات پر زور دیں کہ اسے دفاعِ ملک و ملّت کے کیف و کم سے واقف ہونا چاہیئے اور اس شرط کو اسی صورت پورا کیا جا سکتا ہے جب ممالکِ اسلامیہ کی ہر جامعہ میں دفاع اور تزویرات و تدبیرات کا مضمون شاملِ نصاب ہو اور ہر سپاستدان اس مضمون سے خاطر خواہ حد تک واقف ہو اور تجنید اجباری (CONSCRIP-TION) کے حکم کے تحت دو یا تین سال کی مدت اپنے ملک کی افواج کی صفوں میں گزار چکا ہو، اگر صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضورؐ نے فوجی تربیت نہ دی ہوتی تو بدر و اُحد میں جو کارنامے ان اولوالعزم ہستیوں نے میدانِ کارزار میں دکھائے وہ ہرگز دیکھنے میں نہ آتے۔

ہجرت سے بدر اور بدر سے اُحد تک کے واقعات زیرِ مطالعہ آچکے ہیں، زیرِ غور آچکا ہے کہ قریشِ مکہ اب فیصلہ کُن لڑائی کے لیے زیادہ انتظار نہ کر سکتے تھے۔ مکی لشکر کی

Marfat.com

مکہ سے روانگی کی خبر حضورؐ تک پہنچ چکی تھی۔ مگر آپؐ نے اس خبر کو مشتہر نہ ہونے دیا۔ اس میں بھی مصلحت تھی، مدینہ کے اندرونی حالات کے متعلق آپؐ سے بہتر کسی کو آگاہی نہ ہو سکتی تھی۔ بنو قینقاع کے اخراج کے بعد یہودی قبائل کی ریشہ دوانیوں کے نتیجہ میں منافقین کھل کر باتیں بنانا شروع ہو گئے تھے۔ مکی لشکر کی تعداد تین ہزار سے زائد تھی۔ اس لیے اگر یہ تمام تفصیلات دشمن کے پہنچنے سے چار پانچ دن قبل ہی عوام تک پہنچ جاتیں تو منافقین اور یہودی بددلی پھیلانے کی پوری پوری کوشش کرتے۔ اُحد کے بعد تو انھوں نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر یہ ہمارے ساتھ پیچھے رہ جاتے تو ہرگز نہ مارے جاتے۔

مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا — نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔

(آل عمران ۳ : ۱۵۶)

یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس دور کی نزاکت سے صرف آپؐ اور آپؐ کے چند قریبی صحابہؓ ہی واقف تھے، جنھیں قرآن حکیم نے دورِ نبویؐ کے "اُولی الامر" کی اصطلاح سے یاد کیا ہے[1]

موقع کی نزاکت کو سمجھنے کے باوجود آپؐ سیاستِ مدینہ کے دفاع کی جانب سے نہ غفلت برت سکتے تھے اور نہ ہی اس میں کسی طرح کی کمی روا رکھی جا سکتی تھی۔ دفاعِ ملّت اور ملّت کے مواطن کا دفاع مسلمانوں پر فرض ہو چکا تھا۔

خُذُوْا حِذْرَكُمْ — اپنا دفاع (اپنا بچاؤ اور اپنی حفاظت) کر لو۔

(النساء ۴ : ۷۱)

آپؐ دفاعِ مدینہ کو کسی صورت مؤخر نہ کر سکتے تھے۔ طریقِ دفاع البتہ آپؐ کی صوابدید پر تھا، مابعد کے ادوار میں مسلمانوں کی اس کوتاہی کے نتیجہ میں عالمِ اسلام

[1] النساء ۴ : ۸۳

Marfat.com

کے رہنما نہ معلوم کتنی نسلوں کو غلامی کی زندگی دے گئے، اس آیۂ کریمہ کو امت مسلمہ نے پہلی چند صدیوں کے بعد مکمل طور پر بھلا دیا تھا۔ بعد کے ادوار اور خصوصاً موجودہ دور کے مسلمان کا یہ بہانہ کہ ملّتِ اسلامیہ کمزور ہے اور اس لیے وہ جہاد کے فرائض سے سبکدوش نہیں ہو سکتی، درست نہیں۔ دورِ نبویؐ دنیوی طاقت کے لحاظ سے کمزور ترین دور تھا، اس دور میں نہ افرادی قوت موجود تھی اور نہ ہی وسائلِ جنگ ایسے تھے کہ دشمن کو مسلمانوں پر حملہ کرتے ہوئے سوچنا پڑتا، مسلمانوں کی اس کمزوری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ۔

(اور اللہ نے بدر میں تمھاری مدد کی تھی جب تم لوگ انتہائی کمزور تھے)

(آل عمران ۳ : ۱۲۳)

اللہ نے صرف بدر اور اُحد کی بے سروسامانی ہی یاد نہیں دلائی بلکہ حضور اقدسؐ کے اتباع میں ہر حال میں میدانِ جنگ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا ہے، خیال رہے کہ اس حکم سے قبل ہی خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم اس منشائے خداوندی کے مطابق عمل کر چکے تھے۔ اس حکم کے الفاظ ہیں:۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (التوبہ ۹ : ۴۱)	تم ہلکے ہو یا بوجھل، میدان جنگ کی طرف کوچ کرو اور اپنے مال اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہی تمھارے حق میں فائدہ مند ہے اگر تم سمجھو تو۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عبداللہ بن ابی کے ساتھ گفتگو، پھر مکی لشکر کی آمد کی خبریں سن کر یہ جانتے ہوئے بار بار سرایا روانہ کرنا کہ یہ تیس مجاہد تین سو کے مقابلے کے لیے جا رہے ہیں اور ان تیس مجاہدوں کے قلب و نظر کی وسعتوں اور بلندیوں

Marfat.com

کو ملاحظہ کیجیے کہ وہ اس تناسب کو جاننے کے باوجود تیر اندازی میں پہل کرتے تھے۔ اس لیے کہ یہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرّسول کی عملی تفسیر تھی اور ان احکام کی جس طرح انھوں نے تعمیل کی تھی وہی صحیح طریقہ ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا۔ صحابہ کرام رضؓ کی اس عملی تفسیر کو جب تک ملتِ اسلامیہ سامنے نہ رکھے گی اس کے اجتماعی مسائل خیر و خوبی سے انجام نہ پا سکیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب مکی لشکر کے مدینہ پہنچنے کی اطلاع ملی، تو آپؐ نے مسجد نبویؐ میں مسلمانوں کا اجتماع بلایا، مسجد نبویؐ ہی آپؐ کا دربارِ عام و خاص تھا، اس مسجد نبویؐ کو ہی مسندِ نبیؐ کا مقام حاصل تھا، عجیب اتفاق ہے کہ جب مسندِ نبیؐ کو مسجدِ نبیؐ سے ہٹا لیا گیا تو وہ مسندِ نبیؐ نہ رہی اور وجہِ نفاقِ امت بن گئی۔ اِنّا لِلّٰہ وِاِنّا الیہ راجعون۔ اللہ کا حکم تھا کہ "معاملات میں ان سے مشورہ کر لو"[1] اور اس مشورہ کے بعد جس فیصلہ پر پہنچو، اس پر سب متفقہ طور پر پورے عزم کے ساتھ عمل کرو۔

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ

(اور جب کسی کام کا عزم کر لو تو پھر اللہ پر بھروسہ کر لو۔)

اس لیے کہ اس پر بھروسہ کرنے سے اللہ تمھاری مدد کرے گا اور جب اللہ تمھاری مدد کرے گا تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ (آل عمران ۳ : ۱۶۰)

اور آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ اللہ کے بھروسے پر اُحد کے میدان کی طرف روانہ ہوئے اس لیے کہ دشمن نے اسی پہاڑ کے قریب اپنا معسکر قائم کیا تھا، آپؐ کا یہ اقدام فنی اور دینی دونوں پہلوؤں سے درست تھا۔

---

[1] آل عمران ۳ : ۱۵۹

Marfat.com

حضور اقدس ؐ نے ہر اہم غزوہ پر روانہ ہونے سے قبل یہ دستور بنا لیا تھا، کہ شہر سے دو یا تین میل دور پہلی رات بسر کرتے۔ پورے لشکر کو اس مقام پر مجتمع کرتے اور وہاں سے دوسری صبح قتال کے میدان کو کوچ فرماتے۔ اس موقع پر بھی ایسا ہی کیا گیا۔ مگر دوسری صبح جب میدانِ قتال (BATTLE FIELD) کی طرف روانہ ہونے لگے تو عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ یہ کہہ کر مدینہ کو لوٹ گیا کہ اس نے شہر کے اندر رہ کر لڑنے کا جو مشورہ دیا تھا وہ نہیں مانا گیا اور وہ لڑائی کے ہنر سے ناواقف لوگوں کے ساتھ مل کر اپنے آدمی مروانا نہیں چاہتا[1]۔ مگر ایک تہائی لشکر کے کم ہونے کے باوجود آپؐ کے پائے ثبات متزلزل نہ ہوئے، اللہ کے احکام اور فلسفۂ جہاد کے تمام نقاط اسی عمل کے متوقع تھے۔ فنِ حرب کے پاس بھی کوئی دوسرا جواب موجود نہ تھا۔ یہ جنگ ایسی نہ تھی کہ اس میں حملہ آور مہلت دیتا، آپؐ کے سامنے دو ہی راستے تھے، یا تو دشمن کے ساتھ مقابلہ کر کے اسے شکست دینا، اور یا پھر پورے لشکر کا تا حدِ شہادت لڑنا اور ختم ہو جانا۔

وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ (النساء ۴ : ۷۴)

اور جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور مارا جائے یا غالب آ جائے۔

اس کے لیے کوئی تیسرا راستہ نہیں یعنی وہ شکست تسلیم کر کے اپنے تمام اعمال کو ضائع نہیں کر سکتا۔ جب دشمن کے ساتھ آمنا سامنا ہو جائے تو پھر دشمن کو پیٹھ نہیں دکھائی جا سکتی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ (الانفال ۸ : ۱۵)

اے ایمان والو! جب میدانِ جنگ میں کفار سے تمہارا مقابلہ ہو تو ان کی طرف پیٹھ مت پھیرنا۔

---

[1] ابن ہشام جلد ۳، صفحہ ۸، واقدی، ج ۱، ص ۲۱۹

Marfat.com

اس لیے کہ اگر تدبیراتی یا تزویراتی وجوہ کے بغیر دشمن کو پیٹھ دکھاؤ گے تو جہنم ٹھکانا پاؤ گے (الانفال ۸ : ۱۶) اس لیے کہ موت کے خوف سے راہِ صدق و وفا کو چھوڑنا کفر ہے آپؐ کا یہ فیصلہ کہ دشمن کے مقابلہ کے لیے کوچ جاری رکھنا ہے، ہر رُخ سے درست تھا اور ان آیاتِ قرآنی نے آپؐ کے فیصلہ کی تائید کی ہے۔ شیخین کے مقام پر واقع شوط کے معسکر کی رات کے وقت حفاظت کے تمام اقدامات فنِ جنگ کے مطابق کیے گئے[۱]۔ دوسری صبح میدانِ قتال BATTLE FIELD کو جانے کے لیے جو خط قربِ دشمن LINE OF APPROACH MARCH آپؐ نے اختیار کیا اسے بلاواسطہ پیش قدمی INDIRECT APPROACH کا شاہکار کہا جا سکتا ہے[۲]۔ آپؐ نے صبح کی نماز اسی مقام پر ادا کی جہاں سے لڑائی کا آغاز کرنے کا ارادہ تھا، یہاں سے دشمن کا معسکر نظر آ رہا تھا[۳]۔

دشمن باجے گاجے اور عورتوں کے گانوں کے ساتھ معسکر سے نکل اسلامی لشکر کی طرف بڑھا، عرب کے دستور کے مطابق لڑائی کا آغاز نامور شمشیر باز مبارزت کے لیے آگے بڑھے۔ عرب کا دستور تھا کہ علم بردار جو سب سے جری اور بہادر تصور ہوتا تھا وہی مبارزت کے لیے دشمن کو للکارتا تھا، اس روز بھی قریشی علمبردار نے اشعار پڑھے تھے۔ جن کا مطلب کچھ یوں تھا کہ عَلم بردار کا حق ہے کہ اس کے ہاتھوں میں تھامی ہوئی علم چوب خون سے تربہ تر ہو۔ ایک ہاتھ میں عَلم، دوسرے میں تلوار، علم چوب نے خون سے تربہ تر تو ہونا تھا۔ عَلم بردار کے پاس ڈھال جو موجود نہ ہوتی تھی، سپہ سالارِ مدینہؐ نے کبھی اپنے علمبردار کو مبارزت کے لیے آگے نہ بڑھنے دیا، عَلمبردار کسی بھی فوج

---

[۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، جلد دوم، صفحہ ۳۱۹

[۲] ایضاً، صفحہ ۳۸۵

[۳] واقدی، جلد اول، صفحہ ۲۱۹

Marfat.com

ہیں کمانڈر نہیں ہوتا۔ کمانڈر کو عَلَم و نقارہ عطا ہوا کرتے تھے مگر معنوی حیثیت میں کمانڈر خود نہ عَلَم اٹھاتا اور نہ نقارے پر خود ضرب لگاتا تھا، علمبردار کا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ کمانڈر کے قریب رہے، حضورؐ نے کبھی اپنے علمبردار کو اپنے قریب سے اِدھر اُدھر نہیں جانے دیا۔ عَلَم ہی تو کمانڈر کی جگہ بتاتا ہے۔ اس روز قریش کے آٹھ علمبردار کھیت رہے تھے اور پھر مکی سپہ سالار نے حملہ کا حکم دے دیا، یہ حملہ اس لیے بھی ناکام ہوتا تھا کہ جگہ تنگ تھی۔

اکثر کتابوں میں اس لڑائی کے مقام کے تعین میں غلطی کی گئی ہے۔ اگر مؤرخ اس بات کو ذہن میں رکھتے ، کہ صف آرائی کا مقام وہ تھا جہاں سے مکی معسکر بھی نظر آرہا تھا اور مدینہ بھی نظر آرہا تھا اور جبل رماۃ (تیر اندازوں والی پہاڑی) عقب کی جانب سے دشمن کے حملے کو روک رہی تھی تو اس جگہ کے تعین میں غلطی نہ ہوتی فنِ جنگ کے نقطہ نظر سے مدینہ کے گردونواح میں میلوں تک ایک چھوٹے لشکر کے لیے تین چار گنا بڑے لشکر اور اس کے رسالے کے حملے کو ناکام بنانے کے لیے اس سے بہتر مقام کوئی نہیں، حضور اقدسؐ کا ترچھا خطِ قربِ دشمن اختیار کرنا تاکہ دشمن کو منزل کا پتہ نہ لگ سکے اور پھر اس کی نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد عین اسی مقام پر دشمن کے سامنے آن کر ایک ایسی جگہ نمودار ہونا جہاں دشمن بیک وقت تین چار سو سے زیادہ آدمی حملے میں استعمال ہی نہ کر سکتا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کے تین ہزار آدمیوں میں سے تین چار سو تو حملے میں شامل تھے باقی ماندہ پچھلی صفوں میں کھڑے ہوئے بیکار ہونے کے علاوہ اگلی صف والوں کو پیچھے سے دھکیل رہے تھے اور وہ سامنے سے اسلامی فوج کے حملوں اور اپنے آدمیوں کی دھکا پیل میں پھنس کر پسے جا رہے تھے، دوسری طرف ان کا رسالہ پے بہ پے حملوں کے باوجود مدنی فوج کے بائیں پہلو سے ہوتا ہوا عقب پر اس لیے حملہ نہ کر سکتا

Marfat.com

تھا کہ یہ پہلو وادیٔ عقیق کے عمودی کناروں نے گھوڑوں کے لیے ناممکن بنا رکھا تھا انھوں نے اسلامی لشکر کے عقب سے حملے کی کوشش کی اور وہاں پچاس تیر اندازوں نے ان کا راستہ روکا ہوا تھا۔ داہنے بائیں اور عقب کے تمام راستے سپہ سالارِ مدینہؐ نے محفوظ کیے ہوئے تھے۔ اسی کو فنِ جنگ کا کمال کہتے ہیں کہ دشمن کو ایسے مقام پر لڑائی کے لیے مجبور کرو جو پہلے سے اس خیال کے پیشِ نظر چُنا گیا ہو کہ دشمن اپنی تمام تر طاقت استعمال کرنے کی قدرت جغرافیائی مجبوریوں کے پیشِ نظر کھو بیٹھے گا۔ اُحد کی لڑائی کا یہ پہلا مرحلہ تھا اور اس میں سربراہ و سپہ سالارِ مدینہؐ نے میدان کے صحیح استعمال کے ذریعہ دشمن کو واقعۃً بے دست و پا بنا دیا تھا۔ اور وہ عجلت میں کیے گئے چند حملوں کے بعد پس نشینی پر مجبور ہو گیا، اب مدنی سپاہ ان کے تعاقب میں محفوظ مقام سے آگے بڑھ کر کھلے میدان میں پہنچ گئی، جہاں اگر پانسہ پلٹ جاتا تو حالات بڑے لشکر کے لیے انتہائی سازگار بن سکتے تھے۔ شاید قدرت نے اسلامی لشکر کو آزمانا تھا، اس لیے کہ تھوڑی ہی دیر بعد اسلامی لشکر کو انتہائی صبر آزما حالات سے دوچار ہونا پڑا۔

دشمن کا تعاقب تو اسلامی لشکر بدر کے مقام پر بھی کر چکا تھا مگر بدر کے میدانِ قتال میں جب قریشِ مکہ آئے تھے تو ان کا معسکر عقنقل کے پہاڑ کے پیچھے تھا اور اس مقام تک تعاقب نہیں کیا گیا تھا۔ اُحد کا میدانِ قتال اور مکی لشکر کے معسکر کے درمیان بمشکل آدھے میل کا فاصلہ، اور بہت جلد مدنی سپاہ وہاں تک پہنچ گئی۔

میدانِ جنگ اور معسکر کا مال غنیمت چند جنگی استعمال کی اشیاء پر مشتمل ہوتا ہے مگر وہ توجہ ہٹانے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ تعاقب کرنے والی فوج اپنی صفیں توڑ چکی تھی اور قیدی پکڑنے کے لیے وہ دو دو اور تین تین کی ٹولیوں میں بکھر چکی تھی، تعاقب کا یہی خاصہ ہے، مؤرخ یہی کہتا ہے کہ مدنی سپاہ کے افراد دو دو اور

Marfat.com

تین تین ہو کر پورے میدان میں پھیل گئے تھے۔

مالِ غنیمت اکٹھا کرتے ہوئے انھیں جبلِ رماۃ پر متعین تیر اندازوں نے دیکھ لیا حالانکہ سرورِ عالمؐ کا انھیں حکم تھا کہ تم لوگوں نے اس مقام کو ہرگز نہیں چھوڑنا۔ دشمن کے رسالے کو تیروں کے ذریعہ ہم سے دور رکھنا اور انھیں ہم پر عقب سے حملہ نہ کرنے دینا، چاہے لڑائی ہمارے حق میں لڑی جا رہی ہو یا ہمارے خلاف؛ میدانِ قتال کے جغرافیائی عوامل سے سپہ سالار کو واقفیت اسی پائے کی ہونی چاہیے، آپؐ نے میدانِ قتال کے جغرافیہ کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی اسے چُنا تھا اور جبل رماۃ کی اہمیت اور اس کی مرکزی حیثیت کا اندازہ لگانے کے بعد ہی اس کے اوپر تیر انداز متعین فرمائے تھے۔ جب تیر انداز وہاں سے اٹھ گئے تو مدنی سپاہ کا بایاں پہلو اور عقب غیر محفوظ ہو گئے، جنگ میں بعض اوقات چھوٹی چھوٹی باتیں فتح کو شکست میں تبدیل کر دیتی ہیں۔ خالد بن ولید پے بہ پے حملوں کے باوجود تیر اندازوں کو جبلِ رماۃ سے نہ ہٹا سکا تھا۔ جب مکی سپاہ بھاگ کھڑی ہوئی تو مکی رسالہ بھی پس نشینی پر مجبور ہو گیا۔ وہ بھی مغرب کی جانب اپنی پیادہ سپاہ کی سمت جا رہے تھے کہ ایک مکی سوار نے مڑ کر جبلِ رماۃ پر نگاہ ڈالی، اس نے دیکھا کہ تیر انداز وہاں نہیں ہیں۔ اس نے خالد کی توجہ اس طرف مبذول کی اور خالد موقع شناس کماندار تھا، اس نے فوراً اپنے گھوڑے کی باگ موڑی اور پورا رسالہ اس کے ساتھ پلٹ کر جبلِ رماۃ پر حملہ آور ہوا جو دس مجاہد ابھی تک وہاں موجود تھے، انھیں روندتے ہوئے رسالہ بائیں کو گھوما اور پھر مغرب کا رخ کرتے ہوئے مدنی سپاہ کے مقرقیادت COMMAND H.Q. کو گھیرے میں لے لیا۔[۲]

---

[۱] ابن اسحاق اج: س، صفحہ ۳۷۳

[۲] تفصیل کے لیے دیکھیں جلد دوم، صفحہ ۳۷۲ تا ۳۸۰۔

Marfat.com

یہ دوسرا مرحلہ ہے۔ اس روز اس سے مشکل تر وقت شاید ہی مدنی سپاہ پر آیا ہو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بدر کی لڑائی نفسیاتی طور پر اہمیت کی حامل ہے۔ واقعاتی نقطۂ نظر سے اُحد کی لڑائی کا دوسرا اور تیسرا مرحلہ تاریخِ جنگ میں منفرد مقام کا حامل ہے، ان مراحل کی تفاصیل تصور میں تو آ سکتی ہیں، قلم کی دسترس اور قلمکار کے الفاظ و بیان کے افق سے بلند تر ہیں۔ سپہ سالار مدینہؐ کے گرد چودہ پندرہ محافظ حلقہ بنائے مغرب کی جانب اپنے لشکر اور مکی معسکر کی سمت بڑھ رہے تھے کہ انھیں مکی رسالے کا جبلِ رماۃ پر حملے کا علم ہوا ہوگا، ان کی سپاہ منتشر حالت میں چند سو گز دور تھی، اور رسالہ جبل رماۃ اور اس پر موجود دس تیر اندازوں سے فارغ ہو کر ان کی طرف حملہ آور ہو رہا تھا، راستے میں ان دو سو سواروں نے چالیس تیر اندازوں کو بھی روند ڈالا اور پھر دو سو سوار تھے اور پندرہ مدنی مقرِ قیادت کے صحابائے کبارؓ اور ان کے درمیان خیر الورا افضل البشر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مگر ان دو سو سواروں کو علم نہ تھا کہ یہ پندرہ عجوبۂ روزگار ہستیاں کس سراجا منیرؐ کے گرد حلقہ بنائے جبلِ اُحد کی تنگ گھاٹی کی طرف آہستہ آہستہ پس نشینی کر رہے ہیں۔ اب مکی سپاہ بھی لوٹ کر آ رہی تھی۔ مدنی سپاہ کے منتشر افراد قیادت کے مقام سے ناواقف ادھر اُدھر انھیں تلاش کر رہے تھے۔ مگر ایک ایک اور دو دو کر کے وہ ان پندرہ جانبازوں کے ساتھ شامل ہو رہے تھے۔ شور و غل تھا، چیخ و پکار تھی، گھوڑے ہنہنا رہے تھے اور سوار نعرے پر نعرہ لگا رہے تھے، ایک جانب سے بتوں کو پکارا جا رہا تھا اور دوسری جانب سے اللہ اکبر کہہ کے وار کیا جا رہا تھا۔ تلوار سے تلوار ٹکرا رہی تھی اور نیزے بالے ہوا میں اُڑ اُڑ کر کبھی ہدف حاصل کرتے اور کبھی پتھروں سے ٹکرا کر خود پاش پاش ہو جاتے، اور پھر جبل اُحد کے جنوبی نیم دائرے والے میدان میں ہادیٔ برحقؐ کی آواز گونجی "یہاں آؤ میری

Marfat.com

طرف، میں ہوں اللہ کا رسول[1]"

اور پھر مدنی سپاہ یکجا ہونا شروع ہوگئی، اب اس لڑائی کا تیسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے، اس کے دوران پس نشینی جاری رہی۔ مکی سپہ سالار نہ سمجھ سکا کہ مدنی سپہ سالار کس مقام کی طرف اپنی سپاہ کو لے جا رہا ہے اور اگر مدنی سپاہ وہاں پہنچ کر صف آرا ہوگئی تو پھر مکی سپاہ کو بعینہٖ صبح والی صورتحال سے دوچار ہونا پڑیگا یعنی حملہ آوروں کی تعداد زیادہ اور محاذ بہت ہی کم۔ جبلِ اُحد کے دونوں پلّے جہاں ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں اس کا درمیانی فاصلہ بہت کم ہے، اس درّے کے اندر مدنی سپاہ پہنچ کر ایک بار پھر صف آرا ہوئی اور کچھ دیر بعد مکی سپاہ نے بلندیوں کو حاصل کرنے کی ناکام کوشش کی۔ حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو بھیج کر انھیں وہاں سے بھگا دیا اور پھر مکی سپاہ کے پاس واپسی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اس لڑائی کے تینوں مرحلوں میں تدبیراتی نقطۂ نگاہ سے مدنی سپہ سالار صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے آفاقی اصولوں کے مطابق عمل کیا، شیخین کے معسکر سے شروع ہوکر جبلِ اُحد کے درمیانی درّے تک کے ہر لمحہ کا جائزہ لینے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ دفاع، حملہ، پس نشینی، اور آخر میں پس نشینی کے بعد ایک بار پھر دفاعی پوزیشن اختیار کرنا اور ہر مرحلے کے دوران جغرافیائی یعنی زمینی مجبوریوں کے عین مطابق اپنے منصوبہ کو ڈھالنا اور دشمن کو ہر مرحلے پر مجبور کرنا کہ وہ آپؐ کی پسند کردہ زمین پر لڑائی لڑے۔

جہاں تک شخصی جرأت و دلیری کا تعلق ہے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ آپؐ دو سو سواروں کے نرغے میں آچکے تھے اور اسلامی سپاہ کو معلوم نہ تھا کہ آپؐ

---

[1] اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے الٰہ العلمین کا ارشاد ہے "وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب تم لوگ دور بھاگے جاتے تھے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو پیچھے کھڑے بُلا رہے تھے" (آلِ عمران ۳، ۱۵۳) ترجمہ مولوی فتح محمد جالندھری ۱۲۔

Marfat.com

کہاں ہیں، اسلامی سپاہ مکی معسکر کے قریب تھی اور ان میں سے کسی کو معلوم نہ تھا کہ آپ کن مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔ جب مکی سپاہ نے پلٹ کر ان بکھرے ہوئے مسلمانوں پر پے بہ پے حملے کرائے تو انھیں معلوم ہوا کہ لڑائی کا نقشہ بدل گیا ہے۔ اس حالت میں ان عاشقانِ رسالت کی کوشش اور مسلسل جستجو قابلِ تعریف ہے کہ انھوں نے بالآخر آپ کو ڈھونڈ لیا حالانکہ ان اولین لمحوں میں آپؐ نے منع کر دیا ہے کہ آپؐ کا مقام بلند آواز سے ظاہر کیا جائے اس وقت آپؐ کے نزدیک صرف مکی رسالہ اور پیادہ سپاہ تھی۔ مگر جب مدنی سپاہ لوٹ کر آپؐ کی جستجو میں پائی گئی تو آپؐ نے بلند آواز سے لوگوں کو اپنی جانب بلایا اور یوں ایک بار پھر مدنی سپاہ کی تنظیمِ نو عمل میں لائی گئی۔ عین لڑائی کے دوران میں جب دشمن اپنی اعدادی برتری کی عطا کردہ جرأت کے بھروسے پر میدانِ قتال پر چھایا ہوا تھا، اس وقت تنظیمِ نو کو حسبِ خواہش مکمل کرنا سپہ سالار کی غیر معمولی قابلیت اور سپاہ کے مثل انضباط کا ثبوت پیش کرتے ہیں، درست ہے کہ آپؐ کے گرد چودہ، پندرہ جانثار حلقہ بنائے نہ معلوم کتنے تیر اور بھالے اپنے جسموں پر لیتے رہے مگر آپؐ خود بھی تو دشمن کے اس سیلابِ سپاہ سے دست بدست لڑائی میں مصروف رہے۔ آپؐ کے دانت شہید ہوئے، چہرے پر زخم آیا بلکہ خود کی کڑیاں چہرے کے اندر دھنس گئیں اور آپؐ ایک بار گڑھے میں بھی گر گئے، اس موقع پر آپؐ کے تلوار کے استعمال کے شواہد بھی ملتے ہیں۔ جب آپؐ واپس مدینہ پہنچے تو اپنی نورِ نظر فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی تلوار دیتے ہوئے فرمایا "اس کا خون دھو دو، اس نے آج اپنا فریضہ پوری طرح ادا کیا ہے"[1]۔ حضرت علیؓ نے بھی اپنی تلوار انھیں دی اور یہی الفاظ کہے کہ "آج اس تلوار نے اپنا فریضہ پوری طرح ادا کیا ہے"۔

سپاہِ مدینہ جس کے افراد احباب کی محفلوں میں محبت و شفقت سے لبریز رہا کرتے تھے

---

[1] ابن اسحاق، ج۔س۔ صفحہ ۳۸۹

Marfat.com

آج صبح سے شام تک صف جنگاہ میں شمع رسالتؐ کے گرد پروانہ وار زندگیٔ جاوید کے متلاشی نظر آتے رہے تھے، دشمن کے گھوڑ سوار اور پیادہ بار بار سیلاب کی طرح ان کے سینوں کی چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہوتے رہے۔ آج اللہ کے آخری نبیؐ کی امت کے مٹھی بھر انسان قیامت کے لیے مثال پیش کر رہے تھے کہ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کے معنی و مفہوم کیا ہیں، شہادت مطلوب و مقصود ہونے کے معانی زبان و بیان سے نہ سمجھے جا سکتے ہیں اور نہ سمجھائے جا سکتے ہیں۔ شہادت کی آرزو میدانِ کارزار میں پوری ہوا کرتی ہے۔ ہر وہ شے جو میدانِ قتال سے متعلق ہوتی ہے اس کو سمجھنے سمجھانے کے لیے مثال پیش کی جاتی ہے، توپ یوں چلتی ہے، بمبار، یُوں غوطہ لگا کر پیغامِ اجل پہنچاتا ہے اور جو شوقِ شہادت سے لبریز ہوتے ہیں، وہی خون کے خواروں کا نظارہ پیش کر کے یہ سمجھا سکتے ہیں کہ شہادت کی طلب کس طرح کی جاتی ہے۔ اور کس طرح موت ان سے آنکھیں چار کرنے سے کتراتی ہے۔ جبلِ اُحد کے دامن میں اس چھوٹے سے قطعۂ زمین کو رشکِ جنت بنانے والوں میں حمزہؓ جیسے جگر گوشۂ عبدالمطلب بھی پروانہ وار چوکھی لڑائی لڑنے کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ آج یہاں شیرِ خدا بھی اپنی تلوار کے جوہر دکھا رہے تھے اور وہ پروانۂ رسولؐ جس نے غارِ ثور سے لے کر شمعِ رسالتؐ سے کبھی میدان جنگ میں ایک گز سے زیادہ دوری قبول نہ کی تھی۔ وہ آج اپنے جسم کو ڈھال بنا کر پیش کر رہا تھا، اغلباً اسی معرکہ کے بعد صحابائے کرامؓ کا فیصلہ تھا کہ سرورِ دو عالمؐ کے بعد ابوبکرؓ سے بڑھ کر کوئی صحابیؓ دلیر نہیں، اس لیے کہ ہر غزوہ میں دشمن کا ہدفِ اوّلین ذاتِ خیر البشرؐ ہوا کرتی تھی اور صدیق اکبرؓ کبھی بھی آپؐ سے ایک گز سے دور نہ رہتے تھے اور یوں ان کی صدیقیتؓ کی تصدیق ہر غزوہ میں اظہر من الشمس رہی۔

اُحد کے مقام پر مکی سپاہ کے سپہ سالار کی نااہلی بھی ثابت ہوئی، وہ کسی مرحلہ پر بھی مدنی سپہ سالارؐ کے ارادوں کو نہ بھانپ سکا، ورنہ جس طرح مدنی مفرِ قیادت، مکی سواروں کے

Marfat.com

گھیرے میں آ چکا تھا اگر وہ اپنے پورے لشکر کو ان کے گرد گھیرا ڈالنے پر مامور کر دیتا تو سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ گھیرا کس طرح توڑا جا سکتا۔ ابو سفیان کو دوسرے اور تیسرے مرحلے میں یہ نہ معلوم ہو سکا کہ آپؐ کہاں ہیں اور آپؐ کا رُخ کس جانب ہے اور کیوں۔ ہے، وہ اس لڑائی کے پہلے مرحلے کے دوران شکست اور پھر مکی سپاہ کی بھگدڑ سے اس قدر اوسان خطا کر چکا تھا کہ اسے آخر تک ہوش نہ تھا کہ اس کی سپاہ کے لیے کونسا اقدام بہترین ہے وہ اسی گھبراہٹ میں مکہ واپس چل پڑا اور اپنے آپ کو اسی لیے فاتح سمجھ بیٹھا کہ بہت سے مسلمانوں کی شہادت کی وجہ سے اس نے بدر کا بدلہ اتار لیا ہے۔

ابو سفیان کو حضورؐ کے مقام کی خبر نہ ہونے سے یہ بات بھی واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ آپؐ کے گرد گھیرا اتنا تنگ اور اس قدر شدید تھا اور آپؐ کے اصحابؓ اس تندہی سے آپؐ کے گرد ڈھال بن کر کھڑے تھے اور آپؐ کے اشاروں کے مطابق پس قدمی کرتے جا رہے تھے کہ چند قدم کے فاصلہ پر کھڑے ہونے والے دشمن کو پتہ نہ چل سکا کہ آپؐ کہاں ہیں اور آپؐ کا رُخ کدھر کا ہے، آپؐ نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں[1] اور خود بھی پہنا ہوا تھا، اس کے باوجود مدنی سپاہ کے افراد نے آپؐ کو پہچان لیا تھا، درست کہ انھیں آپؐ کی جستجو تھی مگر دشمن کے سپہ سالار کو بھی تو آپؐ کی جستجو تھی، آپؐ ہی کو ختم کرنے کا قصد لے کر وہ مکہ سے چلا تھا اور اس نے آخری لمحات میں خاص طور پر پوچھا تھا کہ آپؐ حیات ہیں یا نہیں۔

آپ جس انداز میں پس نشینی فرما رہے تھے اس کا خاص طور پر ذکر کرنا مناسب ہوگا۔ یہ فقیر یقین سے کہہ سکتا ہے کہ اُحد کے میدان میں جس طرح سرور دو عالمؐ دشمن کے

---

[1] ایک زرہ مدینہ سے پہن کر روانہ ہوئے تھے، دوسری زرہ شیخین سے روانگی کے وقت پہنی تھی۔ ابن ہشام۔

Marfat.com

گھیرے کو اپنے گرد لیے ہوئے اپنی عقب نشینی کی حرکت پر منظم طور پر قادر رہے، اس کی مثال اس فقیر کے محدود مطالعہ میں نہیں آئی۔ یہ نامحسوس سی حرکت جو ایسے مقام کی طرف تھی جہاں پہنچ جانے کے بعد آپؐ کے لشکر کے دونوں بازو ایک بار پھر محفوظ ہو جاتے تھے تاکہ دشمن کی اعدادی برتری اور اس کا سوارہ مجبور ہو جائے کہ صرف سامنے سے حملہ کر سکیں، دشمن دو بار تجربہ کر چکا تھا کہ جن کے متعلق الٰہ العالمین نے یہ کہنا ہے کہ وہ بنیان مرصوص کی مثال پیش کیا کرتے ہیں انھیں سینہ سپر حملے FRONTAL ATTACK کے ذریعہ شکست نہیں دی جا سکتی، حضورؐ کی یہ نامحسوس سی حرکت اپنے محافظوں اور ان کو گھیرے میں لینے والے دشمنوں اور پھر ان کے گرد نہ معلوم کتنے حلقوں کو اپنے ساتھ اس طرح حرکت کرنے پر مجبور کر رہی تھی جیسے کوئی خود کار طاقتور مشین اپنے مرکز کو معمولی سی جنبش دے اور پھر اس کے گرد اگرد گرداب کے حلقوں کی طرح قائم نہ معلوم کتنے حلقے رفتار پکڑ لیں، مگر ہر لمحہ تلوار کے وار بھی ہو رہے ہوں اور انھیں ڈھالوں پر لے کر بیکار بھی بنایا جا رہا ہو، نیزے اور بھالے بھی استعمال ہو رہے ہوں تیر اُڑ رہے ہوں، پتھروں کی بوچھاڑ جاری ہو اور یہ حلقہ در حلقہ اور پھر ان کے گرد ایک بار پھر حلقہ در حلقہ یہ حرکت اپنی منزلِ مقصود کی طرف جاری و ساری رہے، یوں کہیئے کہ یہ پورا محاذ چل رہا ہو اور ایک نئے مقام کی طرف رواں ہو مگر اس نئے محاذ کا علم صرف ذاتِ محمدؐ کو تھا جو اس محاذ کو اپنی قوتِ ارادی کے تابع بنا چکے تھے۔ یہ فقیر اس قابل نہیں کہ غزوۂ اُحد کا تجزیہ اس طرح اور اس زبان و بیان کے ذریعہ پیش کرے جو قاری کو حقیقت سے آشنا کر سکے۔ یہ فقیر خود اپنے ذہن کی سطح پر دھندلے سے نقوش تو قائم کر سکا ہے مگر ان نقوش کو صفحہ قرطاس پر لانے کے لیے اس کے قلم نے اس کے ذہن کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔

اس فقیر کی ایک گزارش ہے، یوں تو غزواتِ نبویؐ کا ہر پہلو اتنا دقیق ہے کہ

Marfat.com

امت کے اصحاب بست وکشود کو اس جانب توجہ دینی چاہیئے، البتہ غزوۂ اُحد کا منفرد مقام ہے۔ فنی اعتبار سے اس معرکے کے متعلق جس قدر مطالعاتی مباحث منعقد ہوں کم ہوں گے اور ہر مباحثے میں نئے نئے سبق نمودار ہوں گے۔ اس فقیر نے گزشتہ سال ہی غزوہ اُحد پر اپنی دانست میں جلد دوم ختم کی تھی۔ جب اُحد سے خندق تک کی جلد کو ہاتھ میں لیا تو غزوۂ اُحد سے متعلق مسودہ سامنے نہ تھا مگر یقین تھا کہ اس کا تجزیہ کیے بغیر آگے بڑھنا درست نہ ہوگا۔ اس لیے اُحد کے بعد کے واقعات پر قلم اٹھانے سے قبل غزوۂ اُحد کا تجزیہ کر لینا ضروری محسوس ہوا۔ اُحد ایسی لڑائی تھی کہ اگر کوئی اور سپہ سالار اس طرح کے حالات میں اپنے لشکر کی قیادت کر رہا ہوتا تو اس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے مگر سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اسلام کا فلسفۂ جہاد عملی طور پر سمجھانا تھا اور اس کی مثال پیش کرنا تھی۔ لا الٰہ الا اللہ کہہ دینے کے بعد ہتھیار ڈال دینے کے یہ معنی ہوتے کہ اللہ کے سوا بلکہ نعوذ باللہ اس سے بھی طاقتور وہ انسان ہیں جو لا الٰہ الا اللہ کہنے سے منع کرتے ہیں اور ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیے جاتے ہیں۔

اس بات پر بھی توجہ دینا ضروری ہے کہ سپہ سالارِ سپاہِ اسلامؐ تو فلسفۂ جہاد سے سرشار اور اس کے بانی تھے، آپؐ کی سپاہ کو مکی لشکر نے مکی معسکر سے پیچھے دھکیلنا شروع کیا اور جبلِ اُحد کے درّے تک دھکیلتے چلے آئے، تلواروں سے تلواریں ٹکراتی رہیں، طالبانِ شہادت اپنی اپنی جانب سے شہادتِ وحدۂ خداوندی اور رسالتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیتے رہے مگر مکہ کا تین ہزار کا لشکر مدینہ کے چھ سو سے کچھ اوپر مجاہدوں میں سے کسی ایک کو قیدی نہ بنا سکے۔ زخموں سے چُور، پیاس سے نڈھال، تکان کی انتہا سے مجبور یہ عاشقانِ رسولؐ لڑتے رہے، تلواروں کے وار دیتے رہے اور سہتے رہے۔ مگر کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ ہاتھ کھڑے کر دیں، ہتھیار پھینک دیں اور دشمن کی قید قبول کر کے

Marfat.com

جانِ ناتواں کو بچالیں۔ مگر ان کی جان جانِ ناتواں ہوتی تو اس کو بچانے کا خیال آتا، وہ تو توانا جان تھی، پُر ایمان جان تھی اور حُبِّ رسولؐ اور حُبِّ خدائے بزرگ و برتر سے سرشار جان تھی، وہ قید و بندِ کُفر کیسے قبول کرتے۔

اُحد کی لڑائی میں بہت سے فنی سبق بھی ہیں، اس میں دفاع، جوابی حملہ، دشمن کا تعاقب، احکام کی پابندی، انضباط کی اہمیت، ہر فرد کا کماندار کے منصوبہ سے واقف ہونا، پس نشینی کس انداز میں کی جاتی ہے، دشمن کے دباؤ کے باوجود عقب کی حرکت پر کس طرح قادر رہا جا سکتا ہے اور پس نشینی کے بعد ایک بار پھر دفاع کس طرح کیا جاتا ہے۔ اس لڑائی میں فنِ جنگ کے اکثر پہلو عملی صورت میں پیش کیے گئے ہیں۔ لشکروں کی تعداد کم تھی، مگر یہ فقیر یہاں دورِ جدید کے ایک عسکری مفکّر کا قول دہرانا مناسب سمجھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:-

"تصویر کی خوبی اس کی وسعت میں نہیں بلکہ اس کے کمالِ فن میں دیکھی جاتی ہے"[1]

سپہ سالاروں کے فن کا اندازہ ان کی سپاہ کی تعداد سے نہیں بلکہ ان کے اور ان کی سپاہ کی حسن کارکردگی سے کیا جاتا ہے۔

---

[1] لڈل ہارٹ۔ جنگ کے متعلق خیالات THOUGHTS ABOUT WAR
فیبر اور فیبر لندن ۱۹۴۴ء صفحہ ۲۱۹

Marfat.com

تیسرا باب

****

غزوۂ اُحُد کے بعد کے واقعات

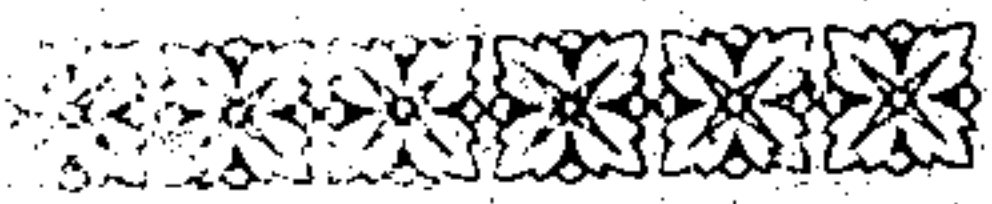

Marfat.com

غزوۂ حمراء الاسد

اُحد کی لڑائی ختم ہونے کے بعد یعنی جب معلوم ہوا کہ قریشِ مکہ میدانِ قتال چھوڑ کر واپس مکہ جا رہے ہیں تو زخمیوں کی دیکھ بھال اور شہداء کی تدفین شروع کی گئی، حضورؐ نے حکم فرمایا کہ شہداء کو میدانِ قتال میں ہی دفن کیا جائے گا اور ان کا کفن ان کے وہ کپڑے ہوں گے، جو انھوں نے شہادت کے وقت پہن رکھے تھے، شہداء کو غسل کے بغیر ہی دفن کیا گیا، وہ خون جو وقتِ شہادت ان کی رگوں سے اُبل کر ان کے جسم اور ان کے لباس کو پُررنگ و پُربہار بنا گیا تھا اس خون کو روزِ محشر سرِ دربارِ عزّوجلّ گواہی کے لیے پیش ہونا ہوگا کہ یہ ہیں وہ تیرے بندے جنھوں نے تیری عطا کردہ رنگین و پُربہار زندگی کو تیرے نام پر قربان کر دیا تھا۔ کچھ لوگ اپنے اقربا کی میّت اٹھا کر مدینہ لے گئے تھے۔ انھیں حکم دیا گیا تھا کہ ان شہداء کو بھی واپس جبلِ اُحد کی آغوش میں لے آئیں۔ وہ جبلِ اُحد جو مسلمانوں کا دوست ہے اور یوں شہدائے اُحد کو تا قیامت اپنے متقبل کے اندر ہی رہنے دیا گیا، زائرین ان کو خراجِ فاتحہ تو پیش کرتے ہیں مگر ان کے اولوالعزم کارناموں کے ساتھ اس شناسائی سے محروم ہوتے ہیں جو اس فقید المثال غزوہ میں شامل ہونے والوں کا حق ہے۔

میدانِ جنگ میں دفن کرنے کا حکم دور رس نگاہ کا فیصلہ ہو سکتا تھا، اسلام نے کرۂ ارضی پر پھیل جانا تھا۔ اس حقیقت کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کون جان سکتا تھا۔ اقوامِ عالم کی اسلام دشمنی کے نتیجہ میں جو جنگیں لڑی جانی تھیں ان کے محلِ وقوع

Marfat.com

پورے کرۂ ارضی پر پھیلنے تھے اور یوں مسلمانوں نے نورِ حق کو عالمِ انسانی تک پہنچانا تھا۔
شہداء کو واپس اپنے آبائی مقام تک نہ لے جانے کی تہ میں یہ سوال بھی تھا کہ اگر اس روز شہداء کو مدینہ لے جانے کی اجازت دے دی جاتی تو ماوراء النہر اور مراکش و ہسپانیہ کی سرزمینوں پر کلمۂ حق کی شہادت دینے والوں کو واپس اپنے اپنے اوطان کیسے پہنچایا جاتا۔ اس طرح شہداء کو میدانِ جنگ میں دفن کرنے کے حکم کے نتیجہ میں یہ احساس پیدا ہونا بھی فطری امر ہے کہ جس سرزمین کے بطن میں ہمارے شہداء آرام فرما ہیں، اس سرزمین کو کسی قیمت پر بھی اغیار کے قبضے میں نہ جانے دیا جائے اور اس نتیجہ پر پہنچنا بھی ممکن ہے کہ مسلمان جوئے ارض کا متمنی نہیں ہوتا۔ اس کی جنگ اللہ کی راہ کی جنگ ہوتی ہے اور وہ بے وجہ فتوحات کا شیدائی نہیں ہوتا، اس لیے اکثر و بیشتر مسلمان اپنے شہداء کے مدفنوں کی حفاظت کے قابل رہا کرتا ہے۔

غزوۂ اُحد کے دوسرے دن علی الصبح ہی حضورؐ نے لام بندی کا اعلان فرما دیا۔ یہ اتوار کا دن تھا اور شوال کی سولہ[16] تاریخ تھی[1]۔ آپؐ نے ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ صرف وہی صحابہؓ آپؐ کے ہمرکاب ہو کر غزوہ میں شمولیت کر سکتے ہیں جنھوں نے غزوۂ اُحد میں شرکت کی تھی۔ اس حکم کی وجہ سے کسی نئے آدمی کو ساتھ شامل نہ کیا گیا، صرف ایک صحابی کے معاملہ میں استثنا سے کام لیا گیا۔ جابر بن عبداللہؓ حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اُحد کے دن ان کے والد نے انھیں اس بنا پر روک دیا تھا کہ والد بزرگوار خود جہاد میں شرکت کرنا چاہتے تھے چونکہ والد کا حق مقدم تھا اس لیے جابرؓ پیچھے رہ گئے تاکہ گھر میں بہنیں اکیلی تھیں اور والد چاہتے تھے کہ وہ ان کی وجہ سے گھر پر ہی رہیں۔ آج وہ پیچھے رہ کر جہاد میں شمولیت کے حق سے محروم رہنا چاہتے تھے۔ آپؐ نے انھیں شریکِ جہاد ہونے کی اجازت

---

[1] ابن اسحاق ص ۳۹۹، واقدی، تحقیق مارسڈن جونز جلد اول مطبع جامع آکسفورڈ ۱۹۶۶ء۔ ص ۳۳۴۔

Marfat.com

مرحمت فرمادی[1]۔

اس لشکر میں شاید ہی کوئی فرد ایسا ہو جسے اُحد میں زخم نہ لگا ہو۔ حاضرین کی کُل تعداد پانچ سو چالیس تھی اور وہ تین ہزار سے کچھ کم کے لشکر کے تعاقب میں روانہ ہوئے تھے۔ ان میں ایسے بھی تھے جنھیں کئی زخم آئے تھے۔ سات زخموں والے حضرت اُسیدؓ ابن حضیر نے مرہم تک نہ لگائی اور "سمعًا وطاعةً لله ورسوله" کہتے ہوئے اسلحہ اٹھایا اور لشکر میں شامل ہو گئے۔ قبیلہ بنی سلمہ کے چالیس زخمی اس لشکر میں موجود تھے بنو عبداللہ الاشہل کے ایک صحابیؓ نے اپنا قصہ سنایا کہ وہ دو بھائی تھے اور دونوں بھائی زخمی، دونوں کے پاس سواری کے لیے صرف ایک اونٹ تھا۔ مگر وہ آج بھی جہاد سے محروم نہ رہنا چاہتے تھے۔ اس لیے باری باری سواری کرتے ہوئے روانہ ہوئے، اس لیے پیچھے رہ گئے، اس پر انھیں ندامت ہوئی کہ معسکر قائم ہو جانے کے بعد پہنچے۔ اگر کہیں لڑائی ان کے پہنچنے سے قبل شروع ہو جاتی تو انھیں عمر بھر صدمہ رہتا۔

حمراء الاسد پہلا پڑاؤ طے پایا۔ یہ مقام مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اہلِ مکہ نے اس مقام سے چند میل آگے مکہ کی جانب پڑاؤ کیا تھا، وہ اپنے اور مدینہ کے درمیان کافی فاصلہ رکھنا چاہتے تھے، حالانکہ ان کے گھوڑے اکثر زخمی تھے، ان کے لشکر کے افراد بھی زخمی تھے اور تھکے ہوئے تھے مگر میدانِ اُحد سے چل کر وہ اتنے فاصلہ پر پڑاؤ کرنا چاہتے تھے، جہاں اگر اہل مدینہ ان کا تعاقب کرنا چاہیں، تو پہلی شب وہاں نہ پہنچ سکیں۔ وہ لڑائی کے بعد پہلی رات سکون اور آرام سے گزارنا چاہتے تھے، سپاہِ مدینہ سے خائف تھے۔ اس لیے مدینہ کے قرب و جوار میں پڑاؤ

---

[1] ابن اسحاق، ج س۔ صفحہ ۳۸۹، واقدی۔ ج۔ س۔ صفحہ ۳۲۶۔

[2] واقدی۔ صفحہ ۳۲۵۔

Marfat.com

کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔

حضور اقدسؐ نے حمراء الاسد پہنچ کر مکی لشکر کے متعلق معلومات حاصل کرنا شروع کیں تاکہ مکی لشکر کے قیام کے مقام کی جغرافیائی معلومات اور ان کے طریق قیامِ معسکر کے صحیح حالات معلوم کر کے آئندہ کی کارروائی پر غور کیا جا سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی آئندہ کے لیے کوئی لائحہ عمل تیار نہ کر پائے تھے کہ الخزائی قبیلہ کے کچھ لوگ وہاں سے گزرے، ان میں معبد بن ابو معبد شامل تھا۔ یہ لوگ ابھی مسلمان تو نہیں ہوئے تھے مگر ان کی اکثریت کے تعلقات اور ہمدردیاں مسلمانوں کے ساتھ تھیں۔ ان لوگوں نے مدنی لشکر کو حمراء الاسد میں معسکر قائم کرتے دیکھا اور وہ مکہ کی جانب جا رہے تھے۔ جب وہ مکی لشکر کے پاس سے گزرے تو ابو سفیان نے ان سے مدینہ کے حالات دریافت کیے۔ معبد نے ابو سفیان سے کہا "میں ابھی ابھی محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کے پاس سے گزر رہا ہوں۔ وہ تمھارے تعاقب میں آتے ہیں۔ میں نے اس قدر غصہ میں کسی فوج کو نہیں دیکھا۔ جب تم نے ان کے ساتھ لڑائی کی تھی تو کچھ لوگ پیچھے رہ گئے تھے، اب وہ بھی ان میں شامل ہو گئے ہیں۔ وہ جو کچھ ہوا اس پر نادم ہیں اور انتہائی غصے میں ہیں[1]"

ابو سفیان نے کہا "مگر ہم تو تیار تھے کہ واپس جا کر ان کا خاتمہ کریں، تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

معبد نے جواب دیا "تمھارا بیڑہ غرق ہو۔ یہ تم (حملہ کرنے کی بات) کیا کہہ رہے ہو۔ تم یہاں سے ہل نہ سکو گے کہ ان کے طلایہ کے گھوڑے تمھارے سروں پر ہوں گے میں نے تو ان کے متعلق چند اشعار بھی کہے ہیں" اور پھر اس نے چند اشعار پڑھے اس کے مطلع کا مضمون کچھ اس طرح کا تھا۔

---

[1] واقدی ج س۔ صفحہ ۳۳۸، ۳۳۹، ابن اسحاق ج س، صفحہ ۳۹۰۔

Marfat.com

"جب گھوڑوں پر سوار فوجیں نمودار ہوئیں تو میرا گھوڑا خوف سے
بدک کر گرنے لگا۔"

ابوسفیان اور اس کے ساتھی دوبارہ مدینہ کی سمت روانگی کا ارادہ رکھتے تھے یا یونہی اپنا غصہ کم کر رہے تھے۔ اب ان کی تیاریاں مدینہ کی سمت چڑھائی کرنے کے بجائے مکہ کی جانب روانگی کی تھیں۔ جب وہ مکہ کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو ابوالقیس قبیلہ کے لوگوں پر مشتمل ایک قافلہ مدینہ جاتے ہوئے ابوسفیان کو ملا۔ دریافت کرنے پر انھوں نے ابوسفیان کو بتایا کہ وہ خوراک خریدنے مدینہ جا رہے تھے، ابوسفیان نے انھیں روک لیا اور کہا:۔

"میرا ایک پیغام محمدؐ تک لے جانا اور اگر تم مجھے عکاذ میں ملو گے
تو میں تمھارے اونٹ زبیب (ایک قسم کا بادام) سے لاد دوں گا۔"

وہ پیغام لے جانے پر رضامند ہو گئے۔ ابوسفیان نے کہا:۔

"ان سے کہنا کہ ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم تمھیں اور تمھارے ساتھیوں
کو ختم کر دیں گے"

یہ فیصلہ تو وہ کئی بار کر چکے تھے۔ یہ فیصلہ تو دارالندوہ میں اس روز بھی ہوا تھا۔ جب حضورؐ کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ یہ فیصلہ اس روز بھی ہوا تھا جب آپؐ کو پکڑ کر لانے یا قتل کرنے کے عوض ایک سو اونٹوں کے انعام کا اعلان کیا گیا تھا اور اسی فیصلہ کے نتیجہ میں بدر الکبریٰ کی تاریخ ساز لڑائی بھی ہوئی تھی اور اسی فیصلہ کے باعث وہ غزوۂ سویق کے وقت مدینہ کے مضافات اور پھر اُحد تک آیا تھا، یہ فیصلہ اس لیے کیا گیا تھا کہ انھیں یقین تھا کہ اگر وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم نہ کر سکے تو ان کا لایا ہوا نظامِ حیات ان کے گرد و پیش پر چھا جائے گا اور پھر ان کا فرسودہ نظامِ حیات مٹ جائے گا اور ساتھ ہی قریش مکہ کا معاشی اور معاشرتی اعلیٰ مقام ختم ہو جائیگا۔

Marfat.com

ابوسفیان اور اس کے ہم خیال لوگوں کی نظریں جزیرۃ العرب سے ماورا نہ جا سکیں ان کے تصورات عرب کی سرحدوں سے ٹکرا کر لوٹ آتے تھے۔ اگر ان کی نظریں جزیرۃ العرب کے افق سے گزر کر کرۂ ارضی کی وسعتوں تک کا تصور کر سکتیں اور اس نظامِ حیات کو وہاں بھی کامیاب دیکھ سکتے، تو شاید وہ اسلام کی مخالفت نہ کرتے مگر یہ کس طرح ہو سکتا تھا، مشیت ایزدی کو تو مسلمانوں کے ایمان کو بدر و اُحد، خندق و خیبر اور موتہ و حنین کے میدانوں میں صرف آزمانا ہی نہیں تھا بلکہ انھیں صداقت و شجاعت میں یکتائے روزگار بنا کر اقوامِ عالم کی امامت کے فرائض ادا کرنے کے قابل بنانا تھا۔

ابوالقیس قبیلہ کے لوگ مدینہ جاتے ہوئے جب حمراء الاسد میں واقع آپؐ کے معسکر کے قریب سے گزرے تو انھوں نے ابوسفیان کا پیغام آپؐ تک پہنچا دیا۔ آپؐ نے پیغام سن کر فرمایا۔ "ہمارے لیے اللہ کافی ہے جو بھروسہ کرنے کے لیے سب سے بہتر ہے"[1]

یہ لشکر جو زخمی ہونے کے باوجود سالارِ لشکرؐ کی ہمرکابی میں دوبارہ دشمن سے آمنا سامنا کرنے کے لیے نکلا تھا، ان کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے لطیف انداز میں فرمایا ہے:۔

"جنھوں نے زخم کھانے کے باوجود اللہ اور رسولؐ کو قبول کیا، یہ وہ لوگ ہیں جو نیک اور پرہیزگار ہیں اور ان کے لیے بڑا ثواب ہے"۔[2]

دو روز بعد حضور اقدسؐ واپس مدینہ تشریف لے گئے۔ مدینہ لوٹنے کے بعد کے جمعہ کے خطبہ کے لیے آپ منبر پر پہنچے تو عبداللہ بن ابی کھڑا ہو گیا اور جیسا کہ پہلے بھی کیا کرتا تھا، آپؐ کی تعریف میں کلمات کہنا شروع کیے، لوگوں نے اسے بولنے سے روک دیا اور

---

[1] آل عمران ۳: ۱۷۱ ۔ [2] آل عمران ۳: ۱۷۲

Marfat.com

مسجد سے باہر نکال دیا۔ اس کی منافقت منظرِ عام پر آچکی تھی مگر رحمۃ للعالمین اب بھی اسے کچھ نہ کہنا چاہتے تھے۔

غزوہ حمراء الاسد کے دوران لڑائی نہیں ہوئی۔ مگر یہ غزوہ کئی لڑائیوں سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں ایمان و ایقان، صبر و استقلال، جذب و شوق اور اطاعتِ امیر جیسی خصوصیات اپنی انتہائی منازل پر جلوہ گر نظر آتی ہیں، حمراء الاسد ایک شکست خوردہ لشکر کا بعد از وقت ردِّ عمل نہ تھا بلکہ یہ ایسے لشکر کا اظہارِ عزم تھا جسے اگر پوری دنیا سے مقابلہ کرنا پڑتا تو بھی ان کے ارادوں میں تزلزل پیدا نہ ہوتا۔ غزوہ حمراء الاسد نے سپاہِ مدینہ کے اس عزم کا یقین صرف قریشِ مکہ کو ہی نہیں دلایا۔ اس نے ان منافقین کو بھی سوچنے پر مجبور کر دیا کہ مسلمان مجاہدوں کے جذبۂ شہادت کے سامنے بڑی سے بڑی طاقت بھی سرنگوں ہونے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

سریۂ قطم

۴ھ کے پہلے روز یعنی یکم محرم کو اطلاع ملی کہ کچھ ڈاکو مدینہ کی چراگاہوں سے اونٹ چُرانے کے لیے جمع ہوئے ہیں ان میں نجد کے دو مشہور ڈاکو طلحہ اور سلمیٰ بھی شامل تھے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ جانوروں کے چُرانے کا سلسلہ ہر قبائلی معاشرہ کا خاصہ رہا ہے۔ جب تمدّن کسی مقام پر رک جائے تو اس کے محاسن کم تر اور عیوب افزوں تر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ عرب کا تمدن جامد خصوصیات کا حامل بن چکا تھا۔ اس طرح کے رسوم پرست معاشرے گناہ و عصیاں اور جرم و انتشار کو معمول کے حادثات کا مقام دیتے ہیں اور لوگ ان کے اس طرح عادی ہو جاتے ہیں جس طرح کسی نشہ آور شے کے استعمال کے نتیجہ میں ہر جرم نا معلوم اور لاتعداد جرائم کو اپنے ساتھ لاتا ہے اور زنجیر کی کڑیوں کی طرح ان کا سلسلہ مدام جاری رہتا ہے۔ مدینہ جیسی عسکری طاقت کے اونٹ چُرانے کا عزم لے کر یہ لوگ آئے تھے۔ ممکن ہے جو زخم مدفی سپاہ نے اُحد کے میدان پر کھائے تھے، ان کی خبر سن کر ان ڈاکوؤں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ اہل مدینہ تو اپنے زخموں کو سہلا رہے ہونگے اس لیے میدان صاف ہوگا اور کئی اونٹ ان کے ہاتھ آئیں گے۔

بعض روایات میں ان ڈاکوؤں کو مختلف قبیلوں کے لوگ بتایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ لوگ مدینہ پر حملہ آور ہونے کے خیال سے جمع ہوئے تھے اور اس کے پیچھے مکہ کا ہاتھ

Marfat.com

تھا۔ مستشرقین اس روایت کو درست تسلیم کرتے ہیں۔ منٹگمری واٹ لکھتا ہے:-

"آئندہ دو سالوں کے دوران محمدؐ کی پالیسی یہ رہی کہ جہاں کہیں اطلاع ملی کہ قبائل مدینہ کے خلاف اجتماع میں مصروف ہیں اور آپ کی عسکری استخبارات کا معیار بہت بلند تھا، تو آپؐ فوراً اس اجتماع کے خلاف مہم روانہ فرماتے تاکہ انھیں تتر بتر کر دیا جائے۔ قطن کے خلاف بھی ایسی ہی مہم تھی جو بنو اسد کے خلاف تھی۔ اس مہم کا قائد ابو سلامہؓ مخزومی تھا۔"[1]

سریہ کی تعداد ڈیڑھ سو مہاجر اور انصار صحابہؓ پر مشتمل تھی۔ سریہ کی تعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ دشمن کا یہ اجتماع محض اونٹوں کو ہانک کر لے جانے کی غرض سے نہ ہوا ہوگا بلکہ باقاعدہ مدینہ پر "ضرب و ضرار" HIT AND RUN قسم کی تدبیرات TACTICS کے ذریعہ مدینہ کو تنگ کرنے کا ایک مستقل طریقہ شروع کیا گیا ہو یہ بات بھی قابلِ تسلیم ہے کہ اس طرح کے چھوٹے چھوٹے حملے جنھیں آج کل کی اصطلاح میں گوریلا چھاپے کہا جاتا ہے، مکہ کے منصوبہ کا حصہ ہوں۔

ابو سلامہ مخزومیؓ اور ان کے ساتھی قطن تک گئے مگر یہ ڈاکو یا حملہ آور پہاڑوں میں چھپ گئے۔ مقابلہ نہ ہو سکا۔ ان کی چراگاہوں سے بہت سے اونٹ قبضہ میں لے لیے گئے اور سریہ واپس مدینہ آ گیا۔

---

[1] منٹگمری واٹ۔ ج۔ س۔ صفحہ ۳۰

Marfat.com

واقعۂ رجیع

صفر ۴ھ میں قبیلہ عضل اور القارہ کے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ وہ مسلمان ہوگئے ہیں۔ مگر ابھی قبیلہ کے بہت سے لوگ ہیں جو اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے ان کی درخواست ہے کہ ایسے اساتذہ روانہ کیے جائیں جو انھیں قرآن پڑھائیں اور قوانینِ قرآن میں تربیت دیں[1] یہ درخواست غیر معمولی نہ تھی، لوگ مدینہ آتے تھے، مسلمانوں سے ملنے جلنے سے انھیں اسلام سے واقفیت ہوتی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ ان کے قبیلہ کے باقی لوگ بھی اسلام سے روشناس ہوں۔ اس وفد کے ساتھ دس آدمی روانہ کیے گئے[2] ان اصحاب کی قیادت حضرت مرثدؓ کو عطا ہوئی۔

یہ صحابہؓ جب حجاز میں رجیع کے مقام پر پہنچے تو ان کے میزبان بغیر کسی وجہ کے تلواریں سونت کر ان پر حملہ آور ہوئے۔ مسلمان تیار نہ تھے۔ ان کو تلواریں نکالنے میں ذرا سی دیر ہوگئی۔ حملہ آوروں نے تین کے سوا سب کو شہید کر دیا اور اب وعدہ کرنے لگے کہ وہ باقیماندہ کو قتل نہیں کرنا چاہتے[3] ان صحابہؓ نے ان کے وعدہ پر بھروسہ کیا اور ہتھیار ڈال

---

[1] ابن اسحاق۔ ح۔س۔ صفحہ ۴۲۶ - ابن اسحاق اس واقعہ کو ۳ھ میں بتاتا ہے مگر یہ درست نہیں۔

[2] ابن اسحاق نے چھ کے نام لکھے ہیں صفحہ ۴۲۶۔ ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ یہ دس آدمی تھے۔ طبری اردو جلد اول جامعہ عثمانیہ ۱۹۳۶ء صفحہ ۲۷۵ [3] جلال الدین، عبدالرحمن ابوبکر السیوطی، خصائص الکبریٰ، جلد اول مصر صفحہ ۵۵۱ ؛

Marfat.com

دیے۔ یہ زیدؓ بن الاثنتہ، خبیبؓ بن عدی اور عبداللہؓ بن طارق تھے۔ بعض روایات کے مطابق ان حملہ آوروں کی تعداد ایک سو تھی[1]

قتل نہ کرنے کے وعدہ کے باوجود ان حملہ آوروں نے ان تینوں کو اپنی کمانوں کے چلّوں کی ڈوریوں سے کس کر باندھا اور مکہ کا راستہ اختیار کیا کہ وہاں جا کر ان کو اہل مکہ کے ہاتھوں بیچ ڈالیں گے۔ راستہ میں عبداللہؓ بن طارق نے تھوڑی دیر کے لیے اپنے آپ کو آزاد کرا لیا مگر وہ جان نہ بچا سکے اور ان شقی القلب لوگوں نے انھیں گھیرے میں لے کر پتھر برسا کر انھیں شہید کر دیا۔

خبیبؓ بن عدی اور زید بن الاثنتہ کو مکہ لے جا کر ان لوگوں کے ہاتھوں فروخت کیا جن کے باپ بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہوئے مارے گئے تھے۔ خبیبؓ کو نوفل نے خریدا تاکہ اپنے باپ عتبہ کی موت کا بدلہ لے، زیدؓ کو صفوان بن امیہ نے خریدا تاکہ اپنے باپ امیہ بن خلف کا بدلہ لے۔ بدلہ لینے کا یہ انوکھا طریقہ تھا اور انتہائی بزدلانہ اور سفاکانہ اور ساتھ ہی غیر عرب بھی۔ یہ لوگ تو کہہ سکتے تھے کہ خبیبؓ اور زیدؓ ان کے زر خرید غلام تھے اور غلاموں پر ظلم ڈھانا اہلِ دولت و ثروت کا وطیرہ چلا آیا ہے مگر جنھوں نے ان کو استاد کے طور پر مہمان بنا کر مدینہ سے ساتھ لیا تھا اور مدینہ میں مسلمانوں کی میزبانی سے لطف اندوز ہوئے تھے ان کا معیارِ صدق و وفا غیر انسانی تھا اور شاید عربوں کی تاریخ میں انوکھا واقعہ کہا جا سکے۔ یہ باتیں عرب کے خوددار اور باغیرت قبائل کے افراد سے سرزد ہوتے ہوئے دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ دینی دشمنی میں نفرت انسان کو کتنا رذیل اور بے اصول بنا دیتی ہے۔ دینی اختلافات کی تہ میں جب ہوسِ اقتدار اور ناکامی و مایوسی شامل ہو جائیں تو پھر عقیدہ و ایمان کی بنیاد بھی متزلزل ہو جاتی ہے

---

[1] طبری اردو، جلد اول، صفحہ ۲۷۵۔

Marfat.com

اسی لیے جب دینی، مذہبی اور سیاسی اختلافات کی تہ میں اقتدار کے حصول میں ناکامی شامل ہو تو اس شدت سے نفرت کے جذبات کارفرما ہوتے ہیں کہ اس نفرت کے نتیجہ میں ڈھائے جانے والے مظالم پر اچھے خاصے متمدن انسان دل میں خجالت محسوس کرتے ہیں مگر اس خفّت کو مٹانے کے لیے ظاہری طور پر فخر کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ عرب قبائل تو شاید اس لیے بخشش کے قابل سمجھ لیے جائیں کہ وہ بے علم تھے، آج کل کے متمدن دور میں دینی، مذہبی اور سیاسی اختلافات کی بنا پر مخالف رائے یا عقیدہ رکھنے والوں کے ساتھ جو نفرت کی جاتی ہے اور اس نفرت کے نتیجہ میں جو مظالم ڈھائے جاتے ہیں اور ان تمام کمزوریوں کے ساتھ ساتھ فخر اور غرور کا جو مظاہرہ کیا جاتا ہے وہ انسان کو اسفل السافلین کی حد تک لے جاتا ہے۔

اہل مکہ ان مسلمان قیدیوں کو حدودِ حرم سے باہر لے گئے، بہت سے لوگ تماشا دیکھنے کے لیے ساتھ گئے۔ جب زیدؓ کو شہید کرنے کے لیے آگے لایا گیا تو ابوسفیان ابن حرب نے اس عاشقِ رسولؐ سے کہا: "میں خدا کا واسطہ دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تم پسند کرو گے کہ اس وقت یہاں تمہارے بجائے محمدؐ ہوتے اور ہم ان کی گردن مارتے اور تم اپنے گھر بیوی بچوں میں ہوتے؟" زیدؓ نے کہا "خدا کی قسم ہے کہ میں ہرگز اس بات کو نہیں چاہتا کہ جہاں وہ ہیں وہاں بھی ان کو کوئی گزند پہنچے اور میں اپنے گھر بیٹھا رہوں۔" اس کا جواب سن کر ابوسفیان کہنے لگا "میں نے آج تک ایسی محبت نہیں دیکھی جو تم لوگوں میں یعنی محمدؐ کے ساتھیوں میں ہے۔"[1] اس کے بعد انھیں شہید کر دیا گیا۔

میور نے ان چھ یا دس مسلمان شہیدوں کو اپنے مغربی انداز میں جاسوسی کے لیے بھیجے گئے دستے کا نام دیا ہے اور کہا ہے کہ بنو ابولحیان کے علاقے میں جب یہ لوگ

---

[1] طبری، ج ر س، صفحہ ۲۷۰۔

پہنچے تو انھیں گھیرے میں لے لیا گیا۔[1] میور نے ان مُبلّغین کو تو جاسوس کہہ کے ان دعوت دینے والوں کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ البتہ جب کعب بن اشرف کو جو مکہ سے واپس آکر اہلِ مکہ کی جانب سے اشعار کو ذریعہ بنا کر مسلمانوں کے خلاف مدینہ کے اندر پراپیگنڈا اور جاسوسی کرتا رہا، اس کے قتل کے واقعہ پر مسلمانوں کے ظالمانہ طریقِ سزا پر جو صفحات پُر کیے ہیں ان صفحات کے متعلق کیا کہا جائے۔ میور نے یہ بھی نہیں سوچا کہ دورِ نبویؐ کی تاریخ کے متعلق مسلمانوں نے اتنی باریکی سے چھان بین کی ہے جو دنیا کی تاریخ کے کسی دور میں نہیں کی گئی۔ جب اسّی سے زائد مہموں کے متعلق صاف صاف وجوہات بیان کی گئی ہیں تو اس واقعہ کے متعلق یہ کیسے ممکن تھا کہ حقیقت بیان نہ کی جاتی۔ سریۂ نخلہ خبریں حاصل کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا اور تاریخ میں اس کی یہی وجہ بتائی گئی ہے۔ اگر واقعۂ رجیع کی تہ میں بھی خبریں حاصل کرنا ہوتا تو یہی وجہ بتائی جاتی۔

---

[1] میور۔ ح۔ س۔ صفحہ ۲۶۸۔

Marfat.com

بئرِ مَعُونہ

صفر ۴ھ میں ابو براء عامر بن مالک بن جعفر مدینہ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحفہ پیش کیا۔ آپؐ نے تحفہ لینے سے انکار کیا اور کہا کہ وہ جب تک اسلام قبول نہ کرے آپؐ اس کا تحفہ قبول نہیں فرمائیں گے۔ حضور اقدسؐ نے اسلام کے ارکان سمجھائے اور اسلام لانے کی دعوت دی۔ اس نے حضورؐ کے سامنے درخواست پیش کی کہ اگر آپؐ اپنے صحابہؓ میں سے چند بزرگوں کو نجد روانہ فرمائیں تو اسے یقین ہے کہ خاطر خواہ نتائج برآمد ہوں گے۔ آپؐ نے خدشہ ظاہر کیا اور فرمایا کہ اہلِ نجد کہیں ان مبلغین کو قتل نہ کر دیں۔ ابو براء نے کہا کہ وہ ان اصحابؓ کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے حضور اقدسؐ نے بنو سعیدہ کے بھائی المنظر بن عمرو کو چالیس چیدہ اصحابؓ کی قیادت میں اس تبلیغی فریضہ پر روانہ فرمایا۔[1]

یہ اصحابؓ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جب وہ بئرِ معونہ پہنچے تو انھوں نے وہاں ٹھہر کر حرام بن ملحان کو عامر بن طفیل کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط روانہ کیا

---

[1] صحیح بخاری کے مطابق یہ تعداد ستر تھی، ابن اسحاق بھی اس روایت کے وجود کو تسلیم کرتا ہے۔ ابن اسحاق۔ مح۔ س۔ صفحہ ۴۳۴۔

Marfat.com

اس نے خط کھولنے سے قبل ہی قاصد کو قتل کر ڈالا اور بنو عامر کو ان مبلغوں کو ختم کرنے کے لیے بلایا، انھوں نے اس کام میں شریک ہونے سے انکار کر دیا اور جواب دیا کہ وہ ابو براء کی دی ہوئی امان کی خلاف ورزی نہیں کریں گے، اب اس نے بنو سُلیم اور چند دوسرے قبیلوں کو اس عہد شکنی میں شمولیت کی دعوت دی۔ وہ اس کے ساتھ شامل ہو گئے اور ان چالیس (یا ستر) مبلّغوں کو گھیرے میں لے لیا۔ دیر تک لڑائی ہوئی، حتیٰ کہ ان کے خیال میں سارے کے سارے شہید ہو گئے تھے۔ درحقیقت کعب بن زیدؓ میں ابھی جان باقی تھی، وہ زندہ رہے اور غزوۂ خندق میں شہید ہوئے۔

مبلغین میں سے دو اصحابؓ عمرو بن امیہ الضمری اور بنو عمرو بن عوف کا ایک انصاری اونٹوں کو چَرانے کے لیے کچھ فاصلے پر گئے ہوئے تھے، انھیں اس لڑائی کی خبر نہ ملی۔ جب انھوں نے کچھ دیر بعد چشمہ کے مقام کے اوپر گدھوں کو اُڑتے دیکھا تو انھیں شک پڑ گیا کہ کوئی سنگین حادثہ ہو گیا ہے، وہ چھپتے چھپاتے موقع پر گئے اور دور سے دیکھا کہ ان کے سب ساتھی خون میں لت پت پڑے ہیں اور ان کے قاتل اپنے گھوڑوں سمیت ان کے قریب ہی کھڑے ہیں۔ عمرو نے تجویز پیش کی کہ واپس مدینہ چلے جائیں اور حضور اقدسؐ کی خدمت میں اس حادثہ کا ذکر کریں، انصاری نے انکار کیا اور کہا کہ میں اس مقام کو چھوڑ کر زندہ و سلامت نہیں جا سکتا، یہاں المنذر کی میت پڑی ہوئی ہے۔ لوگ کہیں گے کہ وہ اپنے قائد کی میّت کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلا آیا۔ یہ کہہ کر اس نے قاتلوں کو للکارا اور لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔

ان قاتلوں نے عمرو کو پکڑ کر قیدی بنا لیا۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ وہ مُضر قبیلہ کا آدمی ہے تو اسے عامر بن الطفیل کے کہنے پر رہا کر دیا گیا۔ عمرو وہاں سے واپس آ رہا تھا، کہ القرقرا کے مقام پر اسے بنو عامر کے دو آدمی مل گئے۔ اس نے ان کے ساتھ سفر جاری رکھا۔ ان آدمیوں کو ابو براء اور عامر بن الطفیل کی دھوکا دہی کا علم نہ تھا، راستہ میں

Marfat.com

جب ایک مقام پر سائے سے لطف اندوز ہونے کے لیے تینوں رُکے تو عمرو اس انتظار میں رہا کہ وہ بے خبر ہو کر سو جائیں اور وہ اپنے ساتھیوں کا بدلہ لے لے۔ جب وہ سو گئے تو وہ اٹھا اور دونوں کو قتل کر دیا۔ واپس آ کر اس نے یہ سارا قصہ حضور اقدسؐ کو سنایا، آپؐ نے فرمایا "اب مجھے ان دو آدمیوں کا خون بہا ادا کرنا ہوگا"!

شہادت کے طلبگاروں کو عجیب و غریب طور پر شہادت نصیب ہوتی ہے، کچھ عرصہ بعد کا ذکر ہے کہ بئر معونہ کے مقام پر جن لوگوں نے مسلمان مبلغین کو قتل کیا تھا ان میں سے بنو جبار کے ایک آدمی نے اپنے مسلمان ہونے کا ذکر کیا اور کہا کہ وہ بئر معونہ کے واقعہ کے دوران ایک شہید کی شہادت کے منظر کے ساتھ جو راز وابستہ تھا اس کی توجیہ سن کر مسلمان ہوا ہے، اس نے کہا کہ جب اس نے ایک مسلمان کو نیزہ مارا اور وہ نیزہ اس کے سینے کے پار ہو گیا تو اس نے پکار کر کہا "واللہ! میں جیت گیا" وہ کہنے لگا کہ اس وقت تو مجھے عجیب سا لگا مگر بعد میں میں نے لوگوں سے پوچھا کہ اس نے اپنی موت کے یقینی ہونے کے وقت اپنی جیت کا اظہار کیوں کیا تھا۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ مسلمان شہید ہونے کو اپنی سب سے بڑی کامرانی سمجھتے ہیں اور ہر ایک کی آرزو ہوتی ہے کہ انھیں شہادت کی موت نصیب ہو۔ یعنی موت جو بات یقینی ہے اور اس نے ایک نہ ایک دن واقع ہونا ہے تو پھر وہ بہترین درجات کی حامل کیوں نہ ہو، لوگوں نے مجھے کہا کہ اس کی شہادت کی جو آرزو تھی وہ تم نے پوری کر دی، اس لیے دراصل جیت تو اسی کی ہوئی اور تم نے نیزہ مار کر اسے شہادت سے سرفراز ہونے کا موقع دیا[1]

جبار کا کہنا ہے کہ اس طرح کے شہادت کے متوالوں میں شامل ہونا میں نے باعثِ عزت سمجھا اور مسلمان ہو گیا۔

---

[1] ابن اسحاق۔ ح۔ س۔ صفحہ ۴۳۵۔

Marfat.com

سریۂ بنو عامر

بئر معونہ کا واقعہ عرب روایات کے خلاف تھا۔ ممکن ہے کہ اس کے تحت قریش مکہ کا پراپیگنڈا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہودیوں نے بنو عامر کو غلط راستہ پر ڈال دیا ہو۔ کتب تاریخ اس واقعہ کی بنیاد پر روشنی نہیں ڈالتیں، البتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنو عامر نے بہت جلد اپنی غلطی کا احساس کر لیا۔ اور دو آدمیوں کا وفد مدینہ روانہ کیا اور معافی کے خواستگار ہوئے۔ حضور اقدس رحمتِ مجسم تھے۔ رحمۃً للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم معافی کے خواستگاروں کو کس طرح ناکام و نامراد واپس جانے کے لیے کہہ سکتے تھے۔ آپؐ کے لیے اور امت مسلمہ کے لیے قیامت تک کے لیے حکم آ چکا تھا کہ حملہ آور ظالم کے ساتھ لڑائی فتنہ کے ختم ہونے تک رکھی جا سکتی ہے۔ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ (البقرہ ۲ : ۱۹۳) اور جب دشمن معافی کی درخواست کرتا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ فتنہ ختم کرنے کا اعلان کر رہا ہے، مسلمان اب جنگ جاری نہیں رکھ سکتا۔ علاوہ بریں اللہ کا حکم ہے کہ جب دشمن صلح کی طرف جھک جائے تو تم بھی صلح کی طرف جھک جاؤ۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَہَا (الانفال ۸ : ۶۱)[1]

---

[1] یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آیا آپؐ نے اس آیۂ کریمہ کے مطابق اس کے نزول کے بعد عمل فرمایا تھا یا آپؐ کے عمل کی تائید میں یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی ہے (مصنف)

Marfat.com

بنو عامر ظلم کے مرتکب ہو چکے تھے مگر وہ صلح کے خواہش مند تھے۔ اسلام کا مطمحِ نگاہ صلح اور امن ہے، اسلام اپنے بدترین دشمن کے مظالم اور اس کے ماقبل کے قتال کو معاف کرنے کا حکم دیتا ہے، اس لیے مسلمان ریاست کو اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ اگر مسلمان ریاست باہمی جھگڑوں کے دوران قرآن کے اس حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو نگاہ میں رکھیں تو اسلامی ممالک کے مابین کی جنگیں طول نہ پکڑیں، اسلامی ریاستوں کے سربراہ جو صلح کے پیغامات کو رد کر کے جنگ جاری رکھنے پر مُصر رہتے ہیں وہ قرآن حکیم اور سیرتِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم سے روگردانی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جنگ صفین کے دوران حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ نے اسی حکم کے تحت صلح کر لی تھی، خوارج چونکہ حضرت علیؓ کو دوبارہ جنگ جاری رکھنے کا مشورہ دے رہے تھے اور یہ احکام قرآنی اور سیرت کے خلاف تھا اس لیے حضرت علیؓ نے ان کا مشورہ نہ مانا اور انھیں خارج از اسلام قرار دیا۔ عالمِ اسلام کو مسلمان کے مابین اختلافات اور جنگوں کو ختم کرنے کے لیے ایک مضبوط تنظیم وجود میں لانی چاہیئے تاکہ لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کے خون ناحق کی نوبت نہ آئے۔

بئرِ معونہ کے واقعہ میں امرو ابن اسیہ الضمری قتل کیے جانے سے بچ گئے تھے وہ اس وقت معسکر سے باہر تھے۔ جب بنو عامر کے وفد کے افراد جو معافی لے کر آئے تھے واپس جا رہے تھے تو امرو الضمری ایک کونے پر یکجا ہو گئے۔ امروؓ نے انھیں پہچان لیا مگر وہ اسے نہ جانتے تھے چونکہ امرو کو بنو عامر کی معافی کا علم نہ تھا، انھوں نے موقع پا کر ان دونوں کو قتل کر دیا۔ جیسا کہ ذکر آچکا ہے۔ واپس مدینہ جا کر انھوں نے یہ قصہ حضور اقدسؐ کو سنا دیا۔ حضور اقدسؐ چونکہ معافی کا اعلان کر چکے تھے اس لیے ان دو افراد کے قتل کے عوض خونبہا لازم آتا تھا۔ آپؐ نے دو آدمیوں کا خونبہا قبیلہ بنو عامر کو روانہ کر دیا۔[1] ان دو افراد کے قتل کو سریہ بنو عامر کا نام دیا گیا ہے۔

---

[1] شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۳۵۹۔ ابن اسحاق۔ ح یس۔ صفحہ ۴۳۷۔

Marfat.com

غزوۂ بنو نضیر اور بنو نضیر کی جلاوطنی

بئر معونہ کے حادثہ کا ایک شاخسانہ یہ بھی رونما ہوا کہ عمرو نے قبیلہ بنو عامر کے جو دو آدمی قتل کیے تھے وہ بئر معونہ کے واقعہ میں شامل نہ تھے اور جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے حضور اقدس ؐ سے امان حاصل کر چکے تھے[1] اس لیے ان دو آدمیوں کے قتل کا خونبہا مدینہ پر لازم آتا تھا۔ میثاقِ مدینہ کی رو سے اور خصوصاً اس کی شق ۴۳ کی رو سے یہودیوں پر لازم آتا تھا کہ وہ اس طرح کے اخراجات کا حصہ ادا کریں۔ اس کے الفاظ نہایت واضح ہیں:۔

"یہودیوں کو مسلمانوں کے ساتھ مل کر اخراجات ادا کرنے ہونگے"۔

اشقاق ۲۹، اور ۳۷ خالصتاً جنگ کے اخراجات سے متعلق تھیں۔ یہ شق متفرق اخراجات کو پیش نظر رکھ کر شامل کی گئی تھی۔ حضور اقدس ؐ کی دُور رس نگاہ ہی دیکھ سکتی تھی کہ کس طرح اور کونسی نوعیت کے اخراجات اس طویل جنگی کشمکش کے دوران ادا کرنے ہونگے شق ۲۹ میں جنگ کی تیاری، اسلحہ کی فراہمی اور دوسرے ان اخراجات کا ذکر ہے جو واضح

---

[1] طبری نے لکھا ہے "ان دونوں کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پروانۂ راہداری اور پیمانِ حفاظت موجود تھا عمرو بن امیہ کو اس کی خبر نہ تھی"، طبری۔ جلد اول، صفحہ ۲۸۳

Marfat.com

طور پر جنگ سے قبل یا جنگ کے دوران کیے جاتے ہیں۔ ۳۷ میں ان اخراجات کا ذکر ہے جو کوئی ریاست یا اس کے حلیف اپنے اپنے فوجی دستوں پر خرچ کیا کرتے ہیں۔ شق ۴۳ میں ریاست و حکومت کے متفرق اخراجات کا ذکر ہے اور ان میں دفاع، امورِ خارجہ، بلکہ اندرونِ مملکت کے اخراجات بھی شامل کیے جا سکتے ہیں۔

حضور اقدسؐ بنو نضیر کی طرف گئے اور انھیں یاد دلایا کہ میثاقِ مدینہ کے مطابق انھیں خونبہا کی رقم کی ادائیگی کا حصہ ادا کرنا ہے۔ انھوں نے یہ تو نہ کہا کہ وہ خونبہا کی ادائیگی میں شرکت نہ کریں گے البتہ حضورؐ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنانے میں مصروف ہو گئے، آپؐ ان کے قلعہ کی دیوار کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے، یہودیوں نے ایک آدمی کو بھیجا کہ قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر آپؐ کے اوپر ایک بڑی سی چٹان پھینکے۔ سلام بن مشکم نے ان یہودیوں کو منع بھی کیا کہ "اگر ایسا کرو گے تو جنگ ہو جائے گی"[۱] انھوں نے اس کا مشورہ نہ مانا اور منصوبے پر عمل جاری رکھا۔ آپؐ کو ان کی اس دھوکہ بازی کا کسی طرح علم ہو گیا اور آپؐ وہاں سے اٹھ کر چلے آئے، آپؐ نے آتے ہی لام بندی کا حکم دے دیا اور ان کے قلعے کا محاصرہ کر لیا گیا۔

یہ واقعہ ربیع الاول ۴ھ کا ہے۔ الرجیع اور بئر معونہ کے واقعات ابھی لوگوں کے ذہنوں میں تازہ تھے۔ ان واقعات کو مکی مدنی جنگ سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی منافقین کی شرارتوں اور حرکتوں کو اس جنگ سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے یہ سب اس جنگ کی کڑیاں ہیں۔ سپورتاز، پراپیگنڈا، دھوکہ بازی، اندرونِ ملک بغاوتوں کا جال پھیلانا۔ یہ تمام باتیں دشمن کی طاقت کو کمزور کرنے کے لیے کی جاتی ہیں۔ قریشِ مکہ اور یہودی ان باتوں میں دورِ حاضر کے یورپی جنگ آزماؤں سے کسی طرح کم نہ تھے۔ یہ

---

[۱] طبری۔ جلد اول۔ ح یس۔ صفحہ ۲۸۷۔

Marfat.com

یہ جنگ حقیقی معنوں میں موت اور حیات کی جنگ تھی۔ غزوہ حمراء الاسد کے وقت جو پیغام ابوسفیان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بھیجا تھا کہ قریشِ مکہ آپؐ کو ختم کر کے ہی چین لیں گے محض زبانی کلامی ڈرانے دھمکانے کے لیے نہیں کہا گیا تھا بلکہ یہ ان کا مقصدِ عظیم تھا۔ اور یہ چھوٹے چھوٹے واقعات جو بڑی لڑائیوں کے درمیانی عرصہ میں وقوع پذیر ہوئے تھے وہ ان کے اسی مصمم ارادے کے عملی مظاہرہ کی کڑیاں تھیں۔

ان واقعات اور غزوہ اُحد کے درمیان بمشکل چند ماہ گزرے تھے۔ عبداللہ بن ابی نے غزوۂ اُحد کی صبح جو کردار ادا کیا تھا اس کی یاد ابھی ہر مسلمان کے دل میں تازہ تھی وہ خود بھی جانتا تھا کہ لوگوں کو اس سے نفرت ہے مگر اس کے منافقانہ عزائم بدستور قائم تھے۔ اس کے اکسانے والے یہودی موجود تھے اور یہودیوں کو اکسانے کے لیے وہ اور اس کے ساتھی موجود تھے۔ جب مسلمانوں نے بنو نضیر کے قلعہ کا محاصرہ کیا تو عبداللہ بن ابی نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ مضبوط رہیں، ان کی امداد ضرور کی جائے گی۔ اس نے انھیں اس بات کی بھی تسلی دی کہ یہودیوں کا قبیلہ بنو قریظہ بھی ان کی مدد کو نکلے گا۔ یوں ماہرینِ فنِ حرب کے مطابق ان کے قلعہ کا شمار مضبوط قلعوں میں ہوتا تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ ان کے قلعے کو تسخیر کرنا مشکل ہے، اب انھیں عبداللہ بن ابی اور بنو قریظہ کی جانب امداد کی امید بھی دلائی جا رہی ہے۔ قلعہ میں محصور فوجوں کی امداد کا طریقہ یہ ہے کہ محاصرہ کرنے والی فوج پر بیرونی جانب سے حملہ کر کے ان کے محاصرے کو توڑا جائے، اور جب محصور اور امداد کرنے والی فوجوں کا الحاق ہو جائے تو دونوں مل کر محاصرہ کرنے والوں کے خلاف صف آرا لڑائی کر کے انھیں شکست دیں۔ محاصرے کو توڑنے کی ہمت نہ تو بنو نضیر میں تھی، نہ ان کے دوست عبداللہ بن ابی میں اور بنو قریظہ نے تو اس معاملہ میں دخل ہی نہیں دیا تھا۔ خفیہ پیغامات کی کوئی شہادت موجود نہیں، صرف عبداللہ بن ابی کا بنو نضیر کی طرف جو پیغام تھا اس میں یہ شامل تھا کہ بنو قریظہ بھی ان کی مدد کو

Marfat.com

آئیں گے۔ اس سے زیادہ کوئی شہادت موجود نہیں۔ قریشِ مکہ کی جانب سے بغاوت پر آمادہ کرنا تو تصور میں آسکتا ہے، ان کی طرف سے امداد بھیجنے یا امداد طلب کرنے کی شہادت موجود نہیں۔ اہلِ خیبر کی جانب سے بغاوت پر اکسانے کی کوشش کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ خیبر کے اس دور کے سرداروں میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو بنو قینقاع کے مدینہ بدری کے وقت مدینہ سے گئے تھے اور وہاں جا کر خیبر کے سرداروں میں شامل ہو گئے تھے۔ ان کی جانب سے مدینہ کے تمام یہودیوں کو بغاوت پر اکسانے کے متعلق یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے کسی طرح کی کمی نہ کی ہوگی۔ اہلِ خیبر کی جانب سے اس موقع پر مدد کے لیے آنے کا کہیں ذکر نہیں۔ بنو نضیر کے قلعہ بند ہونے کے متعلق قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ "ان کی غلطی یہ تھی کہ انھوں نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تھی[۱]" اور پھر ارشاد فرمایا کہ "تم نے ان منافقوں کو نہیں دیکھا جو اپنے اہلِ کتاب بھائیوں سے کہتے تھے کہ اگر تم جلا وطن کیے گئے تو ہم بھی تمھارے ساتھ نکل چلیں گے....[۲]" انھوں نے ان کے ساتھ مل کر نہ جنگ کی اور نہ جلا وطنی میں ان کا ساتھ دیا۔

بنو نضیر کے ساتھ خیبر کے یہودیوں کے نامہ و پیام کے وجود کے متعلق اس لیے بھی وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ جب یہ لوگ مدینہ سے چلے گئے تو ان کے سردار سب کے سب خیبر جا کر آباد ہو گئے۔ یہودی لوگوں کے بہکانے پر بغاوت پر آمادہ تو ہو جاتے تھے مگر ان کے دلوں میں مسلمانوں کی ہیبت اس قدر چھائی ہوئی تھی کہ ان کے مقابلے پر میدان میں آنے کے لیے ہمت نہ کرتے تھے۔ بنو قینقاع کی طرح بنو نضیر نے بھی بالآخر اپنے قلعہ کے دروازے کھول دیے اور اپنے مال و اسباب سمیت مدینہ سے چلے جانے کی اجازت کو احسانِ عظیم ظاہر کرتے ہوئے چلے گئے۔ یہ محاصرہ پندرہ روز رہا تھا[۳] انھوں نے دروازہ کھولتے

---

[۱] الحشر ۵۹ : ۳ - ۴ [۲] الحشر ۵۹ : ۱۱

[۳] واقدی۔ ج یس۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۷۴

Marfat.com

سے قبل کسی شرط کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ عبداللہ بن ابی کے بنو نضیر پرانے حلیف تھے اس نے سفارش کی کہ بنو قینقاع کی طرح انھیں بھی جان و مال کے ساتھ مدینہ چھوڑنے کی اجازت دے دی جائے۔ یہ سفارش قبول کر لی گئی اور وہ گھروں کے دروازوں اور کھڑکیوں تک اکھاڑ کر ساتھ لے گئے۔ ان کی روانگی بھی جلوس کی صورت میں باجے گاجے اور چنگ و رباب کی ساتھ تھی[1] اہل مدینہ کے مطابق انھوں نے ایسا پُر رنگ جلوس پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ ان کے پاس اسلحہ بھی کافی تعداد میں تھا۔ وہ جو اسلحہ چھوڑ گئے اس میں پچاس زرہیں، پچاس خود، تین سو تلواریں تھیں[2]۔ دراصل اللہ نے ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا تھا۔

"وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَ أَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ" (الحشر ۵۹ : ۲)

ان میں سے کچھ لوگ شام چلے گئے مگر اکثریت خیبر میں جا کر آباد ہوئی۔ دونوں جگہوں پر انھوں نے مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں جاری کر دیں۔ انھوں نے ہی بازنطینی حکومت کو مدینہ کی بڑھتی ہوئی طاقت اور اتحاد جزیرۃ العرب کے امکان سے خوفزدہ کیا۔ اسی قبیلہ کے سردار غزوۂ خندق کے لیے سارے عرب سے افواج اکٹھی کر کے لے آئے[3] اور اغلباً یہی لوگ غزوۂ خیبر کا باعث بنے۔

---

[1] شبلی نعمانی۔ جلد اول۔ ح یس۔ صفحہ ۳۷۸ ؛

[2] ایضاً ۔ صفحہ ۳۷۹ ؛

[3] حیی بن اخطب النضیری نے بنو قریظہ کے یہودی قبیلہ کے سردار سے کہا تھا "میں پورے عرب کو تمھارے لیے جمع کر کے لے آیا ہوں" ابن اسحاق۔ صفحہ ۴۵۳ ؛

Marfat.com

غزوۂ ذاتِ الرّقاع

غزوہ بنو النضیر کے بعد آپ کچھ روز تک مدینہ میں ٹھہرے رہے، بیرونِ مدینہ سے کسی قسم کی معاندانہ کارروائی کی اطلاع بھی نہ ملی۔ اور یوں بھی ریاست کے داخلی مسائل کی جانب توجہ دینے کی ضرورت تھی۔ بنو نضیر کی بغاوت ریاست کا اندرونی معاملہ تھا۔ اور مدینے جیسا سکون پرور "حرم" اس طرح کے واقعات کو قبولیت کا مقام نہ دے سکتا تھا۔ بئرِ معونہ اور الرّجیع کے واقعات کی تہ میں قریشِ مکہ کا ہاتھ تصور میں تو آسکتا تھا، مگر ان کے اس طرح کے پراپیگنڈا کے خلاف براہِ راست کوئی کارروائی ممکن نہ تھی۔ تبلیغِ دین یوں بھی اولین فریضہ تھا۔ اس طرح کے واقعات کا سدِّ باب بھی تبلیغِ دین کے ذریعہ ہی ہوسکتا تھا۔ تبلیغِ دین کے لیے جس امن اور سکون اور جن باہمی روابط کی ضرورت ہوا کرتی ہے، ان کے راستہ میں قریشِ مکّہ کی پھیلائی ہوئی نفرت حائل ہو رہی تھی۔ جس طرح کی بدعہدی کا مظاہرہ ان دو واقعات میں کیا گیا تھا اس کو دیکھتے ہوئے تبلیغِ دین کے لیے چیدہ چیدہ اور دل کی گہرائیوں سے اسلام پر فدا ہونے والوں کو نئے خطرات کا سامنا کرنے پر مامور کرنے کا مسئلہ نظرِ ثانی کے قابل تھا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس دور میں قریشِ مکّہ اور ان کے حلیف قبائل اور خیبر کے یہودیوں کی سفارتی تدابیر اور مصروفیتیں زوروں پر تھیں اور ان کے منصوبہ کے مطابق انھیں کامیابی بھی

Marfat.com

حاصل ہو رہی تھی۔

ربیع الآخر ۴ھ کے دوران حضور اقدسؐ کو اطلاع ملی کہ نجد کے بہت بڑے قبیلے بنو غطفان کے دو چھوٹے قبیلے بنو محارب اور بنو ثعلبہ مدینہ پر حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں آپؐ نے جمادی الاولیٰ کے شروع میں چار سو کے قریب مہاجر اور انصار صحابہ کو ساتھ لیا۔ اور ان دونوں قبائل کی چراگاہوں کا رُخ اختیار کیا۔ یہ دونوں قبیلے پہلے ہی تکلیف کا باعث بنتے رہتے تھے۔ مگر جب بھی ان کے خلاف مہم روانہ کی گئی وہ آمنا سامنا ہونے سے قبل ہی اپنی دشوار گزار پہاڑیوں میں منتشر ہو جایا کرتے تھے۔ اور اس وجہ سے مقابلہ کی نوبت کبھی نہ آئی تھی۔ بنو غطفان بہت بڑا قبیلہ تھا اور وسیع علاقہ پر پھیلا ہوا تھا۔ ان کے علاقہ میں مہم کے دوران ہمیشہ یہ خطرہ رہتا تھا کہ ان کو بھیجا جانے والا لشکر خود ہی کہیں گھیرے میں نہ آ جائے۔ حتیٰ کہ نماز کے ادا کرنے کے دوران بھی اندیشہ رہتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو، کہ دشمن گھات میں ہو، اور یکبارگی حملہ آور ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے درج ذیل حکم کے اندر ایسے ہی مواقع کے متعلق مسلمانوں کو چوکنا رہنے کے لیے تاکید فرمائی ہے۔

"وَدَّ الَّذِینَ کَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِکُمْ وَأَمْتِعَتِکُمْ فَیَمِیلُونَ عَلَیْکُمْ مَیْلَةً وَاحِدَةً" (کافر اس گھات میں ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان کی طرف سے غافل ہو جاؤ اور وہ تم کو ایک ہی حملہ سے ختم کر دیں)۔ (النساء ۴ : ۱۰۲)[1]

صلوٰۃِ خوف کا حکم اسی غزوہ کے دوران نازل ہوا تھا۔[2]

---

[1] اس قیامت تک رہنے والے حکم پر عمل نہ کرنے کی پاداش میں امتِ مسلمہ نہ معلوم کتنے یکبارگی حملوں کا شکار ہو چکی ہے۔ چند سال ہوئے ایک مسلمان ملک کا ایٹمی مرکز چند لمحوں کے اندر نابود کر دیا گیا تھا۔ اس لیے کہ وہ اس کے دفاع سے غافل رہے تھے۔ [2] ابن قیم الجوزیہ، زاد المعاد، جلد دوم مطبع المصریہ صفحہ ۱۱۰ - ابن اسحاق - ج ۳ ص، صفحہ ۴۴۵ - ابن ہشام - ج ۳، ص ۲۱۷۔

Marfat.com

یہ چھوٹا سا اسلامی لشکر کس طرح لاتعداد دشمنوں کے درمیان اپنی کارروائی انجام دے رہا تھا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ کے دوران ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے اور آپؐ کی تلوار آپؐ کے زانو پر رکھی تھی۔ بنو محارب کا ایک شخص آیا اور آپؐ کے سامنے آکر کھڑا ہوا اور تلوار دیکھنے کی خواہش ظاہر کی آپؐ نے تلوار اسے پکڑا دی۔ اب اس نے تلوار سونت لی اور چونکہ آپؐ بلے نہیں تھے، کہنے لگا: "اے محمدؐ! کیا مجھ سے ڈرتے نہیں ہو؟"

آپؐ نے فرمایا: "نہیں۔ مگر میں تم سے کیوں ڈروں؟"

وہ شخص بولا "دیکھتے نہیں ہو، میرے ہاتھ میں تلوار ہے؟"

حضورؐ نے فرمایا "نہیں، اللہ مجھے تم سے محفوظ رکھے گا۔"

اس کے دل میں اللہ کا خوف جاگزین ہوگیا اور اس نے تلوار حضورؐ کو لوٹا دی۔

اس مہم میں آپؐ کے ساتھ ایک صحابیؓ تھا جس نے باتوں کے دوران حضورؐ کو بتایا کہ اس نے حال ہی میں شادی کی ہے۔ دریافت کرنے پر اس نے مزید بتایا کہ یہ شادی اس نے ایک مُعمّر عورت سے کی ہے۔ اس لیے کہ اس کے والد غزوۂ اُحد میں شہید ہوگئے تھے اور اس کی سات بہنیں ہیں جن کی نگہداشت اس کی ذمہ داری ہے۔ اگر وہ کم عمر بیوی لاتا تو بہنوں کی نگہداشت ممکن نہ تھی اس لیے اس نے بڑی عمر کی عورت سے شادی کی ہے آپؐ نے اس کے اس فیصلے کو سراہا، پھر باتوں باتوں میں اس سے اس کا اونٹ خریدا، اور اس کے عوض ایک اونس سونا اسے مرحمت فرمایا، بلکہ قیمت ادا کرتے وقت حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ کچھ زائد ہی دینا۔ جب اسے قیمت ادا کردی گئی تو اونٹ بھی اس کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا "اب یہ اونٹ بھی تمہارا ہوگیا۔" وہ صحابی کہتا ہے کہ "یہ اونٹ عرصہ تک میرے قبضہ میں رہا"[۱]

---

[۱] ابن ہشام۔ ح بن جلد ۳ صفحہ ۲۱۸۔ واقدی۔ ح بس جلد اول صفحہ ۴۰۰۔ ابن اسحاق۔ ح بس صفحہ ۴۴۶

Marfat.com

یہ واقعہ ان لاتعداد مسائل کو سامنے لاتا ہے جو اس طویل جنگ کے نتیجہ میں ریاست مدینہ اس کی حکومت اور اس کے عوام کو درپیش ہو رہے تھے۔ نت نئے حملوں کے سدِباب کے لیے افراد کی تیاری، ان کے کمان افسروں کی تربیت، لام بندی کے مسائل کا سُلجھانا، شہداء کے خاندانوں کی بحالی کے مسائل، اور نہ معلوم کون کون سی پیچیدگیوں کو سُلجھانا، خیال رہے کہ یہ ریاست نئی تھی۔ اس کے اُولی الامر[1] اور اہل الرائے گنتی کے افراد تھے۔ مسلسل جنگ کا بوجھ معاشرہ برداشت کر رہا تھا، سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کلّی جنگ TOTAL WAR جیسے ملّی جنگ NATIONAL WAR کا مقام حاصل تھا اس کو طویل عرصہ کے لیے برداشت کرنے کے لیے جو معاشرہ خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم وجود میں لائے تھے اس کی کون کون خصوصیات تھیں، جن کے نتیجہ میں اس معاشرہ نے یہ بوجھ برداشت کیا اور رول و جان سے برداشت کیا۔ آج اس امت کو ایک بار پھر اس معاشرے کے خدّوخال اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے مگر اس سے قبل اس امت کے دانشوروں اور اہل الرائے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عہدِ حاضر میں کرۂ ارضی کے سینے پر پھیلی ہوئی امت کو اس معاشرے کو وجود میں لانے کی ضرورت، ترکیب اور ترغیب سے آگاہ کریں۔ ہم اس وقت غیر اسلامی ماحول کے جنگلوں میں بہت دور جا چکے ہیں جہاں بعض اوقات روشنی کی کرن کو بھی آنکھیں ترس جاتی ہیں۔

اسی غزوہ کے دوران ایک اور واقعہ پیش آیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ معاشرے کے پیدا کردہ فرد کے کردار کی ایک جھلک دکھاتا ہے۔ دو صحابیؓ ایک مقام پر پہرہ پر متعین تھے اور باری باری سونے کا اور پہرہ دینے کا پروگرام بنایا تھا۔ جس صحابیؓ کی باری پہلی

---

[1] اُولی الامر کا لفظ قرآن میں دو بار آیا ہے۔ ایک بار حکم کے طور پر اور ایک بار عہد نبویؐ کے دوران کے اُولی الامر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔

Marfat.com

شب تھی، وہ پہرے پر کھڑا تھا کہ دشمن نے اس پر تیر برسانا شروع کیے، اسے تین تیر لگے اور جونہی تیر لگتا وہ اسے نکال کر رکھ چھوڑتا مگر ساتھی کو نہ جگاتا۔ پہرہ بدلنے کا وقت آیا تو وہ سجدہ میں چلا گیا۔ اور پھر اپنے ساتھی کو جگایا۔

ساتھی نے اس کا خون دیکھا اور پوچھا کہ اس نے اسے کیوں نہ جگایا۔ پہرہ ختم کرنے والے زخمی صحابیؓ نے جواب دیا "میں ایک سورت کی تلاوت کر رہا تھا، میں نہیں چاہتا تھا کہ قراءت میں خلل واقع ہو"[1]

اس علاقہ پر مدینہ کا تسلط ہونا از حد ضروری تھا۔ بنو غطفان جس علاقہ پر قابض تھے وہ عراق جانے والے راستہ پر اثر ڈال سکتے تھے۔ اس اثر کو زائل کرنے کے لیے ان کے تمام اجتماعات کو روکنا ضروری تھا۔ تاکہ وہ اس راستہ پر قریشِ مکہ کی امداد نہ کر سکیں۔ اور نہ ہی مدینہ پر حملہ آور ہو سکیں۔ آپؐ کی یہ حکمتِ عملی درست تھی اور اسی وجہ سے اس محاذ پر آپؐ کو شروع سے آخر تک کامیابی رہی۔

---

[1] ابن اسحاق۔ ح یس۔ ۴۶۴۔ ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۲۱۸، واقدی جلد اول صفحہ ۴۰۰۔

Marfat.com

غزوۂ بدرُالاُخریٰ

اُحد کی لڑائی کے اختتام پر جب ابوسفیان مکہ واپس جانے کا عزم کر رہا تھا تو اس نے پکار کر کہا تھا کہ اگلے سال بدر کے مقام پر ملاقات ہوگی۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تھا کہ جواب دیا جائے گا، انشاء اللہ۔[۱]

یہ اس بات کی جانب اشارہ تھا اور ایک لحاظ سے قریشِ مکہ تسلیم کر چکے تھے کہ بدر کا علاقہ مدینہ کی ریاست کے حدود میں شامل ہے۔ ابوسفیان نے یہ چیلنج دے کر اپنا فیصلہ سنا دیا تھا کہ اہلِ مکہ اس روز کی لڑائی ختم کر چکے تھے اور اگلے سال مقابلہ از سرِ نو شروع ہوگا۔ مقامِ قتال کا فیصلہ بھی ہو گیا تھا۔ قریشِ مکہ کے سپہ سالار نے تجویز پیش کی تھی جس پر سپہ سالارِ مدینہؐ نے "انشاء اللہ" کہہ کے قبولیت کی مُہر ثبت کر دی تھی، سال بھر دونوں فوجوں کے افراد کے درمیان ذکر ہوتا رہا ہوگا کہ شعبان ۴ھ میں ایک بار پھر مقابلہ ہوگا۔

اُحد پر کیے گئے عہد و پیمان کے مطابق آپ شعبان ۴ھ میں بدر کے لیے روانہ ہوئے پوری فوج کو معلوم تھا کہ یہ سفر کس غرض سے کیا جا رہا ہے، آپؐ نے وہاں آٹھ روز تک قیام فرمایا اور ابوسفیان اور اس کی فوج کا انتظار فرمایا مگر قریشِ مکہ نہ آئے۔ بعض کا قول ہے کہ وہ

---

[۱] واقدی۔ رح بس۔ جلد اول، صفحہ ۳۸۴؂

Marfat.com

مکہ سے روانہ ہوکر صفوان کے مقام تک آیا تھا اور وہاں سے واپس چلا گیا۔ اغلباً اس کے حلیف قبائل نے ساتھ نہ دیا ہوگا۔ وہ اکیلے مدینہ کے لشکر کا مقابلہ کرنے سے ڈرتا تھا، کسی فوج کے سپہ سالار کے دل میں جب دشمن کی فوج کا خوف جاگزین ہوجاتا ہے تو یہ امر اس فوج کی شکست کا پیش خیمہ ہوا کرتا ہے، اسی لیے کہا گیا ہے کہ بہترین ہدف دشمن کی فوج کے سپہ سالار کا قلب ہے اس کے بعد اس کی سپاہ کا قلب۔ ابوسفیان کا بدر کے راستہ سے لوٹ جانے کا بہانہ یہ تھا کہ وہ قحط کا سال تھا اور اتنا دور جانے کے لیے جانوروں کے لیے چارہ ہونا ضروری ہے۔ اس کے مطابق اتنا لمبا سفر اچھے سالوں میں ہی ممکن ہوا کرتا ہے اہل مکہ نے عرصہ تک اس لشکر کا مذاق بنائے رکھا کہ یہ تو کھانے پینے والا لشکر ہے، اس لیے کہ یہ مکہ سے جنگ کے لیے خروج کر گئے تھے اور چند روز دعوتیں اڑا کر واپس مکہ لوٹ آئے تھے۔

مدینہ کے لشکر نے بدر میں آٹھ روز تک قیام کیا۔ اردگرد کے لوگ بھی کثرت سے آئے کہ اس کشمکشِ موت وحیات کا فیصلہ کس کے حق میں ہوتا ہے۔ بدر کا میدان پُررونق رہا اور مدنی لشکر کے ساتھ جو تاجر گئے تھے انھوں نے خوب نفع کمایا۔ اس غزوہ میں حضورؐ کے ہمرکاب ایک ہزار مہاجر اور انصار صحابہؓ تھے۔ اب تک مدینہ سے روانہ ہونے والے لشکروں میں یہ سب سے بڑا لشکر تھا۔ اسی میدان میں تین سو تیرہ نے اپنے عزم کا ثبوت دیا تھا، دو سال بعد یہ تعداد تین گنا ہو چکی تھی۔ ان آٹھ دنوں کے دوران بدر الکبریٰ کا کیوں نہ ذکر آیا ہوگا، بلکہ بار بار ذکر آیا ہوگا۔ ہر لمحہ کی داستان دہرائی گئی ہوگی۔ کس طرح، کون، کس انداز میں صف آرا ہوا۔ کس طرح صف بندی کی گئی، کس کس کو حضورؐ نے اپنے دست مبارک سے پیچھے دھکیلا اور کس کے بازو یا سینے پر خاتم النبیین کے پسینہ سے شرابور ہاتھ نشان چھوڑ گئے[1]۔ نئے آنے والوں نے

---

[1] سعد وقاص نے جو کرتہ بدر کے روز پہنا تھا وہ انھوں نے عمر بھر ساتھ رکھا اور ان کی وصیت تھی کہ انھیں اسی کرتے کا کفن پہنایا جائے۔ اس لیے کہ اس کرتے پر رحمۃ للعالمین کے پسینہ بھرے ہاتھوں نے لمس کیا تھا اور وہ اس پسینے کی خوشبو سے بہشت بریں کو معطر کرنا چاہتے تھے۔

Marfat.com

بدر میں حصہ لینے والے خوش نصیبوں سے کتنے ہی سوال پوچھے ہوں گے اور یوں تاریخ اسلام کے زریں ترین باب کی اسناد محفوظ ہوئی ہوں گی۔ اس روز کنکریوں کا بھی ذکر آیا ہوگا اور اللہ کا حکم کہ یہ کنکریاں پھینکنے والا تو خود قادر مطلق تھا[1]۔ اور کس طرح سبز و سفید پروں والے فرشتے قلوبِ مؤمنین کو مطمئن کرتے رہے تھے[2]۔

یہ وہی بدر تھا جہاں قریشِ مکہ کا لشکر فخر و غرور کی چال سے آیا تھا۔ مگر واپسی پر فخریہ اشعار کی بجائے نوحہ و غم کے لیے بھی الفاظ مہیا نہ ہو رہے تھے۔ اس بار مدینہ نے اپنی تعداد دو سال قبل کے مکی لشکر کے برابر کر لی تھی۔ مگر مکی لشکر بدر موعود تک سفر مکمل نہ کر سکا۔ پانسہ پلٹنے کا یہ آغاز تھا۔ جزیرۃ العرب نے مکہ والوں کا وعدہ کے مطابق میدانِ قتال تک سفر نہ کرنا موضوعِ سخن کیوں نہ بنایا ہوگا۔ اگر خود اہل مکہ اپنے لشکر پر انگلیاں اٹھا سکتے تھے تو دوسروں نے کیوں نہ روا رکھی ہونگی۔ اور حج و عمرہ کے دوران اور تجارتی میلوں کے دوران اس وعدہ خلافی کو ضرور تنقید کا نشانہ بنایا ہوگا۔ یوں ان کی ساکھ ضرور متأثر ہوئی ہوگی۔ مگر تاریخ دان اس پہلو پر خاموش ہے۔

---

[1] الانفال ۸ : ۱۷ ؛

[2] آل عمران ۳ : ۱۲۴ ، ۱۲۵ ؛

Marfat.com

غزوۂ دُومۃ الجندل

غزوہ بدر الموعود کے بعد کے چند ماہ آپؐ نے مدینہ ہی میں گزارے۔ کسی قبیلہ کی جانب سے کسی طرح کی شکایت نہ پہنچی تھی۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ قریشِ مکہ اپنے وعدہ پر بدر نہ پہنچ سکے تھے۔ قبائل اس طرح کے واقعات کی توجیہ پر سنجیدگی سے غور و فکر کیا کرتے ہیں آزاد قبائل کے رہنماؤں اور آزاد مملکتوں کے سربراہوں کی سوچ اور فکر میں چنداں فرق نہیں ہوا کرتا۔ دونوں اپنے اپنے دائرہ میں حلیف اور مخالف طاقتوں کے رویہ سے معنی خیز نتائج اخذ کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ بین قبائلی اور بین قومی سیاسیات کے کارگزاروں کے طرزِ فکر میں تعجب انگیز حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ عرب قبائل نے بدر کے میدان میں قریشِ مکہ کی غیر حاضری کے اسباب معلوم کرنے کی کوشش کی ہوگی اور جب تک انھیں قریشِ مکہ کے آئندہ طرزِ عمل کے متعلق واضح معلومات نہ ملیں، انھوں نے اپنی صوابدید سے کوئی قدم نہ اٹھایا، دُومۃ الجندل کا محل وقوع عرب کی شمالی سرحد کے قریب واقع ہونے کی وجہ سے وہاں کے قبائل کی سیاسیات کا رخ مکہ کی نسبت شام کی حکومت کے ارادوں سے قریب تر تھا۔ شام پر بازنطین کی حکومت تھی اور غیر ملکی حکومت ہونے کی وجہ سے انھیں خدشہ رہتا تھا کہ کوئی بیرونی طاقت ان کے مقبوضات کی حدود کے اندر دخاوتوں اور شورشوں کا سلسلہ شروع نہ کر دے۔ بازنطین اور ایران کی مملکتیں یوں بھی اکثر برسرِ پیکار رہتی تھیں۔ شام یعنی مشرقِ وسطیٰ تین براعظموں

Marfat.com

کے درمیان پُل کا مقام رکھتا تھا اور آج بھی کسی حد تک اس مقام کا حامل ہے۔ تاریخ میں ہر وہ مملکت جس نے شام اور اردگرد کے علاقوں پر قبضہ کیا وہ دنیا کی طاقتور ترین قوت بن کر ابھری، اس لیے کہ مشرقِ وسطیٰ میں عالمی منڈی واقع تھی اور عالمی منڈی پر قبضہ، دنیا کی دولت پر قبضہ کرنے کے مترادف تھا، آج بیسویں صدی میں بھی مشرقِ وسطیٰ کو مرکزی مقام حاصل ہے اور اسی لیے اس کو قصداً پارہ پارہ کرنے کے علاوہ اس کے عین وسط میں یعنی اس کے نازک ترین حصے کو کینسر کا مرض دے دیا گیا ہے۔ جب تک کینسر کا یہ مواد آپریشن کے ذریعہ مکمل طور پر نکال باہر نہ کیا جائے گا اس وقت تک مشرقِ وسطیٰ آرام اور چین کی زندگی بسر نہ کر سکے گا اور جب تک مشرقِ وسطیٰ میں امن نہ ہوگا ایشیا اور افریقہ کو سکون میسر نہیں آ سکتا۔ اوائلِ اسلام کی جنگوں کو بھی اس پس منظر میں دیکھنا ضروری ہے۔ شام کی غیر ملکی حکومت، عرب میں مرکزی قوت کے ابھرنے کو ہرگز خاموشی سے برداشت نہ کر سکتی تھی۔ اس لیے ان کے پاس سرحدی علاقوں میں بدامنی پھیلانے کے سوا عرب کی مرکزی طاقت کو کمزور کرنے کے لیے صرف ایک ہی راستہ تھا اور وہ براہ راست مدینہ پر حملہ کرنا تھا مگر بازنطینی حکام نے یہ مناسب سمجھا کہ پہلے سرحد کے عرب قبائل کے ذریعہ مدینہ پر حملہ کرایا جائے، اتفاق سے ان قبائل کا معتدبہ حصہ عیسائیت قبول کر چکا تھا اور اس طرح ان کے روابط مزید گہرے ہو چکے تھے

مدینہ میں یہ اطلاعات پہنچی تھیں کہ سرحدی علاقوں میں قافلوں کی آمد و رفت مشکل بنانے کے علاوہ یہ قبائل مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ دومۃ الجندل پہنچ کر معلوم ہوا کہ قبائل کے مجتمع ہونے اور مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادوں کی خبر درست نہ تھی، البتہ بدامنی پھیلانے کی خبریں درست تھیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قبائل نے حضور اقدسؐ کے پہنچنے پر اجتماع اور مدینہ پر حملے کا خیال ترک کر دیا ہو۔ بہرکیف قبائل نے کسی طرح کی مخالفت نہ کی، امن و امان قائم رکھتے اور ریاستِ مدینہ کے زیرِ نگین رہ کر زندگی بسر کرنے کے عہد و پیمان کیے، حضور اقدسؐ نے اس علاقہ میں ایک ماہ قیام فرمایا، اور جب پوری طرح سے

Marfat.com

یقین ہوگیا کہ ان قبائل کے حدود کے اندر آئندہ آمدورفت میں خلل واقع نہ ہوگا، تو واپسی کی۔

غزوہ دُومۃ الجندل محرم ۵ھ میں عمل میں لایا گیا تھا۔ چند ماہ قبل قریشِ مکہ کو اپنے لشکر کے جانوروں کے لیے چارہ کی تکلیف کا بہانہ بنانا پڑا تھا۔ آپؐ کے اس لشکر کی تعداد بدرالموعود کی طرح ایک ہزار تھی۔ مگر آپؐ نے دور دراز علاقے کا سفر اختیار کیا اور وہاں ایک ماہ تک قیام فرمایا۔ یہ وہ علاقہ ہے جہاں اُس دور کی دنیا کی سب سے طاقت ور سلطنت کا دور دورہ تھا اور وہ ان سرحدی علاقوں میں معمول سے زیادہ دلچسپی بھی لے رہے تھے۔ آپؐ کا اس سرحدی علاقے میں ایک ماہ تک قیام کرنا اس بات کا ثبوت تھا کہ آپؐ اپنی ریاست کی سرحدوں کے دفاع پر پوری طرح قادر تھے اور اس قدرت کا مظاہرہ کر سکتے تھے۔ بلکہ یہ کہ اس مظاہرہ کو امن عامہ کے خیال سے ضروری بھی سمجھتے تھے۔
اس غزوہ کے لیے خیبر کے قریب سے ہو کر جانے، وہاں ایک ماہ قیام کرنے اور وہاں سے واپسی پر پھر خیبر کے قریب سے مدینہ معمول کے مطابق پہنچنے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کے لشکروں کو سفر کے دوران عرب کی کوئی طاقت بھی ان کی آمدورفت میں مزاحمت پیدا کرنے کی ہمت نہ کر سکتی تھی۔ ایک اور بات جو اس طویل غیر حاضری سے اخذ کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ مدینہ کے اندرونی حالات یہودیوں اور منافقوں کی موجودگی کے باوجود ایسے تھے کہ آپؐ بیرونِ مدینہ کے حالات کی طرف توجہ دے سکتے تھے۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہتھیار بند آبادی کا کچھ حصہ ضرور مدینہ کے اندر محفوظ RESERVE کے طور پر موجود رہتا ہوگا۔

غزوہ دومۃ الجندل کو مؤرخوں نے مناسب اہمیت نہیں دی۔ درست کہ اس کے دوران لڑائی نہیں ہوئی۔ مگر دومۃ الجندل، جزیرۃ العرب کے شمالی علاقہ میں واقع ہے، اس کا فاصلہ مدینہ سے تقریباً ایک ہزار میل ہے۔ اس علاقہ میں امن و امان کو آسانی سے قائم کرنا

Marfat.com

معمولی بات نہ تھی، ایک مہینہ کے قیام کے دوران اردگرد کے قبائل کے ساتھ جو مذاکرات عمل میں لائے گئے ہوں گے وہ اہمیت کے حامل ہوں گے۔ مگر ہمیں ان کا ذکر کہیں نہیں ملتا، اس عرصہ کے دوران تبلیغ و تعلیم کے فرائض بھی انجام پذیر ہوئے ہوں گے۔ یہ تمام پہلو اس دور کے سیاسی حالات کے آئینہ دار ہیں۔ ہم اتنا کہنے پر ہی اکتفا کریں گے کہ چار سال کے اندر مدینہ اپنی حدود کو اتنی وسعت دے چکا تھا جو حضور اقدس ؐ کی نگاہِ دُوررس کے علاوہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو گی۔

Marfat.com

غزوۂ بنو مُصطلیق

یہ غزوہ شعبان ۵ھ میں واقع ہوا، یوں محسوس ہوتا ہے کہ شمال میں یعنی نجد اور شام کی سرحدوں پر یہودی اور مکی پراپیگنڈا کام کر رہا تھا، محرم کے مہینہ میں حضور اقدس ؐ کو شمالی سرحد پر مہم لے جانا پڑی۔ آپؐ نے شمالی علاقہ میں ایک ماہ تک قیام فرمایا اور وہاں کے حالات درست کیے۔

دو ہی مہینے بعد یعنی شوال میں بنو مُصطلیق کے متعلق خبر ملی کہ وہ ارد گرد کے قبائل کو اکٹھا کر کے مدینہ پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔ آپؐ اپنی قیادت میں ایک لشکر ان کے علاقہ میں لے گئے، تعداد معلوم نہیں کی جا سکی، اغلباً پانچ سو سے ایک ہزار تک ہو گی۔

اس قبیلہ کو دوسرے قبائل کی جانب سے تو امداد نہ مل سکی مگر وہ خود ایک مقام پر مجتمع تھے۔ مقابلہ ہوا اور انھیں شکست ہوئی۔ ان کے کچھ آدمی گرفتار کر لیے گئے، ان کے سردار مدینہ حاضر ہوئے اور معذرت خواہی کے علاوہ آئندہ کے لیے امن و امان قائم رکھنے کا اقرار کیا۔ انھیں معاف کر دیا گیا، اور ان کے قیدی فدیہ کے بغیر ہی رہا

Marfat.com

رہا کر دیے گئے۔

غزوۂ خندق میں ان کے قبیلے کے افراد کا ذکر نہیں ملتا۔ اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی جانب سے آئندہ کسی طرح کی شکایت کا موقع نہیں ملا۔

Marfat.com

چوتھا باب

غزواتِ نبوی ﷺ

اور

عسکری استخبارات

Marfat.com

غزواتِ نبویؐ اور عسکری استخبارات

عسکری استخبارات کا شعبہ اتنا ہی پُرانا ہے جتنا کہ خود عساکر کا وجود، میدانِ جنگ پر دو فریقوں کے درمیان فتح و شکست کا کھیل کھیلا جا رہا ہو، بین الاقوامی سطح کا کاروبار ہو یا فٹ بال اور ہاکی کا دل خوش کُن کھیل ہو، مدِّ مخالف کے متعلق پوری پوری معلومات حاصل ہونے کے بعد ہی اس کا مقابلہ اس طور پر کیا جا سکتا ہے کہ کامیابی کا امکان ہو۔ جو عساکر، یا جو تجارتی ادارے مدِّ مخالف کے متعلق مکمل اطلاعات حاصل کیے بغیر مقابلہ پر اتر آتے ہیں انھیں کامیابی سے ہمکنار ہونے کی بہت کم امید ہوا کرتی ہے۔ اگر یہی معلوم نہ ہو کہ دشمن کی تعداد کتنی ہے وہ کس محاذ پر کتنی فوج استعمال کر رہا ہے، اس کے پاس کون کون سا اسلحہ ہے اس کو گارد و مناسب مقدار میں مہیا ہو سکتا ہے یا نہیں، اس کی سپاہ کی تربیت اور ان کا جذبۂ ایثار و قربانی کا کیا مقام ہے تو پھر دفاع کرنے والے اپنے دفاعی منصوبے کو کس بنا پر ایسی ترتیب دیں گے کہ دشمن کا مقابلہ خاطر خواہ طور پر کیا جا سکے۔

دشمن کی روانگی کی اطلاع اگر وقت پر نہ ملے تو دشمن سرحدوں کے اندر داخل ہو جاتا ہے اور پھر دفاع مشکل ہو جاتا ہے۔ جنگ کے دوران بھی ناگہانی حملوں کے خلاف صحیح اقدامات اسی صورت میں کیے جا سکتے ہیں جب دشمن کے متعلق مکمل اطلاعات موجود ہوں۔ بروقت صحیح اطلاعات کی فراہمی کی ذمہ داری استخبارات کے محکمہ کی ہوا کرتی ہے۔

Marfat.com

عصرِ جدید کا ایک مصنّف لکھتا ہے :۔

"ناگہانی حملوں کے خلاف بہترین تیاری یہ ہے کہ انتہائی احسن کارکردگی کا حامل ادارہ استخبارات کی ذمہ داریاں ادا کر رہا ہو، تاکہ دشمن کے حملے کی بروقت اطلاع مل سکے ...... (ملکی سطح پر) ضرورت ہے کہ ہمارے پاس بہترین صلاحیتوں کا حامل استخبارات کا ادارہ ہو جو جدید ترین آلات اور بہترین ذرائع ترسیل و تحصیل کو استعمال کر سکے .... ناگہانیت SURPRISE کے خلاف یہی کارآمد ہتھیار کہا جا سکتا ہے"[1]

غزواتِ نبوی کے متعلق مختلف معرکوں میں سے اگر ایک دو کی طرف اشارہ کر دیا جائے تو یہ نقطہ سمجھنے میں آسانی ہوگی ، بدر و اُحد دونوں موقعوں پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے میدانِ قتال چنے تھے جہاں دشمن کا رسالہ استعمال نہیں ہو سکتا تھا اگر آپ کو یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ دشمن کے پاس رسالہ ہے یا نہیں اور آپ اپنی دفاعی پوزیشن کے لیے ایسا میدانِ قتال چُنتے جس کے بازوؤں سے رسالہ حملہ کر سکتا تو آپ کے لیے دفاع ناممکن ہو جاتا۔ یعنی دونوں موقعوں پر اور خصوصاً اُحد کے موقع پر آپ نے دشمن کے رسالے کا استعمال ناممکن بنا دیا تھا۔ اگر آپ کے پاس معلومات حاصل کرنے کے ذرائع نہ ہوتے یعنی عسکری استخبارات کے معاملہ میں آپ کمزور ہوتے تو آپ کو دشمن کی اطلاعات کے علاوہ ان کے رسالہ کی صحیح تعداد اور اس کے کمانداروں کی صلاحیت اور استعداد معلوم نہ ہو سکتے۔

اسی طرح بنو غطفان اور بنو سلیم سے متعلق بارہا اطلاعات پہنچیں کہ وہ مدینہ پر حملہ کے لیے تیاریاں کر رہے ہیں ، دونوں بڑے قبیلے تھے ، ان کی شاخیں وسیع و عریض علاقوں پر

---

[1] وانی ورلش ، جدید ہتھیار اور آزاد انسان MODERN ARMS AND FREE MEN بائیبن ہیں لندن ۱۹۵۰ء - صفحہ ۱۵۰ ، ۱۵۱ ؛

Marfat.com

پھیلی ہوئی تھیں۔ حضور اقدسؐ کو وقت پر اطلاعات ملنے کا نتیجہ یہ ہوتا رہا کہ آپؐ ان کے پوری طرح جمع ہو کر حملہ کے لیے روانگی سے قبل ہی ان کے علاقہ میں لڑاکا گشتی دستے روانہ کر کے ان کو مزید منتشر ہونے پر مجبور کر دیا کرتے تھے۔

خبر صرف اس حالت میں فائدہ بخش ہوتی ہے اگر وہ صحیح وقت پر پہنچے، وقت گزر چکنے کے بعد خبر کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ اب وہ تاریخ کا حصہ بن چکی ہوتی ہے اس لیے ذرائع تحصیل و ترسیلِ اطلاعات ایسے ہونے چاہئیں جو وقت پر خبریں پہنچا سکیں، دشمن کے متعلق دشمن کے ملک کے اندر خبروں کا حاصل کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا کہ اسے دشمن کے ملک سے باہر بھیجنا ہوا کرتا ہے۔ خبریں حاصل کرنے والے کے پاس اگر ایسے ذرائع نہ ہوں جن سے وہ خبریں اس طور پر روانہ کر سکے کہ خبر پہنچانے والا دشمن کے محافظ دستوں اور ضدِ استخبارات اداروں کی دسترس سے بچ کر خبر اپنے مقرِ قیادت تک پہنچا دے، تو پھر خبر حاصل کرنے کی تکالیف اور وقتیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ خبروں کے بروقت پہنچ جانے کے بعد ان سے استدلال کرنا اور نتیجہ اخذ کرنا بھی اہم مرحلہ ہوا کرتا ہے۔

ذرائع تحصیل و ترسیلِ اخبار کا بہترین ہونا ضروری ہوتا ہے اس لیے عسکری استخبارات کا دائرہ اتنا ہی وسیع ہوتا ہے جتنا کہ کسی دور کا تمدنی اور تہذیبی میدان، اس لیے کہ جنگ میں شریک ہر فریق اپنی تمام ترفنی، سائنسی، افرادی، مالی، تعلیمی اور جغرافیائی استعداد کو بروئے کار لا کر دشمن کو زیر کرنے کی کوشش کرتا ہے، ساتھ ہی ساتھ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ دشمن کے تمام قواء اور ان کے طریق استعمال سے متعلق پوری طرح آگاہ ہو، اسے دشمن کے ملک کے جغرافیائی حالات، اس کے موسموں کی شدت اور اس شدت کی پیدا کردہ دشواریاں، اس کے راستوں کی تفاصیل، خوراک اور پانی کی فراہمی سے متعلق معلومات، ان راستوں پر بسنے والوں اور حکومت کے درمیان تعلقات کی نوعیت، اس کی ہتھیار بند آبادی کے اعداد و شمار، ان افراد کی حکومت کے ساتھ وفاداری اور جذبۂ ایثار و قربانی،

Marfat.com

ہتھیاروں کی نوعیت اور فراہمی اور زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق تفصیلی معلومات اور ان معلومات کا اپنے داخلی و خارجی حالات کے ساتھ موازنہ کیے بغیر جنگ کی تدویرات اور منصوبہ بندی اور لڑائی کی تدبیرات کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

بدر کی لڑائی سے ایک دن قبل کی ایک چھوٹی سی مثال ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح چھوٹے چھوٹے واقعات سے اہم نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ بدر کے موقع پر حضورِ اقدسؐ نے ایک بوڑھے شخص سے مکہ اور مدینہ کے لشکروں کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا کہ اگر وہ اطلاعات صحیح ہیں جو اس تک پہنچی ہیں تو "محمدؐ اور اس کے ساتھی آج فلاں جگہ ہوں گے" اور یہ وہی مقام تھا جہاں آپؐ نے اپنا معسکر قائم کیا تھا، پھر اس نے کہا "میں نے سنا ہے کہ قریش نے فلاں روز خروج کیا، اگر یہ درست ہے تو وہ آج فلاں مقام پر ہیں" اور یہ بھی درست تھا[1]

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ صحیح اطلاعات اور ان کا مناسب طریقہ سے مناسب وقت پر پہنچنا از حد ضروری ہوتا ہے ورنہ ان پر درست اقدامات نہیں لیے جا سکتے، بدر کے بعد کے حالات پر اگر نظر کی جائے اور ذہن میں رکھا جائے کہ تین اطراف سے اسلامی ریاست کا وجود مٹانے کا منصوبہ بنایا گیا تھا، بنو قینقاع نے بغاوت کرنا تھی، قریشِ مکہ نے مکہ سے حملہ کرنا تھا، بنو سلیم نے شمال کی جانب سے حملہ کرنا تھا۔ حضورِ اقدسؐ نے ان تینوں خطرات کو ایک ہی وقت میں بپا ہونے سے روک کر مدینہ کا دفاع آسان بنا لیا۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ دُور رس معاملہ کے تمام پہلوؤں کے جُزئیات پر حاوی رہا کرتی تھی۔ اس طرح تین جانب کے خطرات کا ازالہ اس خوبی سے کرنا کہ تین اطراف کے دشمن بیک وقت ایک ہی مقام پر جمع ہو کر باہم حملہ نہ کر سکیں، آپؐ کی تزویراتی برتری، STRATEGIC EXCELLENCE کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ لڑائی سے قبل کے تمام منصوبے تزویرات اور حکمتِ عملی کے زمرے میں شامل کیے جاتے ہیں، آپؐ کے یہ

---

[1] ابن اسحاق، ح یس۔ صفحہ ۲۹۴

Marfat.com

اقدام بھی تزویراتی کمال اور حکمتِ عملی کی خوبی کا نمونہ ہیں۔

پہلے بنو قینقاع کا محاصرہ اس قدر سختی اور شدت سے کیا گیا[1] کہ وہ مکی امداد پہنچنے سے قبل ہی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ جب ابوسفیان نے دیکھا کہ وہ اکیلا ہے تو اسے واپس جانا پڑا اور پھر بنو سلیم کے اجتماع سے قبل ہی انھیں منتشر ہونے پر مجبور کیا گیا، اگر حضورؐ کو بروقت مکمل اطلاعات موصول نہ ہوتیں تو شاید آپؐ کے لیے مدینہ کا دفاع کئی مشکلات پیدا کر دیتا۔ اہل مکہ اور بنو قینقاع کے منصوبے میں کسی طرح کی خامی نہ تھی، مگر وہ اپنے منصوبہ کو راز میں نہ رکھ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم اس بات پر زور دیتا ہے کہ راز کی باتوں میں اپنوں کے سوا کسی کو شریک نہ کیا کرو[2]۔ اس حکم کے تحت دفاعی قوار اور ملک کے انتظامی اداروں میں غیر مسلموں کی شمولیت، احکام قرآنی کی صریحًا خلاف ورزی کے مترادف ہوگی۔

استخبارات کے محکمہ کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہوتی ہے کہ دشمن کی جاسوسی کرنے والوں کا کھوج لگا کر انھیں بیکار کر دیا جائے۔ دورِ حاضر میں اس پہلو پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ قرآن حکیم کا یہودیوں کی جانب سے انتباہ اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ دورِ نبیؐ آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جاسوسوں کی طرف سے خدشہ رہتا ہے۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝

(ان میں سے جو یہودی ہیں یہ غلط باتیں بنانے کے لیے جاسوسی کرتے ہیں
اور دوسری قوم کے لیے جاسوسی کرتے ہیں۔ المائدہ ۵: ۴۱)

اب اگر غیروں کو رازدارانہ محکموں میں شامل کر لیا جائے تو دشمن کے لیے جاسوسی کرنے

---

[1] وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (توبہ ۹: ۷۳)

[2] لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ (آل عمران ۳: ۱۱۸)

Marfat.com

میں انھیں کتنی آسانی ہو گی پہلی جنگِ عظیم میں ترکوں کے ساتھ اسی طرح دھوکا ہوتا رہا۔

کہا گیا ہے کہ ہر جاسوس کے قبضے میں اکثر و بیشتر ایسا مواد موجود ہوتا ہے جس کی تفصیلی دیکھ بھال سے اس کا جاسوس ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ استخبارات کا ایک ماہر لکھتا ہے "یہ میرا تجربہ ہے کہ ہر جاسوس کے کپڑوں یا سامان میں کوئی نہ کوئی ایسی شے موجود ہوتی ہے جس سے اس کے جاسوس ہونے کا ثبوت مل سکے[1]"

جب تک عسکری استخبارات اعلیٰ سطح پر منظم نہ کی جائیں تو دشمن کے متعلق بہت سی باتیں گمان اور خیال پر مبنی کرنا پڑیں گی۔ ان حالات میں دشمن کی کارکردگی کے مختلف پہلو ناقابلِ اندازہ عوامل IMPONDERABLE FACTORS کی صورت اختیار کر لیں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ دفاعی منصوبہ غیر تسلی بخش ہوگا۔ حضور اقدس ؐ نے اپنی عسکری استخبارات کو بہترین خطوط پر منظم کر رکھا تھا، آپؐ کی روانہ کردہ ہر مہم کے کامیاب ہونے سے یہی اخذ کیا جا سکتا ہے۔

ان مہموں کو بعض اوقات دوسرے قبائل کے علاقوں میں سے ہو کر گزرنا پڑتا تھا، اگر حضور اقدس ؐ کو ان قبائل کے حالات، ان کے ہتھیار بند افراد کی تعداد اور ان کے سیاسی و دینی رجحانات کا مکمل علم نہ ہوتا تو ان مہمات کی تشکیل، ان کے عملہ کے چناؤ اور پھر ان کے تفصیلی احکامات کے صحیح ہونے کا امکان کم ہو جاتا۔ استخبارات کا مکمل ہونا ہی منصوبہ بندی ممکن بناتا ہے۔ لڑائی شروع ہونے سے قبل اپنے لشکر کو صحیح مقام پر پوزیشن POSITION دینا بھی استخبارات کے صحیح اور مکمل ہونے پر منحصر ہوا کرتا ہے اور جیسا کہ کہا گیا ہے، کہ "جنگ میں لڑائی کی نسبت لڑائی کے میدان میں پہنچنے کے مراحل زیادہ اہمیت رکھتے ہیں[2]"

---

[1] پنٹو، لفٹیننٹ کرنل۔ جاسوس پکڑنے والا THE SPY CATCHER ورنر لاری لندن ۱۹۵۲ء۔ صفحہ ۸۷۔

[2] ٹکر، لفٹیننٹ جنرل۔ جنگ کا نقشہ THE PATTERN OF WAR کیسل لندن ۱۹۴۸ء صفحہ ۷۸۔

Marfat.com

بدر، اُحد اور خندق، ان تینوں لڑائیوں پر یہ مقولہ درست ثابت ہوتا ہے اور اس کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ آپ کا محکمۂ استخبارات بہترین خطوط پر قائم کیا گیا تھا، افسوس کہ تاریخ کی کتب میں اس ادارہ پر روشنی نہیں ڈالی گئی۔

بدر سے اُحد تک کے درمیانی عرصہ میں قریشِ مکہ نے اپنی تجارت جاری رکھنے کے خیال سے ایک قافلہ عراق بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔ آپؐ کو اس قافلے کی روانگی کی اطلاع بروقت مل گئی، آپؐ نے قافلہ کی رفتار، فاصلہ اور جغرافیائی حالات پر غور کرنے کے بعد ایک مہم روانہ کی اور انھیں ایک پڑاؤ پر ایک خاص دن کو پہنچنے کا حکم دیا۔ جب یہ مہم اس کنوئیں پر پہنچی تو مکی قافلہ موجود تھا۔ قافلے کے محافظ تو جان بچانے میں کامیاب ہو گئے مگر قافلے کا مال و اسباب اسلامی مہم کے کمانڈر زیدؓ بن حارثہ کے ہاتھ آ گیا۔ عسکری استخبارات نے خبر مدینہ پہنچانے کے ایسے ذرائع استعمال کیے کہ خبر پہنچنے کے بعد بھی آپؐ کے پاس اتنا وقت تھا کہ آپؐ ایک تیز رفتار مہم روانہ کر کے مکی قافلہ کو ایسے مقام پر قابو میں لے سکتے تھے جس مقام پر قریشِ مکہ کے حلیف قبائل مدنی مہم کی کارگزاری میں حائل نہ ہو سکیں۔ اس مہم کے متعلق خبر کے حصول، روانگی، خبر کے پہنچنے، مہم روانہ کرنے کا فیصلہ، مہم کے افراد کا چناؤ، ان کو سواری کے مناسب جانور مہیا کرنا اور ان کے راستہ کے جغرافیائی اور سیاسی حقائق کو نگاہ میں رکھتے ہوئے انھیں صحیح وقت پر روانہ کرنا اور پھر ان کا کامیابی سے مدینہ لوٹ آنا، یہ سب مرحلے فنِ جنگ کے اعلیٰ معیار کا پتہ دیتے ہیں۔

مکہ میں ابھی کچھ مسلمان رہ رہے تھے، گو ان پر کڑی نگرانی تھی اور انھیں تنگ کیا جاتا تھا مگر وہ ضروری اطلاعات مدینہ پہنچانے میں کامیاب رہے۔ اسی طرح دوسرے قبائل میں بھی مسلمان موجود تھے، ان کی جانب سے اطلاعات موصول ہوتی رہتی تھیں۔ نظریاتی ریاستوں کو خبر رسانوں کا پیدا کرنا مشکل نہیں ہوتا، روس نے اشتراکی خیالات سے متاثر ہونے والے نوجوانوں کو پوری طرح استعمال کیا ہے، دوسری جنگِ عظیم کے دوران روس دوسرے ممالک کے

Marfat.com

اندرا اشتراکی خیالات سے متأثر افراد کے ذریعہ اہم اطلاعات حاصل کرتا رہا تھا، ایک مصنف لکھتا ہے:۔

"غیر ملکی اشتراکی اکثر و بیشتر روس کے لیے مفت کام کرنے پر رضامند تھے مگر روس کی پالیسی ہے کہ وہ اپنے ملازموں کو قیمت وصول کرنے پر آمادہ کر لیا کرتا ہے۔" [1]

عالم اسلام کو ان مثالوں کے نتیجہ میں چوکنا رہنا چاہیئے، اگر نظریاتی بنیادوں پر تاریخ میں لوگوں نے اپنی ریاست کے خلاف دشمن کو اطلاعات بہم پہنچائی ہیں تو آئندہ بھی اس طرح کے واقعات رونما ہونے کا امکان ہے۔ اس لیے استخبارات کے لیے جو عملہ چُنا جائے اس کے متعلق یقین کر لیا جائے کہ وہ زندگی کے کسی مرحلہ پر غیر اسلامی نظریات کی طرف مائل نہیں ہوا۔

اُحد کی لڑائی صبح سے دوپہر تک ایسے غیر متوقع حالات پر مشتمل تھی کہ قریش کا کمانڈر انچیف اپنے لیے صحیح اور فائدہ بخش طرز عمل کا تعین نہ کر سکا تھا۔ اور انتہائی عجلت میں واپسی کا فیصلہ کر کے مکہ روانہ ہو گیا تھا، اس کی بدر سے واپسی، اور اُحد سے واپسی حالات کے اختلاف کے باوجود نتیجہ کے طور پر یکساں سی تھی، بدر کے وقت کی فوج نے فرار کرتے ہوئے مکہ کا رخ اختیار کیا تھا، اُحد سے پس نشینی کرتے ہوئے رفتار میں کسی قدر کمی تھی مگر دلوں میں ایک ہی خواہش تھی کہ مدینہ سے جس قدر ممکن ہو، دور جا کر معسکر قائم کیا جائے اس دن کا آغاز دونوں معسکروں کے لیے مختلف طریقہ پر ہوا تھا، مدنی سپاہ کا ایک تہائی منافقت کی بنا پر شیخین کے معسکر سے ہی پلٹ کر مدینہ لوٹ گیا تھا۔ مگر اس کے باوجود

---

[1] ٹالسٹائی، سٹالن کی خفیہ جنگ STALINS SECRET WAR جوناتھن کیپ لندن ۱۹۸۱ء صفحہ ۳۲۹

Marfat.com

باقی ماندہ لشکر اللہ کے بھروسے پہ سربراہِ دین و دنیاؐ کی قیادت میں دشمن کے سامنے صف آراء ہونے کے لیے انتہائی سکونِ قلب اور اطمینان سے قتال گاہ کی جانب بڑھ گیا تھا۔ دوسری جانب حملہ آور معسکر کے اندر کوئی غیر معمولی بات واقع نہیں ہوئی تھی اور جب انھوں نے دیکھا کہ مدنی لشکر ان کے عین سامنے صف آراء ہو کر بارگاہِ رحمٰن و رحیم، الٰہ العٰلمین میں سجدہ ریز ہو رہا ہے تو وہ بھی طبل و نقارہ کے شور میں قتال گاہ کی جانب شاہانہ شان سے روانہ ہوئے تھے۔ یعنی ایک جانب اللہ پر بھروسہ تھا اور دوسری جانب اپنی طاقت پر غرور و ناز تھا۔ ان کے دلوں میں شاید اس بات پر بھی غرور تھا کہ وہ تقریباً تین سو میل دور سے چودہ دن کی مسافت طے کر کے اس دشمن کے صدر مقام کی دیواروں کے سامنے تک بے خوف و خطر پہنچ چکے تھے، جس نے ان کی صدیوں پرانی تہذیب، اور متغفہ نظامِ حیات پر نکتہ چینی کی جسارت کی تھی[1]

اس روز چشمِ فلک نے عجیب منظر دیکھا، عرب کے دستور کے مطابق رجز پڑھتے ہوئے مکہ کے شہسوار عَلَم سنبھالے آگے بڑھتے اور مسلمان سپاہ کو مبارزت کے لیے للکارتے تھے دوسری جانب سپہ سالارِ اسلامؐ ابروئے چشم اور ہلکی سی مسکراہٹ سے ایک جانثار کی جانب اشارہ کرتے اور وہ صف سے نکل کر آگے بڑھتا، ابھی دونوں لشکروں کے افراد اچھی طرح ان دو مبارزت کرنے والوں کو پہچان بھی نہ سکتے کہ مکی صفوں سے رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھنے والوں کا سر خاک و خون میں تڑپ رہا ہوتا اور اللہ کے نام پر تلوار کو فضا میں بلند کرنے والا اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے واپس جانثارانِ رب ذوالجلال کی صف میں اپنے مقام پر واپس آ جاتا۔ یہ منظر آٹھ بار دہرایا گیا۔ اور آٹھ بار جبلِ اُحد کی چوٹیوں نے اللہ اکبر کی صدا کو اپنی بازگشت کے ذریعہ دہرا کر لشکرِ اعدارِ اسلام کے دلوں میں ہیبت پیدا کر دی تھی

---

[1] ابن اسحاق۔ ح۔س۔ صفحہ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔

Marfat.com

حتیٰ کہ مکی سپہ سالار نے مجبور ہو کر اپنی سپاہ کو عام حملے کا حکم دے دیا تھا۔

سات سو کے خلاف تین ہزار کا حملہ ممکن ہے کہ اثر پیدا کر سکتا مگر مدنی سپہ سالارؐ نے قتال گاہ BATTLE GROUND کے لیے ایسی سرزمین کا انتخاب کیا تھا کہ وہاں پر ساڑھے تین سو سے زیادہ آدمی کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہی نہیں ہو سکتے تھے۔ باقی ماندہ کو ان کے پیچھے صفیں بنانی پڑی تھیں۔ یعنی مکی فوج کا آٹھواں حصہ بیک وقت لڑائی میں حصہ لے سکتا تھا اور باقی ماندہ تماشائی بن کر کھڑے رہنے پر مجبور تھے، بہت جلد مکی فوج کا حملہ سُست پڑ گیا تھا اور پھر مدنی فوج کے سپہ سالارؐ نے جوابی حملے کا حکم دے دیا تھا۔

اُحد کے روز جس خوبی سے آپؐ نے اپنی کم تعداد کی فوج کے لیے میدانِ قتال BATTLE GROUND چُنا اور پھر دشمن کو مجبور کیا کہ اس کے لیے آپؐ کے چُنے ہوئے مقام پر لڑائی کرنے کے بغیر کوئی چارہ ہی نہ تھا، یہ سب تدبیراتی برتری TACTICLE EXCELLENCE کی عمدہ مثال ہے۔ البتہ اگر آپؐ کی معلومات مکمل نہ ہوتیں یعنی عسکری استخبارات کا پہلو مکمل طور پر آپؐ کے زیرِ نگاہ نہ ہوتا تو آپؐ اس روز اپنی تدبیرات کے فیصلہ کرنے میں دقت محسوس کرتے۔

بدر کے روز کی طرح اس روز بھی مکی فوج میں بھگدڑ مچ گئی تھی اور مدنی فوج ان کے تعاقب میں ان کے معسکر تک جا پہنچی تھی۔ اگر اس فتح کے اسباب پوچھے جائیں تو یہ کہنا درست ہوگا کہ مدنی سپہ سالارؐ کی تدبیراتی سوچ یعنی قتال گاہ کے چناؤ اور مدنی فوج کے مجاہدوں کے جذبۂ شہادت نے اُحد کے مقام پر کم تعداد کی فوج کو کامیابی سے ہمکنار کیا تھا۔ جنگ کی کامیابی زندگی کے دوسرے پہلوؤں کی طرح قلب و ذہن کے بہترین استعمال پر منحصر ہوا کرتی ہے اور یہ سبق اس روز مسجد نبویؐ کے منبر و محراب کو زینت بخشنے والی ہستیؐ نے دیا تھا۔

Marfat.com

یہ چند مثالیں ان غزوات سے لی گئی ہیں جن کی تفاصیل اکثر کتب سیرت میں مل جاتی ہیں۔ ان ہی غزوات میں اور خصوصاً دوسرے غزوات اور تقریباً سب سرایا کے متعلق انتہائی مختصر سا ذکر ملتا ہے۔ اس لیے غزواتِ نبویؐ پر تحقیق کے دوران انتہائی تشنگی کا احساس رہتا ہے۔ جیساکہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، غزواتِ نبویؐ ہی کی روشنی میں دنیائے اسلام ایک بار پھر آزادی سے ربِّ کریم کی عبادت صحیح طور پہ کرسکے گی۔ جب تک مسلمانانِ عالم کے سامنے اللہ کے علاوہ دوسرے الٰہ موجود ہیں اس وقت تک وہ صحیح آزادی سے ہم کنار نہیں ہوسکتے اور نہ ہی وہ اللہ کی بارگاہ میں روشن چہروں سے حاضری دے سکیں گے اور اس حصولِ آزادی کی تگ و دو کا پہلا قدم عسکری استخبارات کو عالمی سطح پہ منظم کرنے کا کام ہے۔

اگر آج عالمِ اسلام کے پاس وسائل کم ہیں تو غزواتِ نبویؐ کے دوران حضورِ اقدسؐ کے وسائل نسبتاً کم تر تھے۔ آپؐ کی فوج اور دشمن کی افواج کے درمیان بہت بڑا فرق تھا۔ مگر وسائل کی یہ کمی آپؐ کی راہ میں حائل نہ ہوسکی۔ چونکہ آپؐ کی فوج کی تعداد کم، اور وسائل مزید کم تر تھے اس لیے آپؐ نے اپنی عسکری استخبارات کو اعلیٰ ترین پیمانے پر منظم کیا تھا۔ آج اگر اسلامی دنیا کے وسائل کم ہیں تو انھیں بھی اپنی عسکری استخبارات کی طرف نسبتاً زیادہ توجہ دینی ہوگی۔ یہ مسلّمہ اصول ہے کہ افواج کی کمی صحیح اطلاعات کے ذریعہ پوری کی جاسکتی ہے۔ مگر اطلاعات اگر غلط فراہم ہوں تو بڑی سے بڑی فوج بھی اس کمی کا ازالہ نہیں کرسکتی۔

غلط خبروں کے نتیجہ میں دفاعی منصوبہ درست طور پر مرتب نہیں ہوسکتا۔ اور اگر دفاعی قوّار حملہ آور کے خلاف غلط مقامات پر تعین ہوں گی تو انھیں اپنے مقامات بدلنے میں جو وقت صرف ہوگا اس وقت میں دشمن ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا چکا ہوگا۔ استخبارات کا پرانا اصول آج بھی اسی شدت سے کارفرما ہے جس شدت سے ہابیل اور قابیل کے

Marfat.com

جھگڑے میں کارفرما تھا۔ اس اصول سے تغافل گزشتہ دو صدیوں کے دوران عالمِ اسلام کو غلامی کی سزا سے دوچار کر چکا ہے۔ اگر دورِ غلامی دردِ جگر کا باعث رہا ہے تو آئندہ اس درد سے بچنے کے لیے اور آزادی قائم رکھنے کے لیے ضروری ہوگا کہ اس طرح کے تغافل سے اجتناب برتا جائے۔ اور سیرتِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم سے رہبری و ہدایت حاصل کی جائے۔

Marfat.com

پانچواں باب

اُحد کے بعد کے واقعات کا تجزیہ

Marfat.com

اس روز دنیائے اسلام نے کئی سبق سیکھنے تھے۔ عملی زندگی سے بہتر کوئی مکتب نہیں جنگ کے دوران فیصلہ ایک فرد کے ہاتھ میں ہوتا ہے، وہی فیصلہ شدہ منصوبے سے متعلق احکام دینے کا مجاز ہوتا ہے اور جب ایک بار حکم مل جائے تو آخری سانس تک اس حکم کی تعمیل کو فریضۂ اوّلین کا مقام حاصل ہے[1]۔ اس تاریخی دن مسلمانوں کو یہ سبق دیا گیا کہ قیامت تک کے لیے یاد رکھنا کہ میدانِ قتال ہو یا روزمرّہ کی زندگی کی ذمہ داریوں کو حل کرنے کا سوال، جو حکم مل جائے اس سے سرِمُو اختلاف نہ کرنا، اس روز مسلمان مجاہد حکم عدولی کے مرتکب ہوئے اور اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ مگر جس آزمائش میں وہ ڈالے گئے تھے اس کے نتیجہ میں جو کارکردگی اسلامی لشکر کے کمانڈروں اور سپاہ نے پیش کی وہ روزِ بدر سے کسی طرح کم نہ تھی۔ جنگ کے علم اور سائنس کے چند اصول ہیں ان پر میدانِ قتال میں عمل پیرا ہونے کی لاتعداد مثالیں ملتی ہیں مگر عزم و استقلال اور جذبہ و شوقِ شہادت فنِ جنگ کا حصّہ نہیں۔ یہ خصوصیات اللہ پر ایمانِ محکم کا نتیجہ ہوا کرتی ہیں اور ان خصوصیات میں کاملیّت کا مظاہرہ اُس روز اس خوبی سے کیا گیا کہ تاریخ

---

[1] فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (آلِ عمران ۳: ۱۵۹)

Marfat.com

جنگ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

اُس روز ایثار و قربانی کرنے والوں کے اعزّہ نے جس صبر سے شُہداء کے متعلق خبریں سُن کر اللہ کا شکر ادا کیا اس کی مثال نہیں ملتی، عزیز و اقارب کی شہادت کی خبر سن کر خاتون کا یہ پوچھنا "مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو خیریت سے ہیں؟" اور جب ان کی خیریت کی اطلاع مل گئی تو ربّ العالمین کا شکر بجا لانے کے بعد ہی اپنے اقربا کی شہادت پر آنسوؤں کو بہنے دیا۔

اُس روز یہ فیصلہ بھی ہوا کہ شہید کو ان ہی کپڑوں میں دفن کیا جائے جو اس نے شہادت کے وقت پہن رکھے تھے اور اس کے پاک خون کو اس کے بدن سے جُدا نہ کیا جائے اور یہ بھی فیصلہ ہوا کہ اس کے دفن کرنے کے لیے بہترین مقام وہ میدانِ قتال ہے جس میں سینہ سپر ہو کر اس نے وحدتِ خداوندی اور رسالتِ خاتم الرسلؐ کی شہادت دی تھی۔

اُس تاریخی روز دشمنِ اسلام کے کردار سے یہ سبق بھی حاصل ہوا کہ لڑائی کے دوران جب پیش رفت ہوئی ہو تو اس پیش رفت کو جاری رکھنا چاہیئے اور موہوم سے خوف کے پیشِ نظر حاصل شدہ کامیابی کو ہاتھوں سے جانے نہیں دینا چاہیئے۔ لڑائی کے دوران اگر قسمت غیر متوقع طور پر دوسروں کی غلطیوں کے نتیجہ میں کسی محاذ پر کامیابی عطا کرے تو اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر اپنی پیش رفت کو مزید آگے بڑھایا جائے، لڑائی کے دوران غیر متوقع کامیابی بار بار حاصل نہیں ہوا کرتی۔ مکی سپہ سالار کو شکست کے بعد ایک موقع ملا تھا، اس نے اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا، اگر وہ اپنے رسالہ کو استعمال کر کے جبلِ اُحد کی دیکھ بھال کرتا اور اس کے گرد گھوم کر زمین کا جائزہ لیتا تو اس کے پاس اتنا بڑا لشکر تھا کہ وہ مسلمانوں کو گھیرے میں لے سکتا تھا، اُحد کے دونوں بازوؤں کی لپیٹ میں جو میدان تھا اس تک دو ہی راستے جاتے تھے، ایک راستہ وہ تھا جہاں

Marfat.com

پس نشینی کے بعد حضور اقدسؐ نے پوزیشن سنبھالی ہوئی تھی اور دوسرا راستہ وہ تھا جو علی الصبح اسلامی لشکر نے استعمال کیا تھا، اس راستہ سے مکی لشکر کا ایک حصہ بھیج کر اسلامی لشکر پر دونوں جانب سے حملہ ہو سکتا تھا۔ وہ راستہ قریب ہی تھا۔ جبلِ عینین (رماۃ) سے وہ زیادہ سے زیادہ آدھا میل دور ہوگا۔

بعض فاضل علماء اور مؤرخین نے خالد کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے مسلمانوں پر عقب سے جو حملہ کیا تھا وہ جبلِ اُحد کے گرد گھوم کر آیا تھا۔ دراصل مکی لشکر کے کسی کماندار نے بھی زمین کی دیکھ بھال نہیں کی تھی، اگر خالد، جبلِ اُحد کے گرد گھوم کر آیا ہوتا تو وہ اس راستے سے واقف ہوتا۔ اس کی جنگی قابلیت سے کسی کو انکار نہیں۔ وہ ضرور اس راستے کا بہترین استعمال سمجھ جاتا اور اس راستہ سے گزر کر مسلمانوں پر عقب سے حملہ آور ہوتا۔ مکی پیادہ مغرب کی جانب سے حملہ آور تھی، اگر وہ مشرق کی جانب سے حملہ آور ہوتا تو مسلمان اس طرح دو طرفہ حملے کے اندر پھنس جاتے جس طرح کوئی شے چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آکر پس جاتی ہے۔ مگر مکی کمان داروں نے سب سے بڑی غلطی یہ کی تھی کہ میدانِ قتال کے اردگرد کے علاقہ کی تفصیلی دیکھ بھال سے غافل رہے تھے۔ اور ان کی عسکری استخبارات کی تنظیم اس قدر کمزور تھی کہ وہ انھیں زمین کے حالات سے آگاہ نہ کر سکی۔

مکی کمانداروں کا جبلِ اُحد کے جغرافیہ سے مکمل طور پر لاعلمی کا ثبوت اس بات میں بھی ہے کہ انھوں نے مدنی سپاہ پر عقب سے حملہ کرنے کا ارادہ تو کیا تھا مگر ایسا مقام چُنا تھا جو مدنی کماندار کی نگاہوں کے سامنے تھا، انھوں نے اپنے رسالہ کو بلندی کی طرف سے بڑھنے کے لیے استعمال کرنا چاہا مگر مدنی سپہ سالارؐ نے حضرت عمرؓ کو کچھ آدمی دے کر ان پر حملہ کرنے کا حکم دیا اور اس دستہ نے مکی رسالے کو بھگا دیا۔ یعنی مسلمانوں پر عقب سے حملہ کرنے کا خیال تو موجود تھا مگر جغرافیائی حالات سے لاعلمی نے انھیں اس

Marfat.com

خیال کو جامہ پہنانے سے محروم رکھا۔ اگر مکی سپہ سالار یا اس کے رسالہ کے کمانڈر کو جغرافیائی حالات کا مکمل علم ہوتا تو جس راستے سے حضور اقدسؐ صبح سویرے جبلِ اُحد کے اندرونی میدان میں داخل ہوئے تھے وہ اسی راستہ سے گزر کر جبلِ اُحد کے دونوں پروں کے اندر جو مدنی انتظامی عملہ تھا اسے روندتا ہوا مدنی سپاہ کی نئی پوزیشن کے عین عقب میں نمودار ہو سکتا تھا۔ مگر اہل مکہ کے سرداروں میں سے کسی نے اس راستہ کے استعمال کا خیال تک نہ کیا۔ اس روز مکہ کی اس لغزش سے یہ سبق بھی حاصل کیا جا سکتا ہے کہ میدانِ قتال کی مکمل دیکھ بھال ضروری ہوتی ہے۔ حضور اقدسؐ کی تمام لڑائیوں میں یہ بات مشترک ہے کہ آپؐ نے ہمیشہ زمین کا بہترین استعمال کیا۔ یہ بے عیب استعمال اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ زمین کو ہر پہلو سے دیکھ بھال کر، اس کے جغرافیہ کو ذہن میں اچھی طرح بٹھا کر اور پھر اپنی سپاہ اور دشمن کی سپاہ کی تعداد و نوعیت کا خیال رکھتے ہوئے اس طرح استعمال کیا جائے کہ جغرافیہ یعنی زمین کو مددگار عوامل میں سرفہرست شمار کیا جا سکے۔

بعد از وقت سوچی ہوئی تدابیر شاذ و نادر ہی سودمند ہوا کرتی ہیں۔ مکی سپہ سالار جبلِ اُحد سے لوٹ کر جب الروحہ کے مقام پر رکا اور اس مقام کو محفوظ سمجھ کر اس نے وہاں معسکر قائم کیا تو اس رات تو تھکے ماندے لشکر نے آرام کیا ہوگا۔ مگر دوسری صبح اس نے اپنے سرداروں سے ضرور گزشتہ روز کے واقعات پر تبادلۂ خیالات کیا ہوگا۔ اس تبادلۂ خیالات میں کئی ہوں گے جنھوں نے اس عجلت میں مکہ کو واپسی کے فیصلے پر نکتہ چینی کی ہوگی اور یہ کہا ہوگا کہ اگر وہ جبلِ اُحد سے نہ لوٹتے تو دوسری صبح یعنی "آج" مدنی سپاہ کو مکمل طور پر ختم کر سکتے تھے۔ اور مدینہ کو بھی تاراج کر سکتے تھے، ان کا منتہائے مقصود بھی تو یہی تھا کہ جو قوت ان کے نظامِ حیات کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اسے اس حد تک تباہ و برباد کر دیں کہ اس کا نام و نشان نہ رہے تاکہ آئندہ کسی عرب یا غیر عرب

Marfat.com

کہ ان کے محبوب نظامِ حیات کے خلاف آواز اٹھانے کی ہمت نہ ہو سکے۔

انھوں نے اس مہم کے لیے انتہائی محنت اور جانفشانی سے تیاری کی تھی، شاعروں نے بدر میں کام آنے والوں کے مرثیے کہے تھے، کعب بن اشرف جیسے یہودیوں نے انھیں مدینہ کو ختم کرنے پر اکسایا تھا اور اس دور میں رائج پراپیگنڈا کے سبھی گُر استعمال کیے تھے۔ ان باتوں کے بعد ہی اس مہم پر روانگی عمل میں لائی گئی تھی۔ مہم کے ساتھ عورتیں بھی تھیں جو رجز گا گا کر لشکر کی ہمت بڑھانے کا فریضہ انجام دینے کے لیے ساتھ آئی تھیں۔ اس طرح عجلت میں واپس جانے سے ان کی تیاری، ان کے اسلحہ پر اخراجات، ان کے اس سفر کی تکالیف اور آٹھ علم برداروں کی غیر معمولی جرأت یہ سبھی کچھ رائیگاں جا رہا تھا۔ درست، کہ انھوں نے مسلمانوں کے بہت سے آدمیوں کو شہید کیا تھا مگر بدر کے مقتولین کا بدلہ لے کر مکہ لوٹ جانے سے ان کے مقصدِ حیات کی کی تکمیل نہ ہوتی تھی بلکہ ان کی دشواریوں میں اضافہ ہونے کا احتمال تھا۔ ان کی اس بحث نے انھیں اس نتیجے پر پہنچایا کہ ابھی موقع ہاتھ سے نہیں گیا۔ مدینہ زیادہ سے زیادہ بارہ میل کے فاصلہ پر تھا۔ اس لیے کیوں نہ واپس جا کر اسے تاراج کیا جائے اور محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو ختم کیا جائے۔ یہ منتہائے مقصود انھوں نے مکہ میں اس وقت متعین کیا تھا جب اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابھی ان کے درمیان تھے اور محض مصلحت انھیں ان کو قتل کرنے سے وقتی طور پر روکتی رہی تھی۔

اس بحث کے بعد ابوسفیان نے فیصلہ کیا کہ واپس جا کر مدینہ پر ایک اور حملہ کیا جائے۔ اور مسلمانوں کی بیخ کنی کی جائے۔ اس نے ابھی واپسی کا سفر اختیار نہیں کیا تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ مدنی لشکر اس کے تعاقب میں روانہ ہو چکا ہے۔ اسے بتانے والے نے یہ بھی بتایا کہ محمدؐ آج بہت سی کمک لے کر ان پر حملہ کرنے آ رہے ہیں۔ یہ خبر تشویشناک تھی، اس لیے کہ وہ لشکر سمیت دیارِ غیر میں تھا۔ دیارِ غیر میں فتح کی صورت میں تو چاروں طرف سے تحسین و

Marfat.com

آفرین کے نعرے سننے میں آتے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ اردگرد کے پہاڑوں کی چوٹیوں سے بھی ان کی تعریف و توصیف کے کلمات گونج رہے ہیں مگر دیارِ غیر میں اگر شکست ہو جائے تو وہ اپنے ساتھ لاتعداد مصیبتیں لے کر آتی ہے، بھاگنے والوں کا بغیر سوچے سمجھے چہار اطراف میں منتشر ہو جانا، زخمیوں کی چیخ و پکار، پیچھا کرنے والوں کی للکار، غرضیکہ جانوروں اور انسانوں کی ہر آواز پہاڑوں کی چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر جو گونج پیدا کرتی ہے۔ اس سے "پکڑنا پکڑنا" کے الفاظ سننے میں آتے ہیں اور بے آب و گیاہ صحراؤں میں نامعلوم کتنا عرصہ مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور یہ جب بالآخر وطن پہنچ جاتے ہیں تو عرصہ تک نیندیں بھی اچاٹ رہتی ہیں۔ وہ دیارِ غیر میں شکست اور فرار کا تجربہ ایک بار کر چکے تھے۔ دوسری بار وہ یہ تجربہ نہ کرنا چاہتے تھے۔

اسے یہ خیال بھی گزرا ہوگا کہ بدر سے فرار آسان تھا، بدر تجارتی شاہراہ پر واقع تھا۔ اس کے لشکر کے افراد وہاں کے جغرافیہ سے کسی قدر واقف تھے۔ حمراء الاسد کسی جانے پہچانے مقام کے قریب نہ تھا، یہاں پر اگر شکست کا سامنا ہوا تو یہ تین ہزار کا لشکر تین ہزار لاشیں بن کر ہمیشہ کے لیے عبرت کا مقام بن جائے گا۔ خصوصاً جب مسلمان خاص طور پر ان کے تعاقب کے لیے گھر سے نکلے تھے۔ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے خیریت اسی میں محسوس کی کہ حمراء الاسد سے جس قدر جلد ہو سکے چلا جائے اور مدینہ سے طویل فاصلے میں اپنی خیریت ڈھونڈی جائے۔

ان کے اس غلط فیصلے میں بھی عسکری نوعیت کا ایک سبق موجود ہے۔ وہ یہ کہ سنی سنائی باتوں کو تصدیق کیے بغیر فوجی فیصلوں کی بنیاد نہ بنایا جائے، درست کہ انھیں راہ گزرتے والے قافلہ کے افراد نے یہ خبر دی تھی، خبر اس حد تک درست تھی کہ مسلمان ان کے تعاقب میں مدینہ سے نکل آئے تھے مگر فوجی کمانڈر کا فرض تھا کہ لڑاکا گشت بھیج کر مدنی لشکر کی تعداد معلوم کر لیتا۔ میدانِ قتال کے اندر اور اس کے قرب و جوار میں عسکری استخبارات کے

Marfat.com

حصول کا ایک اہم ذریعہ لڑاکا گشت FIGHTING PATROL ہوا کرتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ذریعہ کو استعمال کرتے رہتے تھے۔ ابوسفیان کا نظریۂ حیات چونکہ ایثار و قربانی کے اہم جذبہ سے عاری تھا اس لیے وہ لڑاکا گشت کے ذریعہ اپنی اطلاعات کو بڑھانے اور صحیح صورتِ حال معلوم کرنے کی طرف سوچ تک نہ سکا۔ اس کی محدود سوچ نے اسے جلد از جلد واپس مکہ جانے کے فیصلے کو مصلحتِ وقت قرار دے کر اسے مکہ کی راہ پر ڈال دیا اور جاتے ہوئے آئندہ سال بدر کے مقام پر مقابلہ کرنے کا وعدہ برقرار رکھتے ہوئے واپسی کے طویل سفر پر روانہ ہوگیا۔ وہ گمان بھی نہ کر سکا ہوگا کہ وہ یہ وعدہ بھی وفا نہ کر سکے گا۔

اور پھر جب وہ مکہ پہنچ گیا تو اس نے مدینہ کو کمزور کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا یہ کہنا کہ الرجیع کے واقعہ اور بئرِ معون کے حادثہ کی تہ میں مکہ کا ہاتھ نہ ہوگا، ذہن قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ حجاز اور نجد ہر دو علاقوں میں مکہ کا اثر و رسوخ گہرا تھا۔ اس اثر کو استعمال کرنا بھی قریشِ مکہ جانتے تھے۔ یہ کہنا کہ چونکہ تاریخ دان ان دو حادثات میں قریشِ مکہ کی ترغیب کا ذکر نہیں کرتے اس لیے وہ ان دونوں سے لاتعلق ہوں گے، کسی طرح قابلِ قبول نہیں۔ الرجیع کے دونوں قیدیوں کو خرید کر جس بے دردی سے قتل کیا گیا اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ مکہ ماقبل سے ایسے موقع کے انتظار میں تھے۔ قبیلہ بنو ہذیل کے افراد نے جب ان دو معلموں کو پکڑا تھا اسی وقت انھوں نے کہا تھا کہ وہ ان کو لے جا کر مکہ میں فروخت کریں گے[1] اس سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ ایسا کوئی منصوبہ ماقبل سے موجود تھا۔ عرب شخصی سطح پر خاص طور پر اور قبائلی سطح پر بھی دھوکہ و فریب کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ وہ قوم جس کا علم بردار ڈھال لیے بغیر مبارزت کے لیے یہ شعر پڑھتا ہوا

---

[1] ابن اسحاق۔ ح۔ س۔ صفحہ ۴۲۶۔

Marfat.com

آگے بڑھے کہ

"علم بردار کا حق ہے کہ اس کے علم کی چوب اس کے خون سے رنگین ہو۔"

دھوکہ دے کر دشمن کو مارنا شیوۂ مردانگی نہیں۔ اس کی سمجھ نہیں آسکتی، اس لیے اس فقیر کی رائے میں عرب میں ایسے حلقے بھی ضرور ہوں گے جنھوں نے ان واقعات پر اہلِ مکہ کی نکتہ چینی کی ہوگی۔ اس خیال کو اس وجہ سے بھی تقویت ملتی ہے کہ ایسے واقعات پھر دیکھنے یا سننے میں نہیں آئے۔

اس دور کے واقعات پر غور کرنے والوں نے دومۃ الجندل میں کچھ عرصہ کے لیے قافلوں کی آمد و رفت پر جو رکاوٹ پیدا ہوئی تھی اس کی طرف بھی توجہ دی ہوگی، درست کہ ان قافلوں میں قریش مکہ کے قافلے شامل نہ تھے اور اغلباً اکثریت مدینہ جانے اور وہاں سے آنے والے قافلوں کی ہوگی۔ اس کے باوجود چونکہ یہ علاقہ مدینہ کے زیرِ تسلط تھا اس لیے اس راستے میں جو تکالیف مدینہ کو ہو رہی تھیں ان پر قریشِ مکہ کو اطمینان نصیب ہوا ہوگا کہ اگر ان کے قافلے اس شمالی راستے کو استعمال نہیں کر سکتے تو مدینہ کے قافلے بھی تو خدشات محسوس کر رہے ہیں۔ مگر غزوہ دومۃ الجندل اور پھر حضورؐ کا وہاں ایک ماہ کے عرصہ تک ٹھہرے رہنے سے جس طرح حالات معمول پر آگئے تھے اس سے مدینہ کی عالمی ساکھ میں یقیناً اضافہ ہوا ہوگا اور ساتھ ہی قریش مکہ کی جانب سے مدینہ کو ختم کرنے کا مصمم ارادہ محکم تر ہوا ہوگا۔

خیالات، احساسات اور مسرت و تفکرات کا یہ مدوجزر ہر جنگ کے دوران موجود رہتا ہے، قلب و ذہن کے عمل اور ردِ عمل کی داستان تاریخ دان کی نظروں سے اوجھل ہی رہا کرتی ہے۔ ورنہ ایسی داستانوں کا تانا بانا اگر منظرِ عام پر لایا جائے تو دلچسپی سے خالی نہ ہوگا اور بہت سے ادوار کے اُلجھے ہوئے معاملات کے متعلق "کیوں، کس طرح اور کیسے" کے سوالات کا جواب میسر آجاتا۔

Marfat.com

اس دور کے مبصروں نے بدرِ موعود کے لیے قریشِ مکہ کے حسبِ وعدہ نہ پہنچنے پر رائے کا اظہار کیا ہوگا۔ اگر ابوسفیان مکہ سے روانہ ہی نہ ہوتا تو اس کے نہ آنے کا چرچا نہ ہوتا مگر جانوروں کے لیے چارہ میسر نہ آنے کا بہانہ کرکے لوٹ جانے سے مکہ کی ساکھ پر ضرور حرف آیا ہوگا۔ خود مکہ کے اندر اس دور کی قیادت کی پالیسی کے خلاف رائے کا اظہار یقینی تھا اس لیے کہ تجارت کے تمام راستے مسدود ہو چکے تھے، گوداموں میں پڑا ہوا سامان گل سڑ رہا ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حج اور عمرہ کے لیے مکہ کا سفر کرنے والوں کی تعداد میں بھی کمی واقع ہوگئی ہو۔ اس موقع پر ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو جلد از جلد کوئی سبیل پیدا کرنے پر اکسانے والوں کی کمی نہ ہوگی۔ اس فکر اور تشویش کے ماحول میں ان کا ذہن یہودیوں کی جانب سے امداد حاصل کرنے کے سوال پر کیوں نہ منتقل ہوا ہوگا۔ بدر کے بعد اور پھر اُحد کے بعد انھوں نے مدینہ کے اندر رہنے والے یہودیوں کو استعمال کیا تھا، بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ ان یہودیوں نے اسلام کی بیخ کنی کو ساجھے کا مسئلہ بنانے کی تجویز پیش کی ہوگی۔ اس مرحلے پر یہودیوں کی جانب سے سلسلہ جنبانی کی توقع بھی کی جا سکتی تھی۔

یہودی متموّل تھے، ان کے پاس وافر اسلحہ موجود تھا اور اقلیت ہونے کی وجہ سے ملک بھر میں بکھرے ہوئے تھے۔ مکہ کے اہل الرائے اگر اس نتیجہ پر پہنچے ہوں کہ اگر یہودیوں کی جانب سے اسلام اور مدینہ کو ختم کرنے کی تجویز پیش ہو تو اس میں مکہ کے لیے بہتری کے امکانات تھے یہودی اپنے آپ کو مظلوم سمجھ رہے تھے اس لیے ان کی جانب سے امداد کی پیش کش ہونے کے امکانات یقینی تھے۔ قریش مکہ کے سردار اس مرحلہ پر اس نتیجہ پر پہنچے ہوں گے کہ ان کی اپنی سیاسی اور معاشرتی برتری، دبدبہ اور اثر و رسوخ کے ساتھ ساتھ اگر اہل یہود کی رضاکارانہ امداد شامل ہوگئی تو کامیابی یقینی ہوگی، اس فیصلہ کے بعد ابوسفیان نے مقامی یہودیوں کے ذریعہ ضرور ایسے اقدامات ہاتھ میں لیے ہوں گے جن کے نتیجہ میں بالآخر خیبر

Marfat.com

کے یہودی خود چل کر قریشِ مکہ کی خدمت میں متحدہ محاذ قائم کرنے کی تجویز لے کر پیش ہوئے۔

مدینہ کے سپہ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی عسکری استخبارات کا ذکر آچکا ہے۔ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اس طرح کے تمام مباحث کا علم آپؐ تک من وعن پہنچتا رہا ہوگا۔ اگر یہود اور مشرکینِ مکہ اس بات کا فیصلہ کر چکے تھے کہ اسلام کو ختم کرنا ہے تو خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس بات کا فیصلہ کر چکے تھے کہ حق و صداقت کے آجانے کے بعد ظلمت و جہالت کو ختم کرنے کی کوشش کو جاری رکھنا آپؐ پر فرض تھا۔ اللہ کے فرستادہ آخری دین کی تبلیغ کا فریضہ آپؐ کو ودیعت ہو چکا تھا۔ اور آپؐ بھی آخری سانس تک اس فریضہ کے ادا کرنے کا مصمّم ارادہ کر چکے تھے۔ آپؐ کا فیصلہ کسی قبائلی تعصّب یا تحفّظِ کاروبار اور تجارت کے فروغ کے لیے نہیں تھا۔ آپ کا فیصلہ اس احساسِ ذمہ داری پر مبنی تھا جو اللہ کا عطا کردہ پیغام انسانیت تک پہنچانے کا فریضہ قبول کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوا تھا۔ اس پیغام کو آپؐ نے ایک فقید المثال معاشرہ قائم کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس معاشرے کی ایک خصوصیّت یہ تھی کہ وہ باطل کی تمام تر قوتوں کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اور اس معاشرے کو قبول کرنے والے زندگی کو سُود و زیاں سے بلند تر سمجھتے تھے۔ وہ فائدہ اور نقصان، اپنے مِٹ جانے یا قائم رہنے کو خاطر میں نہ لاتے تھے، بلکہ ہر موقع پر اور ہر لمحہ وہ الٰہ العالمین کے احکام کے مطابق اور ان احکام کی پابند زندگی کو معراجِ انسانیت تصور کرتے تھے۔

دیگر موقعوں کو اگر زیرِ مطالعہ نہ بھی لایا جائے اور صرف بدر اور اُحد کی لڑائیوں پر توجہ دی جائے تو واضح طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان دو لڑائیوں میں بجا طور پر یہ کہا گیا تھا کہ

"اے اللہ! اگر آج یہ چھوٹی سی جماعت ختم ہو گئی تو قیامت تک تیری

Marfat.com

عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔"[1]

اس لیے کہ یہ اللہ کے آخری پیغام کے قائم کردہ آخری دین کو قبول کرنے والی آخری امت کا تمام تر اثاثہ تھا۔ اگر یہ اثاثہ ان دونوں لڑائی کے میدانوں میں سے کسی ایک میں ختم ہو جاتا تو اس کے بعد اللہ نے کوئی پیغام نہیں بھیجنا تھا اور نہ ہی کوئی امت وجود میں آنی تھی جو اللہ کی دی ہوئی شریعت کے مطابق زندگی گزارتی، اللہ کی عطا کردہ شریعت پر انسانیت کے کاربند رہنے کے بغیر اللہ کی عبادت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اس نظریۂ حیات پر مبنی ایک تصورِ جنگ ابھر کر سامنے آتا ہے۔ اس تصورِ جنگ کے مطابق انسانی معاشرے میں مفاد پر مبنی جنگ کا وجود ہی نہیں، اس نظریۂ حیات کے مطابق ظلم، تشدّد اور استحصال کو ختم کرنے کے لیے ہی جنگ کا وجود تسلیم کیا گیا ہے۔ مگر جب ظلم اور تشدّد موجود ہوں یا باطل نظریات پر ایمان رکھنے والے حق و صداقت پر قائم رہنے والوں کے خلاف لشکر کشی کریں تو اس اللہ کے عطا کردہ آخری نظریہ حیات کو تسلیم کرنے والوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ اب وہ گھروں میں بیٹھ کر باطل کی برتری کو قبول نہیں کر سکتے۔ یعنی باطل کتنا ہی طاقتور ہو اور وہ خود کتنے ہی کمزور ہوں انھیں اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا (التوبہ ۹ : ۴۱) کے حکم کے تحت جنگ کے لیے میدانِ قتال کا رخ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ بدر و اُحد میں شرکت اسی نظریۂ حیات پر عمل کرتے ہوئے عمل میں لائی گئی تھی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو دونوں موقعوں پر کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر لڑائی کو مؤخر کیا جا سکتا تھا

---

[1] ابن اسحاق اور ابن ہشام اس فقرہ کو بدر کے ساتھ منسوب کرتے ہیں، ابن اسحاق، ج۔س۔ صفحہ ۳۰۰۔ بعض تاریخ دان اسے اُحد کے ساتھ منسوب کرتے ہیں، دونوں مواقع ایسے تھے اور دونوں کے دوران مسلمان اس ایمان کامل سے لڑے جسے تا حدِ شہادت لڑنے کا فیصلہ کہا جاتا ہے اس لیے معانی و مفہوم کے لحاظ سے یہ فقرہ دونوں موقعوں پر درست اترتا ہے۔

Marfat.com

البتہ ایسا عمل اسلام نہ ہوتا، سیاستِ دنیوی کا مظہر ہوتا۔ اس سے صرف ایک بات اخذ ہوتی ہے کہ سپہ سالارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فوجی ANALYSIS OF اور اس پر مبنی حالات کا ہر جائزہ MILITARY SITUATION APPRE- منشائے خداوندی کے مطابق ہوا CIATION OF SITUATION کرتا تھا۔

آپؐ کو دفاعِ ملت و ریاست کا حکم مل چکا تھا[1]۔ اور اس دفاع کے لیے میدانِ قتال کا رخ کرنے کا حکم بھی موصول ہو چکا تھا[2]۔ خالقِ کائنات نے یہ بھی فرما دیا تھا کہ آپؐ نے سوائے اس کی ذات کے اور کسی پر بھروسا نہیں کرنا تھا اور اگر آپؐ اکیلے بھی رہ جائیں تو اس جنگ کو جاری رکھنا تھا۔ ہاں مسلمانوں کو اس جنگ کی ترغیب دیتے رہنا تھا[3]۔

ان احکامات کی روشنی میں واضح طور پر یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ اسلام کو سمجھنے والے جان سکتے تھے کہ عبداللہ بن ابی کا تین سو منافق افراد کے ساتھ میدانِ جنگ سے منہ موڑ لینا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اگر آپؐ کو تن تنہا بھی میدانِ قتال کا رخ کرنا پڑتا تو آپؐ کا فیصلہ یہی ہوتا جو ۱۵ شوال ۳ھ کی صبح کو ہوا تھا۔ آپؐ نے رخصت لیے بغیر جانے والے افراد کو کچھ کہنا سننا بھی مناسب نہ سمجھا تھا۔ آپؐ کو صبر اور استقلال کا حکم تھا اور صبر و استقلال ایمانِ محکم کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ امت کے سوادِ اعظم سے علیحدہ ہونے کی منت سماجت کرنیوالوں میں یہ خوبیاں پیدا نہیں ہوتیں۔ یہ جنگ اللہ کو مدد دینے والی جنگ کہلائی گئی ہے اور یہ فی سبیل اللہ کا مقام رکھتی ہے جو اللہ کی مدد کرتے ہیں، اللہ ان کی مدد کرتا ہے[4] اور جنھیں

---

[1] خُذُوْا حِذْرَكُمْ (النساء ۴ : ۷۱)

[2] قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ (البقرہ ۲ : ۱۹۰)

[3] حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ (النساء ۴ : ۸۴، الانفال ۸ : ۶۵)

[4] محمد ۴۷ : ۷

Marfat.com

اللہ کی مدد میسر آتی ہے ان پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔[1] حضورؐ جو جنگ لڑ رہے تھے اس میں آپؐ کی ذاتی خواہش کو دخل نہ تھا۔ یہ اللہ کے عطا کردہ نظامِ حیات کو قائم کرنے کی جنگ تھی۔ آپؐ کو یقین تھا کہ اسے ہر صورت کامیاب ہونا ہے۔

اُحد کے میدان میں جو کچھ ہوا حضور اقدسؐ نے اسے صبر و شکر سے قبول فرمایا، پہلے پہر کی کامیابی، دوپہر کی آزمائش اور سہ پہر دشمن کا از خود میدانِ قتال سے چلا جانا یہ سب کچھ اللہ کی جانب سے تھا۔ آپؐ نے سورج ڈھلے واپسی کے وقت ہر ایک کو تسلی دی، اور صبر و شکر کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنے کی تلقین فرمائی۔ آپؐ کا حمراء الاسد جانا بھی احکامِ خداوندی کے عین مطابق تھا، درست کہ فوج کا تقریباً ہر فرد زخمی تھا اور سبھی تھکے ماندے تھے۔ مگر دشمن بھی تو تھکا ماندہ تھا اور اس کا تو اللہ پر ایمان نہ تھا اس لیے کوئی وجہ نہ تھی کہ ایسے دشمن کا تعاقب نہ کیا جاتا۔

ہجرت سے بدر تک کے دور کی طرح، بدر سے اُحد تک کے دور کی مہموں کی قیادت سربراہِ ریاست و مملکتِ مدینہ نے اپنے ہاتھ میں رکھی، ابھی حالات اس درجہ پُرسکون نہیں ہوئے تھے کہ آپؐ کے ہاتھوں تربیت یافتہ اصحابؓ کو اہم مہموں کی کمان سونپی جاتی، اور یہ بات بھی تو آپؐ ہی جان سکتے تھے کہ آپؐ کے ان نائب کمان داروں میں سے کون کس قدر صلاحیت حاصل کر چکا ہے۔ ان اصحابِ رسولِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے نورِ خدا دنیا کے دور دراز حصوں تک پہنچانا تھا۔ ان ہی میں سے بلند مرتبت قائدین نے منتظم اور غیر معمولی صلاحیتوں کے فوجی کمان دار بن کر ابھرنا تھا۔ مگر سپاہِ مدینہ کی مستقبل کی فتوحات اللہ کے سوا کون جان سکتا تھا۔ اس سپاہ نے مواقع میسر آنے پر کرۂ ارضی کے جغرافیائی، سیاسی، علمی اور معاشرتی نقشوں میں ایسی ایسی تبدیلیوں کا باعث بننا تھا جنھوں نے صدیوں تک

---

[1] آل عمران ۳: ۱۶۰

Marfat.com

علومِ انسانی کا قبلہ مراکزِ اسلام کی جانب بنائے رکھنا تھا۔ اس سپاہ مدینہ کی عمومی ساخت نے دنیا میں قیصر وکسریٰ کے استبداد کو ختم کر کے عوام الناس کی عزتِ نفس کو بلند کرنا تھا اور مساواتِ انسانی کی وہ مثالیں پیش کرنا تھیں جو دوسری اقوام صدیوں تک حاصل نہ کر سکیں گی۔

یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے بغیر مساواتِ انسانی کے اصول پر عمل تو کجا اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ ایسے معاشرے بھی موجود ہیں جو تصدیقِ قلب سے محروم ہونے کی وجہ سے محض زبانی اسلام کے نام لیوا بننے کے باوجود مساواتِ انسانی پر عمل نہیں کر سکتے۔ اور جب یہی معاشرے اللہ پر مکمل ایمان لے آتے ہیں تو ذات پات اور رنگ و نسل سے بے نیاز ہو کر مساواتِ اسلامی اور اخوّتِ اسلامی کے فیوض سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں۔

اس دور کے واقعات کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات نگاہ میں رکھنا بھی ضروری ہے کہ دفاعِ ریاست کے علاوہ آپ نے اجتماعی امور کے کن پہلوؤں پر نسبتاً زیادہ توجہ فرمائی۔ داخلی امور ماقبل کے دور کی طرح اس دور میں بھی اہمیت کے حامل تھے، مگر آپؐ مدینہ کے اندرونی امن وامان سے مطمئن تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کا مہموں پر جو وقت صرف ہوتا رہا اس کے علاوہ بھی مہموں کے علاقہ میں کئی کئی دن قیام فرماتے رہے۔ یوں اس طرح آپؐ کے قیام کے نتیجہ میں ان علاقوں کے امن وامان میں بہتری کے علاوہ تبلیغ دین کے فرائض بھی انجام پذیر ہوتے رہے۔ یہی تو حضور اقدسؐ کا فرضِ اوّلین تھا اور یہی وجہ تھی کہ جب کبھی کسی قبیلہ سے مبلّغین روانہ کرنے کی درخواست موصول ہوتی، آپؐ وہاں کے سفر کے خطرات سے آگاہ ہوتے ہوئے بھی مبلّغین کو وہاں روانہ فرماتے رہے۔ آپؐ قریشِ مکہ یا کسی دوسرے دشمن کے خاتمے یا شکست کے خواہاں نہ تھے، آپؐ کے پیشِ نظر تو ان تک دینِ اسلام پہنچانا تھا۔ اگر وہ ختم ہو جاتے تو ان تک اللہ کا پیغام

Marfat.com

کیسے پہنچتا۔ آپؐ کی جنگ تو "حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ" (البقرہ ۲ : ۱۹۳) تک تھی۔ میثاقِ مدینہ کی اوّلین شق کے مطابق "جنھوں نے ان مسلمانوں کی پیروی کی، اور ان سے مل کر جہاد کیا وہ باقی دُنیا کے مقابلہ میں ایک ہی امت ہوں گے"۔ اور ایسے لوگوں کو اسلام کی پیروی کے بعد امت کے ارکان بنانا مقصود تھا۔

Marfat.com

چھٹا باب

غزوۂ احزاب

Marfat.com

غزوۂ احزاب

مدینہ کے شمال، مشرق اور مغرب میں یوں تو امن و امان قائم کیا جا چکا تھا مگر نجد کے دو قبائل بنو غطفان اور بنو سُلیم جو خیبر کے یہودیوں کے حلیف تھے اور قریشِ مکہ کے ایماء پر بارہا مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر چکے تھے اور چند بار حملے کے مرتکب بھی ہو چکے تھے وہ ابھی مخالفت کی راہ پر قائم تھے۔ یہی حال خیبر کے یہودیوں کا تھا۔ جنوب میں قریشِ مکہ اور ان کے بہت سے ساتھی جنگ پر کمربستہ تھے مگر خاموش تھے۔ یہ خاموشی کسی بڑے فتنہ کی غمازی کر رہی تھی، خیبر کے یہودیوں اور قریشِ مکہ یا دوسرے قبائل کے درمیان جو آمد و رفت جاری تھی یا جو نامہ و پیام کا سلسلہ جاری تھا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے خبر نہ تھے۔ مگر جس پیمانے پر دشمن تیاریاں کر رہے تھے اس کا سدِّ باب یہ نہ تھا کہ انھیں علیحدہ علیحدہ ان کے اپنے علاقوں میں شکست دی جاتی، یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس فتنہ کو ختم کرنے کے لیے آپؐ انھیں یکجا ہو کر میدان میں آنے دینا چاہتے تھے۔ اگر خیبر کے یہودیوں اور قریشِ مکہ کے جغرافیائی مقام اور ان کی اور ان کے حلیفوں کی طاقت کو پیشِ نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان پر حملہ کر کے انھیں علیحدہ علیحدہ شکست دینے کی کوشش میں مدینہ کو کافی طویل عرصہ کے لیے دوسرے فریق کے رحم و کرم پر چھوڑنا پڑتا تھا۔ مثال کے طور پر اگر آپؐ قریشِ مکہ پر براہِ راست حملہ آور ہوتے اور تین سو میل کا سفر طے کر کے مکہ کا محاصرہ کرتے تو مکہ کے

Marfat.com

حلیف اتنے زیادہ تھے کہ وہ آپؐ کے لشکر کو گھیرے میں لا سکتے تھے۔ تین ہزار کا لشکر تین سو میل دور غیر معروف علاقہ میں اگر بیس تیس ہزار کے لاتعداد لشکروں کے گھیرے میں آجاتا تو آپؐ کے لشکر کے لیے مدینہ واپسی بھی مشکل ہو جاتی۔ اور آپؐ کی اور آپؐ کے لشکر کی مدینہ سے طویل غیر حاضری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے خیبر کے یہودی اور نجد کے بنو غطفان، اور بنو سُلیم سولہ ہزار کی تعداد کے لشکروں سے مدینہ کو تاراج کر سکتے تھے۔ اس لیے یہ سوچنا کہ آپؐ نے ان دشمنوں کی تیاریوں کے باوجود یہ کوشش کیوں نہ فرمائی کہ ان کے ساتھ علیٰحدہ علیٰحدہ مقابلہ کر کے ان کا عظیم اجتماع روک لیا جائے۔ اس سے قبل آپؐ نے کئی بار مختلف قبائل کو مدینہ کے خلاف حملہ کی تیاری کے دوران علیٰحدہ علیٰحدہ شکست دے کر انھیں مدینہ پر حملہ کرنے کے ناقابل بنا دیا تھا۔ مگر ان سب کی موجودہ تیاریاں گو آپؐ سے مخفی نہ رہ سکتی تھیں، فاصلوں کی دُوری اور تعداد کے انتہا درجہ زیادہ ہونے کے پیشِ نظر آپؐ اس موقع پر مہاجمانہ تزویرات OFFENSIVE STRATEGY پر عمل نہ کر سکتے تھے۔

یہ سمجھنا درست نہیں کہ غزوۂ احزاب کے لیے دشمن جزیرۃ العرب کے دُور دراز علاقوں سے اور حجاز و نجد کے بڑے بڑے قبیلوں کے لشکروں کو مہینوں یکجا کرنے کی تجاویز اور تیاریاں کرتا رہا ہو اور حضور اقدسؐ کو ان تیاریوں کی خبر تک نہ پہنچی ہو۔ آپؐ کو اس سے قبل شام کی سرحد تک کی ایسی کوششوں کی اطلاعات مل جایا کرتی رہی تھیں، آپؐ کی عسکری استخبارات کا معیار انتہائی بلند تھا۔ ہر قبیلہ اور ہر علاقہ کے اندرونی راز آپؐ تک ہر وقت پہنچتے رہتے تھے مگر اس موقع پر دشمن اتنے دور دراز علاقوں پر پھیلا ہوا تھا کہ بہترین حکمتِ عملی اور فنی اعتبار سے مناسب ترین تزویرات STRATEGY یہ تھی کہ انھیں یکجا ہونے دیا جائے اور پھر ان کا مقابلہ کیا جائے۔ اس فقیر کے خیال میں آپؐ نے دفاع کے طریقہ پر بھی ماقبل سے غور فرما لیا ہوگا، مگر دفاعی معاملات میں آپؐ اور آپؐ کی

Marfat.com

کابینہ کے افراد انتہائی اہم رازوں کو محفوظ رکھ سکتے تھے۔ یہ اطلاعات منظرِ عام پر اس وقت پہنچیں جب آپؐ کو اطلاع ملی کہ دشمن مختلف اطراف سے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہو چکا ہے۔

غزوۂ احزاب کے موقع پر جس انداز میں ان اطلاعات کا حضورؐ تک پہنچنا کُتبِ تواریخ میں پیش کیا گیا ہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی خط تھا، جس میں قریشِ مکہ کے روانہ ہونے کی اطلاع دی گئی تھی۔ جو اقدامات آپؐ نے فوری طور پر ہاتھ میں لیے، ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کو دشمنوں کی تعداد اور دوسری تفاصیل سے پوری پوری آگاہی تھی۔ حجاز اور نجد کے بارہ کے قریب قبائل مختلف سمتوں سے، اور مختلف مقامات سے روانہ ہوئے تھے، ایک ہی خط میں ان سب کا ذکر نا ممکن تھا، اس لیے کہ یہ خط تیاری کے متعلق اور منصوبے کی تفاصیل سے متعلق نہ تھا بلکہ اس آخری خط کی نوعیت یہ تھی کہ قریشِ مکہ حملہ کے لیے فلاں تاریخ کو روانہ ہوئے ہیں۔ قاصد اور حملہ آور اگر ایک ہی روز روانہ ہوئے ہوں گے تو آپؐ کو تیاری کے لیے صرف اتنا عرصہ مل سکتا تھا جو قاصد کی تیز رفتاری اور قریش کے لشکر کی سُست رفتاری کے مابین فرق کا نتیجہ ہو سکتا تھا۔ آپؐ قریش کے لشکر کی متوقع آمد کے ساتھ دوسرے لشکروں کی آمد کا اندازہ صرف اسی صورت لگا سکتے تھے جب آپؐ کو ان سب کی ماقبل سے اطلاع ہوتی کہ فلاں قبیلے کے اتنے سپاہی حملہ آور قریش کے لشکر میں شامل ہونے کی توقع ہے۔ اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ غزوۂ احزاب سے متعلق جس اطلاع کا ذکر کتبِ تواریخ میں موجود ہے وہ آخری اطلاع تھی کہ آج قریش کا اتنا بڑا لشکر مکہ سے روانہ ہو چکا ہے۔ اب آپؐ پر منحصر تھا کہ آپؐ قریشِ مکہ کے ساتھ جس جس قبیلہ نے حملہ میں شامل ہونے کا وعدہ کر رکھا ہے ان کی جانب سے آنے والی ماقبل کی خبروں کے ساتھ اس موقع پر پہنچنے والی اطلاع کو یکجا کر کے اندازہ لگاتے کہ اس متحدہ عسکری وفاق کی کل تعداد کتنی ہو گی اور اس کے

Marfat.com

خلاف اپنی محدود عسکری قوت کو کس طریقہ پر استعمال کیا جائے کہ ریاستِ مدینہ کا کامیابی سے دفاع کیا جا سکے۔

کہا گیا ہے کہ آپؐ کو جب قریش کے لشکر کے روانہ ہونے کی اطلاع ملی تو آپؐ نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا فیصلہ کیا۔" خود بھی خندق کھودنے میں شامل ہو گئے اور لوگوں کو جنت کی بشارت دیتے رہے[1]"۔ مسلمانوں نے بڑی محنت اور گرم جوشی سے کام کیا منافقین البتہ بے دلی سے کام کرتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیے بغیر اپنے گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا بہانہ کر کے چلے جاتے تھے۔ مسلمان اگر جانا چاہتے تو وہ اجازت لے کر جایا کرتے تھے[2]۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ قریشِ مکہ اور ان کے حلیف قبائل جو اس حملے میں قریش کے ساتھ شامل تھے اور خیبر کے یہودی، یہ تمام یکے بعد دیگرے وہاں پہنچے اور ایک دوسرے سے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر اپنے اپنے معسکر قائم کیے۔ قریش کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ الجوف اور زغابہ کے درمیانی علاقے میں آ کر ٹھہرے۔ بنو غطفان جو نجد یعنی مدینہ کے شمال سے آئے تھے وہ ان کے قریب ہی ذنب نقمہ میں آ کر رُکے۔ یہ مقام بھی اُحد کی جانب ہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ قریش مکہ اور ان کے حلیفوں نے مدینہ کے باہر اجتماع کے لیے ماقبل سے اکٹھے ہونے کے دن اور تاریخ کا فیصلہ کر لیا تھا۔ یہی فیصلہ خیبر کے یہودیوں اور قریشِ مکہ کے درمیان ہوا ہو گا۔ مختلف سمتوں سے آنے والے لشکروں کا یکجا ہونا تو مشکل نہ تھا، البتہ اگر انھوں نے حملے کا کوئی جامع منصوبہ بنایا ہو تو اس کا پتہ نہیں۔ قریشِ مکہ اور خیبر کے یہودیوں کا عسکری استخبارات کے متعلق توجہ دینے کا خیال کہیں نظر نہیں آتا، اس لیے

---

[1] ابن اسحاق۔ ح۔س۔ صفحہ ۴۵۰۔

[2] ایضاً صفحہ ۴۵۱۔ ان کا ذکر سورۂ نور میں آیا ہے (النور ۲۴: ۶۲)

Marfat.com

کہ انھیں مدینہ پہنچنے تک خندق کا علم نہ تھا۔

تاریخ کی بعض کتابوں میں درج ہے کہ حضور اقدسؐ کو خندق کھودنے کا مشورہ حضرت سلمان فارسیؓ نے دیا تھا۔ ابن اسحاق اس بات کا ذکر نہیں کرتا۔ اس کے متعلق ابن ہشام میں صرف اتنا ذکر ہے "سلمان (فارسی) نے رسول اللہؐ کے سامنے اس کا اشارہ کیا"[1]

حضرت سلمان فارسیؓ کی طرف سے واضح طور پر ذکر کہ خندق کھود لی جائے، پہلی بار واقدی نے اپنی کتاب المغازی میں کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ سلمان فارسیؓ نے کہا:۔

"جب ہم ارضِ فارس میں تھے اور رسالے کا خوف ہوتا تھا تو ہم اپنے گرد خندق کھود لیتے تھے، کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم خندق کھودیں، مسلمانوں نے سلمانؓ کی رائے پر تعجب کا اظہار کیا"[2]

خیال رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کے موقع پر شہر کے اندر رہ کر دفاع کرنے کے منصوبے کا خیال ظاہر فرمایا تھا جسے نوجوانوں کے اصرار پر ترک کر دیا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ حضور اقدسؐ کے ذہن میں اس طرح کا کوئی منصوبہ اس وقت بھی ہو جس کی نوعیت کا اظہار آپؐ نے نہ فرمایا ہو، اس وقت دشمن کی تعداد صرف تین ہزار تھی، اس بار دشمن کی تعداد چوبیس ہزار سے تجاوز کر چکی تھی۔ اگر اس وقت بھی آپؐ کے ذہن میں اس طرح کی کوئی رکاوٹ کھڑی کرنے کا خیال تھا تو وہ رکاوٹ غزوۂ احزاب کے موقع پر کھودی گئی خندق سے کمتر ہوگی۔

ابن اسحاق کی سیرت کی کتاب اس موضوع پر سب سے پرانی کتاب ہے، اس کے اندر سلمان فارسیؓ کا ذکر نہ ہونا اس روایت کے موضوع ہونے کا شک پیدا کرتا ہے۔ قرائن

---

[1] ابن ہشام۔ ح۔ س۔ جلد سوم۔ صفحہ ۲۴۰۔

[2] واقدی۔ ح۔ س۔ جلد دوم۔ صفحہ ۴۴۵۔

Marfat.com

سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ خندق کا فیصلہ خود سرورِ دوعالمؐ کا تھا اور خندقی لڑائی TRENCH WARFARE کی پیچیدگیاں دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال اور یہ فیصلہ اور اس پر تفصیل سے عمل اور محاصرے کے دنوں میں یعنی تقریباً ایک مہینہ کے طویل عرصہ کے دوران اس خندق کے ذریعہ مملکت کے صدر مقام کا دفاع یعنی خندق سے متعلق تمام امور سپہ سالارِ اعظمؐ کے مشورے اور فیصلے کے مطابق ہوتے رہے۔ حضور اکرمؐ صحابہؓ سے مشورہ لیتے تھے۔ اس طرح کے مشورے قبول بھی فرماتے تھے اور ردّ بھی کر دیتے تھے، مگر غزواتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تفصیلی مطالعہ سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ فنِ حرب اور اس کی جزئیات سے متعلق کوئی صحابیؓ بھی اتنی واقفیت اور اتنا علم نہ رکھتا تھا کہ کھل کر آپؐ کو مشورہ دینے کی جرأت کر سکتا۔ حضور اقدسؐ نے پچاس سے زائد سرایا مدینہ سے باہر روانہ فرمائے۔ ان کی روانگی سے قبل کسی فرد سے استخبارات اور مہم میں شریک ہونے والوں کی قیادت یا دوسری باتوں کا کبھی مشورہ طلب نہیں کیا۔ آپؐ کی روانہ کی ہوئی مہموں میں سے ایک مہم بھی ناکام نہیں لوٹی۔ جن غزوات میں آپؐ نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی ان کے تزویراتی اور تدبیراتی پہلوؤں پر سوائے بدر کے اور کہیں کوئی اشارہ کسی کتاب میں نہیں ملتا کہ کسی صحابیؓ نے آپؐ کو جنگی پوزیشن یا زمین کے استعمال کے متعلق کسی طرح کا مشورہ دینے کی جرأت کی ہو۔ بدر کے مقام کا تفصیلی مطالعہ اور اس پورے علاقے کی دیکھ بھال کے بعد یہ فقیر معلوم نہ کر سکا کہ وہ کونسی جگہ ہو سکتی تھی جہاں آپؐ نے دفاعی پوزیشن لینے کا ارادہ فرمایا ہو اور پھر ایک صحابیؓ نے یہ پوچھا ہو کہ یہ فیصلہ آپؐ کا ذاتی ہے یا وحی پر مبنی۔ اور جب آپؐ نے فرمایا کہ یہ فیصلہ آپؐ کا ذاتی ہے تو اس صحابیؓ نے دوسرے مقام پر پوزیشن لینے کا مشورہ دیا، جو آپؐ نے قبول فرمایا۔ بدر کے مقام پر صفوں کا بنانا جو اس سے قبل عرب میں مستعمل نہ تھا، تیر اندازوں کو اس پہلو پر تعین کرنا جس کی جانب سے رسالے کے حملے کا احتمال تھا، پانی

Marfat.com

کے لیے حوض بنانا، عقب کی جانب جو راستہ جاتا تھا اس پر ایک ٹولی متعین کرنا، غرضیکہ اگر یہ دفاعی پوزیشن آپؐ کی چنی ہوئی نہیں تھی تو اس پر تفصیلی دفاعی احکامات آپؐ کے ذہن میں کس طرح آئے۔ یا یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ چونکہ اس دفاعی پوزیشن پہ فوج کے مختلف حصوں کو مختلف فرائض سونپنے اور ان کو علیحدہ علیحدہ پوزیشنوں پر متعین کرنے کا فیصلہ آپؐ کا اپنا تھا اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ پوزیشن آپؐ کی اپنی پسند کا نتیجہ تھی۔

بیسویں صدی میں پہلی عالمی جنگ کے دوران خندق کا استعمال دونوں جانب سے کیا گیا۔ ایک مصنف لکھتا ہے:۔

"جو فوج ہتھیاروں سے لیس ہو کر خندق کا استعمال کرتی ہے اسے اپنے مقام سے ہٹانا آسان کام نہیں[1]"

یہی دقت مکی حملہ آوروں اور ان کے حلیفوں کو پیش آئی۔

غزواتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی سپہ سالار یا کسی سربراہِ مملکت کی قیادتِ سپاہ کا ماحاصل نہیں ہیں۔ یہ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل جنگ کا لبِ لباب پیش کرتے ہیں۔ اس جنگ کے دوران بہت سے اصول عملی طور پہ مرتب ہوئے اور ان اصولوں نے قیامت تک کے لیے امتِ مسلمہ کی رہبری کرنی ہے۔ یہ اس فردِ واحدؐ کے قلب و ذہن کی وارداتِ عشقِ الٰہی کا نتیجہ ہیں جسے خاص اہتمام کے ساتھ کہا گیا تھا کہ وہ ہمہ وقت اس بات پر کاربند رہے کہ اس کا ہر عمل اللہ کی راہ میں پیش ہو رہا ہے۔

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۶: ۱۶۲)

اور ہر وہ لمحہ جو صفِ دل سے اللہ کی راہ میں گزارا جائے اس کے دوران سرِ مو تک کی

---

[1] مائین ہین۔ ر۔ س۔ صفحہ ۱۲

غلطی بھی ممکن نہیں۔

یہ اس اُمّی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالی لڑائیاں ہیں جن کی تربیت خود خالقِ ارض وسما نے کی تھی اور جن کا تمام علم خداداد تھا۔ اور جس کے تصورات، جس کے خیالات، جس کے قول و فعل اور جس کے صبر و استقلال اور شوقِ شہادت کی مثال قیامت تک قائم رہنی ہے۔ اس "اُمّی"، نبیؐ کی تربیت نے "اُمّیوں" کو "جہاں گیر و جہاں باں" بنایا۔ اس امت کے ہم جیسے گنہگار و عاصی افراد، اشجع الناسؐ کے دلیر اور ہمہ وقت شہادت کے طلبگار صحابہؓ کی خاکِ پا کے برابر بھی نہیں۔ یہ صحابہؓ آپؐ ہی کی تربیت کا شاہکار تھے۔ جو اس سے قبل محض خاک کے پُتلے تھے۔ جس طرح صحابہ آپ کے احکام کے مطابق عمل کر کے وارثِ دنیا بنے اسی طرح آج بھی یہ امت ان بلند مقامات پر فائز ہو سکتی ہے۔ ہاں شرط یہ ہے کہ تسخیرِ کائنات کا سفر اللہ کی فرستادہ مثالی سیرتؐ کے مطابق طے کیا جائے۔

اس فقیر نے غزواتِ ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نگاہ سے دیکھا ہے کہ یہ اللہ کے آخری رسولؐ، آخری نبیؐ اور آخری حاملِ وحیِ ربانیؐ کا طریقِ دفاعِ ملّت اور ملّت کے رہنے بسنے والی سرزمین کا ہے اور اسی کے اتباع کے ذریعہ یہ ملّت قیامت تک اپنا دفاع کرنے کے قابل بن سکے گی۔ الٰہ العالمین نے دفاعِ ملّت ہی کے ذکر کے ساتھ آپؐ کی سیرت کے مطابق زندگی گزارنے کا حکم فرمایا ہے[1]۔

اس فقیر نے جہاں کہیں سیرت نگاروں کی رائے سے اختلاف کیا ہے وہ صرف اس لیے

---

[1] سورۂ احزاب میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو جہاد سے کتراتے ہیں اور موت کے خوف سے جہاد فی سبیل اللہ سے بچنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور یہ کہ دشمن سے فرار موت سے نہیں بچا سکتا (۳۳ : ۱۱ - ۲۰) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جسے قیامت کے روز اللہ سے ملنے کی تمنا ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے۔ یعنی جہاد فی سبیل اللہ کی تمنا، کوشش اور شرکت کرے (احزاب ۳۳ : ۲۱)

Marfat.com

کیا ہے کہ وہ آراء واقعات وحالات کی روشنی میں درست نہ تھیں۔ اس فقیر نے غزواتِ نبویؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق جو کچھ بھی لکھا وہ حضور اقدسؐ کی اس حدیث کو ہمہ وقت سامنے رکھ کر لکھا کہ "جو کوئی میرے متعلق دانستہ غلط بیانی کرے گا وہ اپنے لیے اپنی نشست دوزخ میں محفوظ کرے گا" اللہ کے محبوب ترین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی روشنی میں اس فقیر کی کیا مجال کہ محکم دلائل کے بغیر وہ آراء جو صدیوں سے قبولیت حاصل کر چکی ہیں ان سے اختلاف کرے۔ مگر دلائل کی موجودگی میں خاموشی، صداقت کو چھپانے کے مترادف قرار پائے گی۔

سلمان فارسیؓ کا خندق کھودنے کا مشورہ دینا اس لیے بھی قابلِ قبول نہیں کہ جہاں تک قلعوں کا تعلق ہے ان کے گرد خندق برصغیر پاک وہند سے لے کر ہسپانیہ تک کھودی جاتی تھی۔ اس طرح کی خندق کا ایران میں ہونا کسی طرح عجیب بات نہ تھی، یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ اس فقیر نے ایران میں کافی عرصہ گزارا ہے اور تین صوبوں میں قحط کے ایام میں زمینداروں سے خوراک جمع کرنے کی مہم کے سلسلہ میں صوبائی سطح پر گورنروں کے مشیر کے فرائض انجام دیئے ہیں مگر کسی شہر یا آبادی کے گرد کسی خندق کے آثار نہیں دیکھے اس فقیر نے اکثر ممالک میں قلعے دیکھے ہیں۔ ایران ایسا واحد ملک ہے جہاں کوئی قلعہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ ممکن ہے جن دو چار شہروں تک اس فقیر کی رسائی نہیں ہوئی وہاں قلعے موجود ہوں اور ان کے گرد خندق کے آثار بھی موجود ہوں۔ مگر ایران کا وہ علاقہ جسے فارس کہتے ہیں وہاں کسی قلعہ کے نشان نظر نہ آئے، جنوب میں شوش، شوشتر، اور اندمشک پرانے شہروں میں شامل ہوتے ہیں وہاں زیرِ زمین مکان تو ضرور نظر آئے، کسی قلعہ کے آثار نظر نہ آئے۔ زمانہ کی گردش ان کے نشانات مٹا چکی تھی۔

دوسری بات جو قابلِ توجہ ہے وہ سلمان فارسیؓ کے قول کا یہ حصہ ہے کہ "جب ہم ارضِ فارس میں تھے اور رسالے کا خوف ہوتا تھا تو اپنے لیے خندق کھود لیتے تھے" کسی

Marfat.com

کتاب میں ذکر نہیں کہ سلمان فارسیؓ نے کونسی لڑائیوں میں حصہ لیا تھا، جہاں دشمن نے گھوڑوں کا استعمال کیا ہو۔ حضرت عمرؓ کے دور کی ان لڑائیوں میں کہیں ایران کے رسالے کا غیر معمولی ذکر نہیں۔ اکثر و بیشتر پیادہ فوج کی صف بندی اور ان کے سوار سپہ سالاروں یا ہاتھیوں کا ذکر ہے۔ ایران اور بازنطین کی جنگ عراق، فلسطین، شام اور ارضِ روم تک محدود نہیں تھی۔ وہ ایران کی اپنی سرحدوں تک جا پہنچی تھی، مگر کہیں ایران کی فوج کی طرف سے خندق کا استعمال مطالعہ میں نہیں آیا۔

جہاں تک ایران کی معروف قدیم لڑائیوں کا ذکر ہے ان میں کہیں ذکر نہیں کہ ایران کی فوج نے خندق کا استعمال کیا ہو۔ جب سکندر مقدونی نے ۳۳۲ ق۔م میں ایران پر حملہ کیا تھا تو دارا کے خلاف اربیلا کی لڑائی کے موقع پر سکندر نے اپنے معسکر کے گرد خندق کھودی تھی[1]۔ اس سے چار میل کے فاصلہ پر دارا کا معسکر تھا۔ مگر دارا کے خندق کھودنے کا کہیں ذکر نہیں۔ پھر یہ کیسے باور کیا جائے کہ ایرانی اس طرزِ دفاع کے استعمال سے واقف تھے۔

سلمان فارسیؓ کا دور طوائف الملوکی کا دور بھی نہ تھا کہ جاگیردار اور نواب ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئے ہوں اور جہاں "رسالے کا خوف ہوتا تھا" انھوں نے خندق کا استعمال کیا ہو۔ ممکن ہے کسی محفل میں حضور اقدسؐ نے خندق کے ذریعہ دفاع کے طریقہ کے امکان کا ذکر کیا ہو اور اس محفل میں سلمان فارسیؓ موجود ہوں اور غزوۂ احزاب کے موقع پر جب دشمن کی آمد کی خبر پہنچی ہو تو سلمان فارسیؓ نے یاد دلایا ہو کہ آپؐ نے خندق کا ذکر فرمایا تھا کیا اب اس طریق دفاع کو آزمایا نہیں جا سکتا۔

---

[1] فلر میجر جنرل۔ جنوبی دنیا کی فیصلہ کن جنگیں
لندن ۱۹۵۴ء۔ ج اول صفحہ ۱۰۰

Marfat.com

خندقی جنگ ایک خاص نوعیت کی جنگ ہے جس کے جُزئیات پر صرف ماہرینِ فن ہی دسترس رکھ سکتے ہیں۔ دورِ حاضر میں خندقی جنگ کا بڑے پیمانے پر استعمال پہلی عالمی جنگ کے دوران ہوا۔ اس جنگ کی تفصیلات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خندقی جنگ کو سمجھنے اور پھر اس کی موجودگی میں لڑائی جاری رکھنے اور جہاں ممکن ہو دشمن پر وار کرنے کے طور طریقوں پر عبور حاصل کرنے میں لوگوں کو عرصہ تک ہدایات دیتے رہنے کی ضرورت پیش آئی تھی۔ دونوں عالمی جنگوں کے درمیانی عرصہ میں جن افراد نے فوجی خدمات انجام دی ہیں وہ جانتے ہیں کہ خندقی جنگ پر بیش بہا مواد شائع کیا گیا تھا۔ اور اس کی تربیت پر ہر سال کئی کئی ہفتے صَرف کیے جاتے تھے۔ خندق کی موجودگی میں ماتحت دستوں کو ذمہ داریاں بانٹنا اور ان پر کماندار اور نائب کماندار مقرر کرنا اسی کماندار اعلیٰ کے لیے ممکن ہوتا ہے جس نے یہ منصوبہ خود بنایا ہو۔ اور خندق کے مقام، اس کی سمت، اس کی چوڑائی اور گہرائی کا فیصلہ خود کیا ہو۔ جو خندق میلوں تک پھیلی ہوئی ہو اور معلوم ہو کہ اس پر حملہ آور ہونے والوں کی تعداد کتنی ہوگی۔ تو اس کے محلِ وقوع کا فیصلہ انتہائی سوچ بچار کے بعد کرنا ہوتا ہے۔ اپنی فوج کی تعداد کو اس طویل خندق کے مختلف حصوں پر مامور کرنا ہوتا ہے۔ اگر خندق کا منصوبہ کماندار کے ذہن کی تخلیق نہ ہو تو ان اَن گنت مسائل کا جواب صحیح طور پر وہ کس طرح دے سکے گا۔ دفاعِ ریاست اہم اور نازک مسئلہ ہوا کرتا ہے انھیں کماندار کے اپنے ذہن کی تخلیق ہونا ہوتا ہے۔ کسی دوسرے کے خیال پر مبنی دفاعی منصوبے نہ تو تیار کیے جا سکتے ہیں اور نہ ہی ان پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

جب آپؐ کو مکی لشکر کی روانگی کا علم ہوا، تو آپؐ نے فیصلہ کیا کہ اس مرتبہ مدینہ کا دفاع مورچہ بند ہو کر کیا جائے گا اور اس فیصلے پر عمل پیرا ہونے کے لیے مدینہ شہر اور مضافات کے ارد گرد گہری خندق کھودی جائے گی، جس کا الحاق مغرب کی جانب شہر کے مکانوں اور جنوب اور مشرق کی سمت شہر کے گرد پھیلے ہوئے باغات سے کیا جائے گا۔ تاکہ دشمن کسی بھی طریقہ سے

Marfat.com

بڑی تعداد میں شہر کے اندر داخل نہ ہو سکے۔ خندق کو اس قدر وسعت دی گئی کہ اگر دشمن نے کسی طرح خاصی تعداد میں خندق کو عبور کر لیا تو اتنی کھلی اور کشادہ جگہ موجود ہو جہاں اس کے خلاف صف آرا ہو کر لڑائی لڑی جا سکے۔ اس فیصلے کے نتیجہ میں اگر دشمن واقعتاً خندق عبور کر لیتا تو دشمن کے سامنے صف آرا فوج اور اس کے پیچھے خندق ہونا تھی۔ صف آراء لڑائی میں قریش اور دوسرے قبائل اسلامی فوج کی سی مہارت، جرأت، ثابت قدمی اور استقلال کے حامل نہ تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ جب انھیں صف آرا لڑائی کے بعد پیچھے دھکیلا جاتا تو ان کے پیچھے تعاقب کرتی ہوئی مدنی سپاہ ہوتی اور ان کے سامنے خندق ہوتی، جسے وہ بھاگتے ہوئے عبور نہ کر سکتے اور یوں خندق عبور کر کے آنے والی پوری فوج کے تباہ ہونے کا خدشہ تھا۔ اغلباً حملہ آور فوج کے کمانڈر نے اسی خوف سے بڑی تعداد میں خندق عبور کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔

خندق کو مدینہ کے شمال میں بنو اشہل کے قلعہ سے شروع کر کے مغرب کا رخ دیا گیا حتیٰ کہ وہ وادیٔ قناط کے مغربی کنارے تک پہنچ گئی، پھر اسے جنوب کا رُخ دے کر اور وادیٔ قناط کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ لا کر شہر کے باب الغربیہ کو خندق سے باہر یعنی مغرب کی جانب چھوڑتے ہوئے وادیٔ بطحان تک لے جایا گیا، یہاں گھنے باغات تھے یوں یہ دفاعی رکاوٹ پورے شہر کے گرد پھیلی ہوئی تھی۔ بنو نضیر جو مدینہ سے جا چکے تھے ان کا قلعہ اور کعب بن اشرف کا قلعہ یہاں سے مشرق کی جانب تھے۔ خندق کی پوری لمبائی تقریباً نو ہزار گز تھی، اس کی چوڑائی بارہ فٹ اور گہرائی بارہ سے پندرہ فٹ تک ہو گی[1]

خندق کی گہرائی اور چوڑائی کا فیصلہ کرنا تو اتنا پیچیدہ نہ تھا، البتہ خندق کی لمبائی اور

---

[1] ص ــــ پر نقشہ ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

اس کے محلِ وقوع کا فیصلہ کرنے کے لیے دشمن کی کُل تعداد کا علم ہونا ازحد ضروری تھا۔ اس تعداد کو اس لیے پیشِ نظر رکھنا تھا کہ پورے دشمن کو مجتمع کرنے کے بجائے انھیں زیادہ علاقہ پر پھیلانا پڑے اور یوں کسی ایک مقام پر دباؤ کی شدت برداشت سے بڑھ نہ جائے۔ دشمن نے باغات اور شہر کے مکانات کے علاقہ کی دیکھ بھال بھی کی ہوگی۔ یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ باغات کی جانب بھی دفاعی چوکیاں موجود ہونگی۔ ورنہ دشمن اور خصوصاً یہودی اُدھر سے نفوذ کر سکتے تھے، ان میں وہ یہودی بھی شامل تھے جو اپنی عمر مدینہ میں گزار چکے تھے۔ خندق کی لمبائی بلکہ پورے دفاعی خط کی لمبائی اپنی اعدادی قوت کو پیشِ نظر رکھ کر فیصلہ کرنا تھی۔ تاکہ یہ خط اتنا طول نہ پکڑے جس کا اچھی طرح دفاع نہ ہو سکے۔ خندق کی پوری لمبائی پر راتوں کو گشت کا انتظام بھی کیا گیا۔ خندق میں ایسے مقامات بھی رکھے گئے جن سے گزر کر اپنی چھاپہ مار ٹولیاں خندق کے اس پار جاکر دشمن پر اور خصوصاً ان تک پہنچنے والے خوراک وغیرہ کے قافلوں پر حملہ کر سکتے۔ چند موقعوں پر اس طرح کے کامیاب چھاپے مارے گئے جن سے دشمن کی قیادت کا خوف کھانا اور پریشان ہونا بدیہی تھا۔ رات کے وقت گشت کرنے والی ٹولیوں کا آپس میں ٹکراؤ بھی ہو جایا کرتا ہے، اس غزوہ کے دوران ایک موقع پر دو ٹولیوں کا آمنا سامنا ہو گیا اگر موجود نہ ہوتا یا استعمال میں نہ لایا جاتا تو اپنے ہی ہاتھوں اتلاف واقع ہونے کا خدشہ تھا۔

غزوۂ احزاب کے دوران خندق، باغات اور مکانات کے مربوط استعمال سے جو دفاعی نظام حضور اقدسؐ نے وجود میں لایا تھا وہ دورِ جدید کے ماہرینِ فنِ حرب کے لیے بھی سبق کا مقام رکھتا ہے۔ غزوۂ احزاب کا یہ پہلو ابھی مزید تحقیق کا طلبگار ہے۔ عہدِ حاضر کے عسکری ادب میں ہر یورپی زبان میں سینکڑوں نہیں ہزاروں کتابیں، خندق، شہری، جنگل اور باغات کی لڑائی پر لکھی جا چکی ہیں، اسلامی دنیا کی زبانوں میں ان موضوعات

Marfat.com

پر بہت کم مواد ملتا ہے۔ غزوۂ احزاب کی روشنی میں دورِ حاضر کے مخصوص حالات کو سامنے رکھ کر اس طرح کی لڑائیوں کے لیے ہدایات مرتب کی جا سکتی ہیں۔ دورِ حاضرہ میں مدینہ کے گرد کھودی گئی خندق پر سب سے پہلے تحقیق کرنے کا اعزاز ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کو حاصل ہوا ہے۔ اس فقیر نے ان کی کتاب "رسول اللہ کے میدانِ جنگ" سے استفادہ کیا تھا اور کسی اضافے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی، البتہ ایک معمولی سا نکتہ قابلِ توجہ ہے، ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کے مطابق خندق کی کل لمبائی نو ہزار گز ہے[1]۔ اس فقیر نے بھی اسی قدر لمبائی کا ذکر غزوات پر اپنی انگریزی کی جلد اول میں کیا ہے۔ طبری کے مطابق ہر دس آدمیوں کی ایک سیکشن (SECTION) کو چالیس گز خندق کھودنے کے لیے دیے گئے تھے[2]۔ آپ کی زیرِ قیادت اس غزوہ میں تین ہزار افراد تھے۔ ان سے تین سو سیکشن ترتیب دیے گئے ہوں گے۔ یوں خندق کی کل لمبائی بارہ ہزار گز بنتی ہے۔ اگر خندق کی لمبائی بارہ ہزار گز ہو تو پھر ایک الجھن جو عرصہ سے ذہن میں رہی ہے وہ دور ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کہ مدینہ شہر کے جنوب کی جانب اور اسی طرح شمال کی جانب اگر ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار گز کا فاصلہ بڑھایا جائے تو پورے شہر کے گرد کا دفاع پوری طرح مربوط ہو جاتا ہے۔ نو ہزار گز کی لمبائی سے دونوں سروں پر تھوڑا تھوڑا فاصلہ کسی طرح کی رکاوٹ کے بغیر رہ جاتا ہے اور سپاہِ مدینہ کے سپہ سالارِ اعظم اپنے کسی منصوبہ میں ذرہ برابر سُقم بھی نہ رہنے دیا کرتے تھے۔ انسانِ کامل ہر کام کو تکمیل کی کاملیت کی حد تک کرنے کے قائل تھے۔ اس لیے یہ خیال صحیح تر معلوم ہوتا ہے کہ خندق کی لمبائی بارہ ہزار گز تھی۔

عراق کے بریگیڈیر محمود خطاب شیث نے بھی غزوہ خندق کے دوران خندق کھودنے

---

[1] ڈاکٹر حمید اللہ "رسول اللہ کے میدانِ جنگ"۔ صفحہ ۴۱

[2] طبری، تاریخ طبری، جلد اول، جامعہ عثمانیہ ۱۹۳۶ء، صفحہ ۲۰۴

Marfat.com

اور اس کی اہمیت کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے بھی خندق کھودنے کے خیال کو حضرت سلمان فارسیؓ سے منسوب کیا ہے[1]۔ انھوں نے بھی خندق کا نقشہ دیا ہے مگر یوں محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے موقع دیکھنے کے بغیر کتب تواریخ کے بیانات سے یہ نقشہ تجویز کیا ہے۔ اس نقشے میں جبلِ سلع کو اسلامی لشکر کے مغرب میں دکھایا گیا ہے جو درست نہیں[2]۔ اسلامی لشکر خندق کی مکمل لمبائی کے ساتھ ساتھ پھیلا ہوا تھا اور حضور اقدسؐ کا مقر قیادت جبلِ سلع کے سامنے کی جانب تھا اور خندق جبلِ سلع سے چند سو گز سامنے مغرب کی جانب وادیٔ عتیق کے ساتھ ساتھ تھی۔..

جس طرح خندق کھودنے کا کام سیکشنوں میں بانٹا گیا تھا اسی طرح خندق پر پہرہ اور اس کے دفاع کا انتظام بھی سیکشنوں وغیرہ میں بانٹا گیا ہوگا۔ اس لیے کہ باری باری پہرہ دینے کا ثبوت ملتا ہے۔ حضورؐ بھی خود ان پہرہ دینے والوں میں شامل تھے۔ خندق پر پہرے کے متعلق واقدی لکھتا ہے کہ ایک رات آپؐ نے خواہش ظاہر کی کہ آپؐ کی جگہ کوئی اور پہرہ دے جب آپؐ نے زرہ کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز سنی تو پوچھا کہ کون ہے؟ جواب ملا "سعد وقاصؓ"، آپؐ نے اس پر اطمینان کا اظہار فرمایا[3]۔

اللہ جل شانہٗ کی قدرت کے انتظامات کو کون جان یا سمجھ سکتا ہے، ریاست کے سربراہ، فوج کے سپہ سالار اعظمؐ اور عالمِ انسانی کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج میں افراد کی قلت کی وجہ سے اپنی فوج کے عام سپاہی کی طرح اپنے اوپر پہرہ دینے کے فرائض لازم قرار دیے۔ ایک دن محسوس ہوا کہ طبیعت حاضر نہیں اور ممکن ہے کہ خیال گزرا ہو کہ

---

[1] محمد خطاب شیث "آنحضرتؐ بحیثیت سپہ سالار" اردو ترجمہ از رئیس احمد جعفری۔ لاہور ۱۹۶۹ء۔ صفحہ ۲۶۴۔

[2] ایضاً۔ صفحہ ۲۶۳۔

[3] واقدی۔ ج ۲ ص۔ صفحہ ۴۶۳۔۴۶۴۔

Marfat.com

طبیعت میں گرانی کی وجہ سے پہرہ کے لوازمات کہیں ادھورے نہ رہ جائیں تو رضا کارانہ طور پر کسی کو مدد کے لیے آنے کو کہا، رضا کارانہ طور پر آگے وہ بڑھا جس کے لیے مستقبل میں ایران کا فاتح بننا مقدر ہو چکا تھا۔ اس فاتحِ ایران اور نصف اسلامی دنیا کے گورنر کی عقیدت اور محبت کا یہ عالم تھا کہ جو کُرتہ بدر کے دن زیب تن رہا تھا اس کُرتے کو اس نے تمام عمر سنبھال کر رکھا تھا۔ اس کرتے کو سنبھال کر رکھنے کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے مگر محبت و عقیدت کے اس واقعہ کو اگر بار بار دہرایا جائے تو کم ہوگا۔ اس لیے قارئین کی خدمت میں اسے دوبارہ پیش کیا جا رہا ہے۔ سعد وقاصؓ کو یاد تھا کہ بدر کی لڑائی شروع ہونے سے چند لمحے قبل صفیں درست کرتے ہوئے سپہ سالارِ مدینہؐ نے اس کے سینہ پر پسینہ سے شرابور ہاتھ رکھا تھا، کہ ذرا پیچھے ہٹ کر صف سیدھی کرے۔ اس کُرتے پر سرورِ کائناتؐ کے پسینے کے چھینٹے گرے تھے، سعد وقاصؓ نے وہ کُرتہ تمام جنگوں کے دوران اور پھر کوفہ کی گورنری کے دوران بھی سنبھال کر رکھے رکھا تھا اور وصیت کی ہوئی تھی کہ انھیں اسی کُرتے کا کفن پہنایا جائے جس پر شہنشاہِ دوعالمؐ کے پسینے کے قطرے گرے تھے تاکہ بہشتِ بریں بھی ان قطروں کی خوشبو سے مہک اٹھے اور بہشت میں موجود شہدائے وحدت و رسالت مرحبا مرحبا کہتے ہوئے ان کے استقبال کو بڑھ آئیں۔

فنِ جنگ کے ماہرین کا کہنا ہے کہ جس رکاوٹ پر تسلط موجود نہ ہو وہ رکاوٹ نہیں رہتی اس لیے کہ دشمن اسے کسی وقت بھی عبور کر سکتا ہے۔ سمندر ہو، دریا ہو، نہر ہو، پہاڑ ہو، صحرا ہو یا خندق ہو، جب تک اس پر ہمہ وقتی تسلط موجود نہ ہو یعنی اسے عبور کرنے والے کو موجود اسلحہ کے ذریعہ روکنے کی صلاحیت موجود نہ ہو دشمن اسے کسی نہ کسی طریقہ سے عبور کر سکے گا۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ سپاہِ مدینہ کے لیے ضروری تھا کہ خندق اور باغات کا ہر حصہ ہمہ وقت ان کی نگاہوں میں رہتا اور جونہی کوئی وہاں سے گزرنا چاہتا، اسے روکنے کی تدابیر عمل میں لائی جاتیں۔

Marfat.com

ایک روز ایک مقام سے قریشِ مکہ کے چند سوار اس کو عبور کر کے اندرونی علاقے میں آ گئے۔ حضرت علیؓ فوراً خندق کے اس حصہ پر پہنچے مگر ان کا مقابلہ شروع کرنے سے قبل ان کو کمک پہنچنے سے روکنے یا اس جگہ سے مزید کی سواروں کو خندق عبور کرنے سے روکنے کے لیے راستہ بند کروایا۔ اس طرح ان مکی سواروں کی واپسی کا راستہ بھی بند ہو گیا، اغلباً اس دوران دوسرے دستے موجود ہونگے جنھوں نے مکی سواروں کو مزید آگے بڑھنے سے روکے رکھا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خندق کا یہ حصہ حضرت علیؓ کے زیرِ کمان تھا، اور اغلباً خندق کے قریب تھا اور حضورِ اقدسؐ کے احکام میں یہ بھی شامل تھا کہ اگر کسی مقام سے دشمن کے کچھ لوگ خندق عبور کر آئیں تو سب سے پہلے اس مقام کو مزید محفوظ کر کے وہاں سے واپس گزرنا مشکل بنا دیا جائے۔ اور ساتھ ہی ساتھ عبور کرنے والوں کو روک کر ان کا مقابلہ کیا جائے۔ اس طرح کے تفصیلی احکام کی غیر موجودگی میں جو طریقِ کار حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں نے اختیار کیا وہ قرینِ قیاس نہ تھا۔ اگر حضرت علیؓ خندق کو مزید مضبوط کرتے کے بغیر ہی دشمن کے اس دستے کے مقابلہ پر نکل کھڑے ہوتے تو خندق سے باہر جو ہزاروں کی تعداد میں دشمن موجود تھا وہ ہلّہ بول کر اس خالی جگہ کو مزید وسیع کر لیتے اور یہ نفوذ اس قدر بڑھ جاتا کہ پھر وہاں سے دشمن کا گزر روکنا ناممکن ہو جاتا۔

اس طرح نفوذ کر آنے والوں کے مقابلہ کا دوسرا مرحلہ یہ تھا کہ ان کو سامنے سے روکا جائے حضورِ اقدسؐ نے جبلِ سلع، جہاں آپؐ کا مقرِ قیادت واقع تھا اور خندق کے درمیان اتنی وسیع جگہ رکھ چھوڑی تھی کہ بوقتِ ضرورت صف آراء لڑائی کی جا سکتی تھی۔ آپؐ کی فوج کی برتری صف آراء لڑائی میں مُسلّم تھی۔ آپؐ اس کی طرف سے غافل نہ ہو سکتے تھے، اس لیے اس بات کا انتظام خندق کی نشاندہی کے وقت ہی کر لیا گیا تھا۔ طبری کے مطابق جونہی دشمن

لہ ابن ہشام۔ جلد ۳۔ ح۔س۔ صفحہ ۲۴۱

Marfat.com

کے سواروں نے خندق کو عبور کیا، حضورؐ نے حضرت علیؓ کو اشارہ کیا[1]۔ ظاہر ہے کہ اگر حضرت علیؓ خندق پہ موجود نہ تھے بلکہ حضورؐ کے قریب ہی تھے تو وہ محفوظہ RESERVE سے اپنے ساتھ کم از کم ایک سیکشن لیتے گئے ہوں گے۔ جب کسی کماندار یا نائب کماندار کو کسی کام پر تعین ہونے کا تاریخ میں ذکر آتا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہونے کہ وہ تن تنہا اٹھا اور تلوار سونت کر دشمنوں پہ ٹوٹ پڑا۔ حضور اقدسؐ نے ہمیشہ دشمن کی قوت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی فوج کے دستوں کو ذمہ داریاں عائد کیں۔

کبار صحابہؓ کے ماتحت چھوٹے بڑے دستے ہوا کرتے تھے۔ جنھیں حسب ضرورت استعمال کیا جاتا تھا۔ بعض اوقات کبار صحابہؓ کو صف کے سپاہیوں کے طور پر بھی نئے کمانداروں کے ماتحت مہموں پر روانہ کیا گیا تاکہ نئے کماندار بھی تجربہ حاصل کر سکیں، داستانوں کی طرح رنگ آمیزی کے لیے غزوات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کہیں گنجائش نہیں۔ آپؐ کے غزوات فن جنگ اور عسکری سائنس کے مطابق عمل میں لائے گئے، ان غزوات نے قیامت تک عالم اسلام کے عام انسانوں کے لیے ہدایت کا کام دینا ہے، ان انسانوں کے لیے جنھیں کسی طرح کی فوق الانسانی قوت حاصل نہیں۔ حضور اقدسؐ کے لشکریوں نے عام انسانوں کی طرح بشری حدود کے اندر رہتے ہوئے صبر و استقلال، جذبہ و شوق اور تا حدِ شہادت لڑنے کا عہد و پیمان کا مظاہرہ عام انسانی قوا، رکھتے ہوئے کیا تھا اور آئندہ آنے والے مسلمانوں سے بھی یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ بھی اپنے دفاع کے لیے اللہ پر ایمان لا کر ان خصائل کا مظاہرہ کرتے رہیں گے۔

خندق کی نشاندہی سے لے کر خندق کے دفاع کی تفاصیل تک حضور اقدسؐ نے

---

[1] طبری، ج۔ س، صفحہ ۲۰۸۔ ابن اسحاق کے مطابق جب قریشی پہلوان نے خندق کو عبور کیا تو حضرت علیؓ نے کچھ اور مسلمانوں کے ساتھ اس جگہ کو قبضے میں لے لیا جہاں سے اس نے خندق کو عبور کیا تھا۔ ابن اسحاق صفحہ ۴۵۵ ؟

Marfat.com

احکامات جاری کر دیے تھے۔ خندق کھودتے ہوئے ایک دستے کو دیے گئے حصہ میں ایک بڑی سی چٹان آگئی، اس دستہ میں حضرت سعد وقاصؓ شامل تھے۔ یہ چٹان اتنے سخت پتھر کی تھی کہ کدال اور دوسرے اوزار اس پر اثر نہ کر رہے تھے۔ صحابہ کرامؓ جو اس حصہ کو کھودنے پر مامور تھے وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ چٹان ٹوٹتی نہیں اس لیے اگر اجازت ہو تو خندق کا خط تبدیل کر دیا جائے [۱]

اس چھوٹے سے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خندق یونہی سلمان فارسیؓ کے ایک فقرے کے نتیجے میں نہیں کھودی گئی تھی بلکہ یہ تدبیراتی باریکیوں کو مدنظر رکھ کر کھودی گئی تھی اور اس کا طول، اس کی چوڑائی اور اس کی گہرائی سوچ سمجھ کر فیصلہ کی گئی تھیں اس کا خط مقامی زمینی تدبیراتی مجبوریوں

کو دیکھ کر کھینچا گیا تھا اور اس میں سپہ سالار اعظمؐ کی اجازت کے بغیر تبدیلی نہیں کی جا سکتی تھی، اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خندق کا خط کھینچتے وقت اس کے ایک ایک گز کے محل وقوع کو دیکھ کر اس پر تعین کیے جانے والے دستوں کا حساب لگایا گیا تھا۔ یہ بھی دیکھا گیا ہو گا کہ اگر دشمن اس کو عبور کرنے میں کامیاب ہو جائے تو اس کا رُخ کس طرف کو ہو گا۔ اور اسے کھلی جگہ پر روکنے کے لیے کس جانب سے کتنی کمک بھیجی جا سکے گی اسی طرح باغات کے وسیع علاقہ کی نگہداشت کے متعلق تفصیلی ہدایات دی گئی ہوں گی، ورنہ دشمن کے لیے باغات کا رُخ کرنا مشکل نہ تھا۔ وہ باغات سے کھجور کے درخت کاٹ کر خندق کے اوپر رکھ کر لاتعداد چھوٹے بڑے پُل بنا سکتے تھے۔ ان کے لیے یہ اس لیے ممکن نہ ہو سکا، کہ باغات کی نگہداشت کے نتیجہ میں وہ کھجور کے درخت نہ کاٹ سکے اور خندق کا صبح شام، اور رات کے وقت کے پہروں کی وجہ سے اگر وہ درخت کاٹ کر لے بھی آتے تو پُل بنانے کا موقع

---

[۱] طبری۔ ج۔ س۔ صفحہ ۳۰۲ ، ابن اسحاق۔ ج۔ س۔ صفحہ ۴۵۱ ؎

Marfat.com

نہ حاصل کر سکتے تھے۔ تاریخ کی کتابوں میں دشمن کی جانب سے کھجور کے درختوں کو کاٹنے کی کوشش کا کہیں ذکر نہیں۔ اس سے یہی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ کھجور کے باغات بھی ہمہ وقت زیر نظر رہا کرتے تھے۔ ورنہ قریش کے منجھے ہوئے سردار خندق عبور کرنے کے اس آسان طریقہ سے غافل نہ ہو سکتے تھے۔ یہ طریقہ انھوں نے اس وجہ سے استعمال نہیں کیا کہ دفاع کرنے والا لشکر ہمہ وقت اس درجہ چوکنا رہتا تھا کہ دشمن اس طرف متوجہ ہی نہ ہو سکا۔

اس فقیر نے خندق کی گہرائی کو کم از کم بارہ فٹ بتایا ہے[1]۔ اس کی وجہ بھی اسی واقعہ کے ساتھ وابستہ ایک چھوٹی سی تحریر ہے۔ راوی کا کہنا ہے کہ صحابہؓ کی درخواست پر حضورؐ خود وہاں تشریف لائے اور خندق کے خط کو بدلنا مناسب نہ سمجھا اور خود اپنے دستِ مبارک سے چٹان کو توڑا۔ تو اس کام سے فارغ ہونے کے بعد خندق سے جب آپؐ نے باہر آنا چاہا تو آپؐ نے اپنا بازو بلند کیا۔ خندق کے ابرو پر ایک صحابیؓ کھڑے تھے انھوں نے جھک کر اپنا بازو نیچے کر کے حضور اقدسؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا۔ یوں آپؐ خندق سے باہر تشریف لائے اس طرح ایک آدمی کا اپنے بازو کو بلند کرنا اور دوسرے کا اپنے بازو کو نیچے کرنا جب ایستادہ آدمی کے قد میں شامل کر لیا جائے تو نو فٹ بلندی بن جاتی ہے۔ اس جگہ پر خندق ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی ورنہ چٹان مکمل طور پر توڑنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ اس واقعہ کی روشنی میں اس فقیر نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ خندق اکثر مقامات پر کم از کم بارہ فٹ گہری کھودی گئی ہو گی۔

خندق تیار ہو جانے کے بعد یہ اطلاع پہنچی کہ دشمن مدینہ کے قریب پہنچ گیا ہے۔ قریش مکہ نے وہی رُخ اختیار کیا تھا جو انھوں نے غزوۂ اُحد کے موقع پر کیا تھا۔ بنو غطفان نے

---

[1] ربیع الآخر ۶ھ میں عیینہ ابن حصن کے تحت مدینہ کی چراگاہوں پر حملہ کیا گیا تھا۔ دوبارہ رمضان ۶ھ میں اسی قبیلہ نے ایک بار پھر حملہ کیا تھا۔

Marfat.com

اپنے اجتماع کے لیے علیٰحدہ مقام چُنا۔ بنوفزارہ جو ایک سے زائد مرتبہ مدینہ پر حملے کی تیاریاں کر چکے تھے[1] وہ پورا قبیلہ اپنی پوری تعداد میں اپنے سردار عیینہ بن حصن کی قیادت میں بنوغطفان کے ساتھ تھے بلکہ ان کے متحدہ لشکر کی کمان بھی عیینہ بن حصن کے ہاتھ میں تھی۔ بنوغطفان چھ ہزار افراد مہیا کر سکتے تھے اور کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ پوری تعداد میں نہ آئے ہوں۔ بنوغطفان اور بنوفزارہ کا قریشِ مکہ سے علیٰحدہ ہو کر اپنا معسکر قائم کرنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان کا اپنا لشکر اتنا بڑا تھا کہ وہ قریشِ مکہ کے لشکر کا ایک حصہ بن کر نہ رہنا چاہتے تھے۔ قریشِ مکہ کا پہلا معسکر پانیوں کے الحاق کے مقام پر تھا اور بنوغطفان وغیرہ نے الزغابہ میں اپنا معسکر قائم کیا تھا جو وہاں سے کافی فاصلہ پر تھا[2]۔ علیٰحدگی کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ دونوں علیٰحدہ علیٰحدہ آئے ہوں اور چونکہ بنوغطفان اپنے اولین معسکر میں ہی رہے، وہ شروع سے جانتے ہوں گے کہ خندق کھودی جا چکی ہے[3]۔ ان کی رہبری حُیی بن اخطب کر رہا تھا جو مدینہ کے رازوں سے واقف رہا کرتا تھا۔ علیٰحدہ معسکروں کے قائم کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان لشکروں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ انھیں علیٰحدہ علیٰحدہ معسکر قائم کرنے پڑتے تھے۔ علیٰحدہ معسکر قائم کرنے کی انھیں اس لیے بھی ضرورت تھی کہ خندق کافی فاصلے پر پھیلی

---

[1] ابن ہشام خندق کی گہرائی کو تیس فٹ کے قریب بتاتا ہے۔ یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ دیکھیں ابن ہشام جلد ۳، صفحہ ۲۳۱، ۲۳۲؛

[2] طبری۔ ح۔ س۔ صفحہ ۳۰۱۔ ابن اسحاق۔ ح۔ س۔ صفحہ ۴۵۰۔

[3] واقدی۔ جلد ۔ ح۔ س۔ صفحہ ۴۵۵۔

[4] ابن اسحاق قریش کو الزغابہ میں اتارتا ہے۔ ابن اسحاق صفحہ ۴۵۰۔ ممکن ہے کہ یہ ان کا دوسرا معسکر ہو۔ طبری انھیں ذنب نقمی میں اتارتا ہے۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ نام بھی بدلتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

ہوئی تھی اور دشمن کو اس کے ہر حصہ کے خلاف فوجیں رکھنا پڑی تھیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دشمن کی کثیر تعداد کو پھیلانے پر مجبور کرنے کے لیے تاکہ وہ ایک مقام پر مجتمع نہ ہو سکیں، حضور اقدسؐ نے خندق کو اس قدر وسعت دی ہو۔ دفاع کرنے والے لشکر کو کم تعداد استعمال کرنا پڑتی ہے اور حملہ آور کو اسی مقام پر زیادہ تعداد تعین کرنا پڑتی ہے۔ چونکہ حملہ آور دشمن کو خندق کے ساتھ ساتھ پھیلنا پڑ رہا تھا اس لیے وہ کئی مقامات پر کسی کو بھی تعین نہ کر سکتے تھے۔ حضور اقدسؐ نے خندق میں کچھ دروازے بھی رکھے تھے جہاں سے مدنی چھاپہ مار دستے باہر چلے جاتے تھے اور دشمن کی سپلائی کالموں پر حملہ کر کے انھیں اپنے قبضہ میں لے لیتے تھے۔

تاریخ دانوں نے خیبر کے یہودیوں کی تعداد کا ذکر نہیں کیا مگر حُیی بن اخطب کے الفاظ جن کا ذکر بعد میں آئے گا ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یہودیوں کی کافی تعداد ساتھ لایا تھا۔ خیبر کے یہودی دس ہزار کی جمعیت میدان میں لا سکتے تھے۔ اس مہم میں اگر وہ پوری طاقت کا مظاہرہ نہ بھی کر رہے ہوں گے تو آٹھ ہزار افراد تو ضرور ساتھ لائے ہوں گے، ان کا کردار غزوۂ احزاب میں اس نوعیت کا تھا جیسے یہ لڑائی ان ہی کی جانب سے لڑی جا رہی ہو۔

خیبر کے یہودی مدینہ پر حملہ آور ہونے سے قبل مکہ گئے تھے اور وہاں جا کر قریش کو مدینہ پر حملہ آور ہونے پر اکسایا تھا، اس بحث کے دوران قریش مکہ نے خیبر کے یہودیوں سے یہ فتویٰ بھی لیا تھا کہ ان کا دین مسلمانوں کے دین سے بہتر تھا اور جب یہودیوں نے یہ فتویٰ دے دیا تو قریش بہت خوش ہوئے تھے[1]۔ یہودیوں کا جو وفد مکہ گیا تھا اس میں حیی بن اخطبؓ ابو الحقیق النافری اور چند دوسرے شامل تھے۔ اس وفد نے قریش مکہ کو مشورہ دیا کہ پورے عرب کو اس مہم میں ساتھ ملا لو اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محمدؐ سے چھٹکارا حاصل کر لو۔

---

[1] ابن اسحاق۔ ج۔س۔ صفحہ ۴۵۰

Marfat.com

پورے عرب کو اکٹھا کرنے میں ممد ثابت ہونے کی غرض سے یہ وفد مکہ سے لوٹ کر بنو غطفان کے پاس گیا[1] یہودی جب دوسروں کو حملہ کرنے پر اکساتے تھے تو اپنا لشکر لانے کا اقرار بھی کیا کرتے تھے۔ اگر وہ یوں نہ کرتے تو دوسرے ان کے کہنے پر کیوں جنگ میں شامل ہونے پر رضامندی کا اظہار کرتے۔ جب حیی بن اخطب مدینہ کے اندر رہنے والے یہودی قبیلہ بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا تو اس نے اس سے کہا تھا "میں تمھیں لافانی شہرت دینے کے لیے آیا ہوں۔ میں پورا عرب جمع کر کے لے آیا ہوں[2]"

عہد حاضرہ کے عرب مصنف محمد احمد باشمیل نے مدینہ پر اس حملے کو یہودیوں کا حملہ قرار دیا ہے[3] اس فقیر کو اس رائے سے قدرے اختلاف ہے۔ اسے یہودیوں کا حملہ ان معنوں میں تو کہا جا سکتا ہے کہ اس حملے میں یہودی لشکر شامل تھا مگر یہودیوں کی تمام تر کوششوں اور ان کے وفود کے پراپیگنڈا کی وجہ سے انھیں غزوۂ احزاب میں شامل فریق تو کہا جا سکتا ہے، انھیں فریق اول نہیں کہا جا سکتا۔ اس خیال کو غزوہ کے ختم ہونے کے وقت جو باتیں ہوئیں اور معسکر اٹھانے میں ابو سفیان نے جو کردار ادا کیا اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ فریق اول تو قریش مکہ ہی تھے۔ حقیقت میں یہ حملہ یہودیوں اور مشرک عربوں کے مختلف قبائل کے وفاق کا متحدہ حملہ تھا۔ اسلام کے خلاف اسے پہلا عالمی وفاق بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس میں ان یہودیوں کی مساعی بھی شامل تھیں جو مدینہ سے نقل مکانی کر کے شام چلے گئے تھے۔ اور شام کے حکومتی طبقوں کو اسلام اور مدینہ کے خلاف اکساتے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ انھوں نے بہت جلد بازنطینی حکام کو عرب پر حملہ کرنے پر آمادہ بھی کر لیا۔

---

[1] ابن اسحاق صفحہ ۴۵۰۔ ابن قیم الجوزیہ، زاد المعاد۔ جلد اول۔ المطبعۃ المصریہ ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۱۸

[2] طبری صفحہ ۲۰۶ ۱۳۔ ابن اسحاق صفحہ ۴۵۳۔ ابن قیم الجوزیہ۔ زاد المعاد جلد اول صفحہ ۱۱۸

[3] محمد احمد باشمیل۔ غزوہ احزاب۔ الطبع الرابعہ ۱۹۷۱ء صفحہ ۲

Marfat.com

محمد احمد باشمیل لکھتے ہیں:۔

"غزوۂ احزاب حقیقت میں یہودیوں کا مدینہ پر حملہ تھا۔ اس لیے کہ اس پر جو دولت صرف ہوئی تھی وہ یہودیوں نے دی تھی۔ اس کی منصوبہ بندی یہودیوں کے فکر کا نتیجہ تھی۔ اس کا فیصلہ یہودیوں نے کیا تھا اور اس میں یہودیوں کا لشکر بڑی تعداد میں شامل تھا۔"

وہ آگے چل کر اس فقرے کا اضافہ کرتے ہیں۔ "قریش اور بنو غطفان یہودیوں کے بلانے پر شامل ہوئے تھے۔"[1]

یہ استدلال صرف ایک حد تک درست ہے۔ مکمل طور پر درست نہیں۔ غزوۂ احزاب اس جنگ کی پہلی اہم کڑی ہے کہ اہل یہود نے اسلام کے خلاف چودہ سو سال سے جاری کی ہوئی ہے اس جنگ کی حقیقی پہلی کڑی غزوہ بنو قینوقاع تھی۔ مگر اس جنگ کو اہمیت غزوۂ احزاب میں ملی اور مؤرخوں کی نظر میں اسلام اور اسرائیل کی جنگ کا آغاز غزوۂ خیبر سے ہوا۔ بایں ہمہ ہم اسے یہودیوں کی جنگ اس لیے تسلیم کرنے پر تیار نہیں کہ یہ جنگ کے اس سلسلے کی لڑائی تھی جو ہجرت کے فوراً بعد قریش مکہ کی جانب سے شروع کی گئی تھی اور جس کا اعلان اس خط میں کیا گیا تھا جو قریش مکہ نے عبداللہ بن ابی کو لکھا تھا۔ محمد احمد باشمیل کا یہ کہنا کہ اس میں جو روپیہ پیسہ خرچ ہوا تھا وہ یہودیوں نے دیا تھا۔ یہ بات درست ثابت نہیں ہوتی اس دور میں ہر سپاہی اپنا اسلحہ اور اپنی سواری لاتا تھا۔ خوراک کا کچھ نہ کچھ حصہ وہ اپنے ساتھ لاتا تھا اور جو جانور خوراک کے لیے استعمال ہوتے تھے وہ مرکزی سطح پر خریدے جاتے تھے۔ اس غزوہ کے لیے بعض لشکروں نے خوراک کے لیے اونٹ اپنے ساتھ لائے تھے۔ ممکن ہے یہودیوں نے کچھ اونٹ خرید کر مختلف لشکروں میں بانٹے ہوں۔ اس فقیر کے مطالعہ میں ایسی

---

[1] محمد احمد باشمیل۔ غزوۂ احزاب۔ الطبعہ الرابعہ ۱۹۷۱ء صفحہ ۷۔

Marfat.com

کوئی تحریر نہیں آئی، خوراک کے ضمن میں امداد مہیا کرنے سے پورا غزوہ یہودیوں کی جھولی میں نہیں ڈالا جا سکتا۔ جہاں تک اس غزوہ کی فوجی منصوبہ بندی کا تعلق ہے وہ چنداں نمایاں نہیں تھی۔ متعدد لشکروں کے اس اجتماع نے کسی ایک موقع پر بھی مل کر حملے کا کوئی منصوبہ تیار نہیں کیا۔ دراصل خندق کی موجودگی اور اس کے باقاعدہ منصوبہ کے مطابق دفاع نے انھیں بے بس کر دیا تھا۔

متحدہ فوجوں کی متحدہ کمان کو موجودہ دور کے متمدن ممالک بھی پوری طرح وجود میں نہیں لا سکے۔ یعنی اس کا وجود تو تھا مگر آخر تک منصوبہ کی وحدت کا فقدان رہا۔ دوسری عالمی جنگ کا آغاز اس طرح ہوا کہ اتحادیوں کی طرف سے بلجیم، فرانس اور برطانیہ، یورپ میں ایک ہی دشمن سے نبرد آزما تھے۔ مگر وہ متحدہ کمان قائم نہ کر سکے۔ بلجیم نے علیحدہ صلح کر لی جس پر برطانیہ اور فرانس کے رہنماؤں نے کہا کہ بلجیم نے ان کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا ہے[1] غزوہ احزاب میں ہمیں متحدہ کمان نظر نہیں آتی۔ یوں مؤرخوں کی تحریروں سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ ابوسفیان اور حیی بن اخطب کا شمار اہل الرائے میں ہوتا تھا اور ابوسفیان اپنے آپ کو اس متحدہ لشکر کا کمانڈر تصور کرتا تھا۔ لڑائی کے اختتام کا اعلان چونکہ اس کی جانب سے ہوا تھا اس لیے اس کا یہ زعم کسی حد تک بجا تھا۔

جہاں تک یہودیوں کے لشکر کی شمولیت کا تعلق ہے اس کے متعلق کہا جا چکا ہے کہ وہ مدینہ کے محاصرے میں شامل تھا۔ تعداد کے متعلق یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ محمد احمد پاشمیل نے بھی یہودیوں کے لشکر کی تعداد نہیں بتائی۔ انھیں عربی کتب تک رسائی میں ہمیشہ آسانی رہی ہے۔ اگر کسی غیر معروف کتاب میں ان کے متعلق ذکر ہوتا تو وہ ضرور اس کا حوالہ دیتے۔

---

[1] میثاقِ مدینہ کی شق ۲۰ ملاحظہ ہو جس میں حضور اقدسؐ نے علیحدہ صلح کو قبول کرنے کے خلاف فیصلہ کیا تھا، اس طرح علیحدہ صلح کی قبولیت باقی ماندہ فریقوں پر لازم نہیں آتی۔

Marfat.com

اس فقیر نے ۱۹۷۳ء میں ان سے جدّہ میں ملاقات کی تھی۔ موصوف کے ذاتی کتب خانے کو دیکھنے کا موقع بھی ملا۔ تاریخ اسلام پر قابلِ قدر مواد موجود پایا۔ غزواتِ نبویؐ پر انھوں نے جو کتاب تصنیف کی ہے اس کی آٹھ جلدیں ہیں۔ یہودیوں کے لشکر کے متعلق انھوں نے صرف یہ لکھا ہے کہ ان کا لشکر بڑی تعداد میں شامل تھا۔ ان کا خیال ہے کہ اگر غزوۂ احزاب میں دشمنانِ اسلام کو کامیابی ہو جاتی تو شمالی عرب میں یہودیوں کی ریاست قائم ہو جاتی، انھوں نے اس خیال کی وضاحت نہیں کی۔ اسلام کے آنے سے یہودیوں کو اقتصادی طور پر نقصان پہنچا تھا اور حرمتِ سُود کی وجہ سے وہ مزید خسارے میں رہتے۔ مگر اس دور کا یہودی تجارت کی اجارہ داری کو حکومت پر ترجیح دیتا تھا۔ محمد احمد ہاشمیل یہودیوں کی اس اجارہ داری کو اقتصادی تسلّط کا نام دیتے ہیں[1]

اس تجارتی اجارہ داری کی وجہ سے اسے یورپ کے لاتعداد ملکوں سے نکالا گیا۔ اور اسلام آنے کے بعد اگر دنیا میں کہیں یہودیوں کو امان ملی تو وہ صرف مسلمان ملکوں میں ملتی رہی۔ مگر یہودیوں نے مسلمان ممالک کے ساتھ ہمیشہ مارِ آستین کا کردار ادا کیا اور اب تک کر رہے ہیں۔ تاریخ میں لاتعداد ایسے مواقع گزرے ہیں جن کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اگر فلاں بادشاہ نہ ہوتا تو یوں ہوتا۔ اگر سکندر مقدونی چند سال اور زندہ رہتا تو ایشیا کی سیاسی صورت یوں ہو جاتی۔ تاریخ کے یہ "اگر" گنے نہیں جا سکتے۔ اس لیے یہ کہنا کہ اگر فلاں لڑائی کا خاتمہ یوں ہوتا تو اس کا نتیجہ فلاں صورت میں نمودار ہوتا، ہمیشہ درست استدلال پر مبنی نہیں ہوا کرتا۔ غزوۂ احزاب میں یہودیوں کے کردار کے متعلق حتمی طور پر صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اسلام کے خلاف جنگ میں شدت پیدا کرنے اور بالآخر اسلام کو ختم کرنے کے درپے تھے۔ اس کے لیے وہ مقدور بھر مدد پر تیار تھے اور پراپیگنڈا کرنے

---

[1] محمد احمد ہاشمیل، غزوہ احزاب، صفحہ ۱۰

Marfat.com

ہیں معاون ثابت ہو رہے تھے مگر اس مخالفت اسلام میں مرکزی کردار ادا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے۔ عرب کی سیاسی زندگی میں ان کا کوئی مقام نہ تھا اور خیبر کے سوا اکثر مقامات پر وہ عرب قبائل کے حلیف کے طور پر زندگی گزار رہے تھے۔

دو یہودی قبیلے جو مدینہ سے نکالے جا چکے تھے وہ بنو قینقاع اور بنو نضیر تھے۔ جن کی اکثریت جا کر خیبر میں آباد ہوئی تھی۔ اس لیے خیبر کے یہودی اپنے ان یہودی بھائیوں کے اخراج کا بدلہ بھی لینا چاہتے تھے اور اس کے لیے انھوں نے قریش اور دوسرے قبائل کی اعدادی برتری کو استعمال کرنے کی بہترین ترکیب ڈھونڈلی تھی۔ بنو نضیر کو مدینہ چھوڑے ہوئے ابھی چھ مہینے ہوئے تھے، ان کی اکثریت اپنے سرداروں سمیت خیبر جا کر آباد ہوئی تھی [۱] یہودیوں کو مدینہ سے جاتے وقت اپنی تمام منقولہ دولت لے جانے کی اجازت تھی۔ یوں تو وہ سبھی امیر کبیر تھے مگر ان میں سلام بن الحقیق کے متعلق مشہور تھا کہ اس کے پاس سونے چاندی کے انبار تھے۔ وہ بھی دوسروں کی طرح اپنی دولت خیبر لے گیا تھا [۲] تاریخ دان کسی طبقہ کی امارت اور دولت کا ذکر تو کرتے ہیں، انھوں نے ان طبقات کی جانب سے جو اقتصادی زنجیریں قوموں کو اپنی لپیٹ میں لیے رکھتی ہیں ان کی تفاصیل سے شاذ و نادر ہی آگاہ کیا ہے۔ سیاسی حکومت چونکہ براہِ راست حکومت ہوتی ہے اس لیے وہ کسی نہ کسی صورت میں عوام الناس کے احساسات اور جذبات کی طرف توجہ دیا کرتی ہے اور نہیں، تو رائے عامہ سے متاثر ہوتی رہتی ہے۔ شعر و ادب، بازار کی گپ بازی یا احکام سلطانی کی خلاف ورزی کے ذریعہ حکومت کے ایوانوں کو ان کی غلط کاریوں کا احساس دلایا جا سکتا ہے۔ اقتصادی حاکمیت چونکہ بالواسطہ اثر انداز ہوتی ہے اس لیے اس کے خلاف جذبات

---

[۱] محمد احمد باشمیل۔ ح۔س۔ جلد ۲۔ صفحہ ۹

[۲] ایضاً۔ صفحہ ۱۰

Marfat.com

بہت دیر بعد مشتعل ہوتے ہیں۔ اس لیے اقتصادی حاکمیت کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتی اکثر و بیشتر اقتصادی حاکمیت کے حامل طبقے ایک سے زائد ملکوں میں اپنی دولت رکھتے ہیں۔ اگر محکوم بیدار ہو کر سختی پر اُتر آئے تو یہ متمول طبقے جس قدر دولت ممکن ہو، سمیٹ کر دوسرے مقام پر چلے جاتے ہیں۔ یہودیوں کے معاملہ میں یہ سلسلہ صدیوں تک جاری رہا ہے۔ یورپ میں تو یہاں تک رہا ہے کہ یہودی خاندان بین الملکی جنگوں کے اخراجات دونوں فریقوں کو دیتے رہے ہیں۔

خیبر کے یہودیوں کے پاس دولت بھی تھی، اسلحہ بھی تھا اور فوجی طاقت بھی۔ وہ عسکری لحاظ سے قریش مکہ اور بنو غطفان ہر دو سے زیادہ طاقتور تھے[1]۔ غزوۂ احزاب میں قریش اپنی چار ہزار کی قبائلی نفری کے علاوہ دس ہزار احابیش (حبشی غلام) بھی ساتھ لائے تھے۔ بنو غطفان چھ ہزار کا لشکر لائے تھے۔ خیبر کے یہودی اپنے بارہ قلعوں سے دس ہزار ہتھیار بند مہیّا کر سکتے تھے۔ دشمن کی کل تعداد جو خندق کے باہر متعدد معسکروں میں جمع تھی، وہ یہاں درج کی جاتی ہے:۔

قریش مکہ	چار ہزار ۔ ان کے علاوہ تین سو کا رسالہ بھی تھا۔
احابیش	دس ہزار
بنو غطفان	چھ ہزار
خیبر کے یہودی	چھ ہزار
بنو فزارہ	ایک ہزار
بنو سلیم	ایک ہزار
بنو مُرّہ	۴۰۰ (چار سو)

---

[1] محمد احمد باشمیل۔ ح ۔ س ۔ جلد ۳ ۔ صفحہ ۱۱ ۔

Marfat.com

بنو اشجع ۴۰۰ (چار سو)

کُل میزان ۲۹۱۰۰

علامہ شبلی نعمانی ان لشکروں کی کل تعداد چوبیس ہزار لکھتے ہیں[1]۔ کہا جا سکتا ہے کہ کُل تعداد تیس ہزار تھی۔

غزوۂ احزاب سے متعلق قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا (احزاب ۳۳ : ۱۱)

(وہاں مسلمان آزمائے گئے اور سخت طور پر ہلائے گئے)

یہ مسلمان وہی تو تھے جنھوں نے بدر و اُحد میں انتہائی غیر مساعد حالات میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اگر ان کے دل دہل گئے تھے تو ضرور اس کی وجہ ہوگی۔ تیس ہزار کے قریب جمعیت ہر روز صبح سے شام تک ان کے خلاف کچھ نہ کچھ کرتی رہتی ہوگی۔ اگر وہ خندق سے دور کھڑے ہو کر خندق کے اندر پتھر ہی پھینکتے رہتے تو چند دنوں میں خندق کو پتھروں سے بھر سکتے تھے اور پھر ہلہ بولتے ہوئے ان پتھروں کے اوپر سے گزر سکتے تھے۔ درست کہ انھوں نے ایسی کوئی کوشش نہ کی مگر شب و روز خندق کے کنارے بیٹھ کر پتھروں اور تیروں کی بوچھاڑ کا مقابلہ کرتے ہوئے اور کچھ نہ سہی، صرف پہرہ دینا ہی جان جوکھوں کا کام تھا۔ محدود تعداد، اس سے بھی محدود اسلحہ، اندرونِ شہر منافقوں کی موجودگی، جسمانی تکالیف کے علاوہ جو ذہنی دباؤ تھا اس نے دلوں کو ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔

دشمن کو اپنی تعداد پر ضرور ناز ہوگا۔ مگر وہ دفاع کے اس نئے طریقے کو دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔ قریش جب احابیش کی معیت میں جبل اُحد کے قریب پہنچے اور مدنی سپاہ کی

---

[1] شبلی نعمانی جلد اول صفحہ ۳۹۵۔ ابوالکلام آزاد بھی "رسول رحمتؐ" میں فتح الباری کے حوالہ سے ان حملہ آوروں کی کل تعداد چوبیس ہزار لکھتے ہیں "رسول رحمتؐ" صفحہ ۳۴۰۔

Marfat.com

نقل وحرکت اپنے جنوب میں جبلِ سلع کے قُرب وجوار میں دیکھی تو وہ اپنے پُرانے معسکر سے کُوچ کر کے مدنی لشکر کی طرف آئے۔ خندق کی کھُدائی ان کے پہنچنے سے ایک دن قبل ختم ہوئی تھی۔ دفاعی لشکر کا ہر فرد اپنے اپنے متعینہ مقام پر موجود تھا۔ خندق کی کھدائی کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ وقت موقع پر موجود رہتے تھے، کبھی ایک مقام پر کبھی دوسرے مقام پر، کہیں کسی کو چٹان توڑنے میں مدد دے رہے ہیں، کہیں کسی کو خندق سے مٹی باہر نکالنے کی نئی ترکیب بتا رہے ہیں۔ اتنی گہری اور اتنی چوڑی خندق کی مٹی کا دمدمہ بھی تو پہاڑ کی مانند دور سے قراقرم کے سلسلۂ کوہ کا نقشہ پیش کرتا ہوگا۔

خندق کو دیکھ کر قریش مکہ قدرے حیران، کسی حد تک تجسس کا شکار اور پھر اس تجسس کو ختم کرنے کے لیے خندق کے قریب ہوئے، اُدھر سے پتھروں کی بوچھاڑ پڑی تو فوراً دور ہٹ گئے۔ ان کے ردِعمل میں شکایت کا عنصر شامل تھا۔ کہنے لگے "یہ عرب کا دستور نہیں"[1] وہ چاہتے تھے کہ انھوں نے مدینہ آنے کے لیے جو تکالیف برداشت کی ہیں اور دور دراز کا سفر اختیار کیا ہے اس کے صلہ میں مدینہ والے شہر ان کے حوالے کر دیتے تو وہ خوشی خوشی فتح ونصرت کے شادیانے بجاتے واپس چلے جاتے۔ انھیں شاید یہ معلوم نہ تھا کہ خندق کا یہ استعمال اس قدر نیا تھا کہ اس کا رواج کسی ملک میں بھی موجود نہ تھا اور صدیوں بعد شاید اس کا استعمال اس قدر وسیع پیمانے پر کیا جائے کہ پھر وہ اپنی افادیت ہی کھو بیٹھے۔ ہر دور کے وسائل اور مسائل مختلف ہوتے ہیں۔ اس لیے اصولِ جنگ محکم اور دوائمی ہوتے ہوئے جنگ کے ہتھیار اور جنگ کے طور طریقوں میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو دفاع کی بنیادی باتیں سمجھا رہے تھے کہ خُذُوْا حِذْرَكُمْ (۴:۷۱) کے حکم کی تعمیل میں اپنے تمام ذرائع استعمال کرنے کی صلاحیتوں کو بروئے کار لائے بغیر اپنی

---

[1] ابن اسحاق - ح یس - صفحہ ۴۵۴

Marfat.com

آزادی کو برقرار نہ رکھ سکو گے اور اگر آزادی کا تحفظ نہ کر سکو گے تو پھر اللہ کی عبادت سے بھی محروم کر دیے جاؤ گے۔ بدر، اُحد اور اب خندق، تینوں لڑائیاں دفاعی ترتیب سے شروع ہوئی تھیں۔ تینوں کے عوامل مختلف تھے۔ اس لیے تینوں لڑائیوں میں دفاعی ترتیب کا استعمال مختلف طریقوں سے کیا گیا تھا۔ تینوں لڑائیوں کو مختلف خطوط پر جاری رکھا گیا اور تینوں کا اختتام تین مختلف صورتوں میں ہوا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ مشیتِ ایزدی مسلمانوں کی توجہ اس بنیادی نقطے کی طرف مبذول کروا رہی تھی کہ جنگ کبھی ایک جیسے خطوط کے مطابق نہیں لڑی جا سکتی اس لیے اس کو کامیاب بنانے کے لیے قلب و ذہن کی تمام تر توجہ نئے نئے طریقِ کار کی جانب لگائے رکھنا ضروری ہوگا۔

سپاہِ مدینہ دشمن کی آمد کے منتظر تھے۔ یہ وہی دشمن تھا جس کے ساتھ وہ دو بار دو دو ہاتھ کر چکے تھے۔ یہ ان کے آزمائے ہوئے اور شناسا دشمن تھے۔ ممکن ہے اسلامی فوج نے خندق کھودتے ہوئے سوچا ہو کہ انھوں نے اس سے قبل تو کبھی اس طریقِ جنگ کو استعمال نہیں کیا تھا۔ آج جب دشمن کے پڑے کے پڑے ان کی آنکھوں کے سامنے مختلف مقامات پر معسکر قائم کر رہے تھے تو ان کی نگاہیں ضرور ماضی کی طرف گئی ہوں گی اور ماضی میں اختیار کیے گئے طریقوں پر غور کیا ہوگا، انھیں محسوس ہوا ہوگا کہ بدر کے عوامل کو ملحوظ خاطر رکھ کر ایک خاص ترتیب اختیار کی گئی تھی۔ یہ پہلا صف آراء مقابلہ تھا، فوج کے لیے یہ پہلا امتحانی مرحلہ تھا۔ انضباط اور یک جہتی کے فوائد فوج کے افراد کو عملی صورت میں دکھانے مقصود تھے۔ ان کو صبر و استقلال اور ثابت قدمی کے معنی عملی صورت میں خود ان ہی کی کوششوں سے ان کی آنکھوں کے سامنے لانے تھے، الفاظ و بیان اور کتاب و خطاب کے ذریعہ کسی کو لاکھ سمجھاؤ کہ ثابت قدمی کسے کہتے ہیں وہ اس کے حقیقی معنی نہ سمجھ سکے گا۔ کسی کو ثابت قدم رہتے ہوئے دیکھے گا تو اس کے ذہن پر کچھ نقش اُبھر آئیں گے۔ مگر جب وہ خود بہت بڑی آزمائش کے باوجود ثابت قدم رہے گا تو اس کے روئیں روئیں میں ثابت قدمی کا احساس

Marfat.com

رچ بس جائے گا اور آئندہ دل دہلا دینے والے حالات میں بھی اس کی ثابت قدمی بے داغ و بے لاگ طریقے پر نمایاں بن کر ابھرے گی۔

اور جب ان مجاہدوں نے اُحد کے میدان پر اپنے آپ کو اور اپنی گرانبہا متاعِ عزیزہ کو دشمن کے نرغے میں پایا تو ان کی ثابت قدمی فطری تھی اکوشش کا نتیجہ نہ تھی، وہ آورد کے مقام سے گزر چکی تھی اور اب ان کی ثابت قدمی ان کی نس نس سے عیاں ہو رہی تھی، چشم فلک نے یہ نظارہ اس روز سے قبل نہ دیکھا تھا اور اب آزمائش کا تیسرا موقع اپنے ابتدائی مرحلے میں تھا، انھوں نے اپنے محاذ کو پھیلا کر وسعت دی تھی، انھیں شاید معلوم نہ تھا۔ مگر اس مرتبہ ان کے پائے ثبات کو زمان و مکان دونوں جہتوں میں وسعت کا سامنا کرنا ہوگا بلکہ ان وسعتوں کے ساتھ مصائب کی شدت بھی شاید ماقبل کے امتحانوں سے بڑھ کر ہوگی۔ مجاہدینِ اسلام نہ جانتے ہوئے بھی اپنی بڑھتی ہوئی ذمہ داریوں کو محسوس کر رہے ہوں گے، ان کی تربیت ان ہاتھوں کے ذریعہ ان نگاہوں کے سامنے ہوئی تھی جن سے بہتر تربیت دینے والی ہستی خالقِ کائنات نے نہ پہلے پیدا کی تھی اور نہ آئندہ کسی کو اس نے یہ فرائض عطا کرنے تھے۔

ان مجاہدوں کے اردگرد خلشِ دل دینے والا ایک چھوٹا سا طبقہ بھی موجود تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو ایمان کی دولت کو اپنی کم نگاہی کی وجہ سے کھو بیٹھے تھے۔ وہ فیصلہ نہ کر سکے تھے کہ دل سے ایمان لے آئیں یا یونہی برائے نام صرف استفادہ کرنے کے لیے مسلمانوں کی صفوں میں موجود رہیں۔ یہ وہ منافق ٹولہ تھا جو خندق کھودنے کے ایام میں بھی کسی نہ کسی بہانے بغیر اجازت گھروں کو چلے جاتے اور کام سے غیر حاضر ہو جاتے تھے (الاحزاب ۲۳:۱۲) کسی مؤرخ نے حملہ آور لشکروں کے معسکروں کے ماحول کی تفاصیل بیان نہیں کیں۔

لہ ابن اسحاق۔ ح۔س۔ صفحہ ۴۵۰

تیس ہزار کے قریب کا اجتماع تھا۔ یہ متعدد معسکروں میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر قبیلے کی کئی کئی شاخیں تھیں۔ ہر شاخ نے اپنا معسکر دوسروں سے تھوڑے فاصلہ پر قائم کیا ہوگا۔ اس طرح خیموں کے کئی شہر آباد ہو گئے ہوں گے۔ تیس ہزار کی سپاہ کے ساتھ تیس ہزار سے زائد سواری کے اونٹ ہوں گے، سامانِ خورد و نوش اور سرداروں کے سامان کے لیے اور جو لوگ عورتوں کو بھی ساتھ لائے تھے ان کے لیے زائد اونٹ درکار ہوں گے یعنی چالیس سے پچاس ہزار اونٹ وہاں موجود ہوں گے۔ دشمن کے پاس ایک ہزار گھوڑے بھی تھے[1] خوراک کے لیے تین سو اونٹ ہر روز ذبح ہوتے ہوں گے۔ اگر دس روز کا راشن ساتھ لائے ہوں گے تو کم از کم تین ہزار اونٹ خوراک کے لیے وہاں موجود ہوں گے[2] پچاس ہزار سے زائد اونٹوں کو چرانے کے لیے کھلے میدانوں کی ضرورت درپیش ہوئی ہوگی۔ اور ممکن ہے کہ مدینہ سے روانہ کیے ہوئے چھاپہ مار دستوں نے انھیں نقصان بھی پہنچایا ہو غرضیکہ حملہ آوروں کے مسائل بھی کچھ کم نہ ہوں گے۔

ان حملہ آوروں کا مدینہ کے باغات کو تاراج کرنے کا کہیں ذکر نہیں۔ اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ باغات کی جانب کا دفاع بھی اس قدر مکمل تھا کہ دشمن اس جانب سے نہ تو نفوذ کر سکا تھا اور نہ اس طرف اپنے اونٹوں کو چرانے کے لیے لے گیا تھا۔

غرض اس نئے بے ہنگم شور و غل سے بھرے ہوئے عسکری شہر کی محض موجودگی مسلمانوں کے لیے باعثِ اضطرار و اضطراب ہوئی ہوگی۔ منافقین مزید بے چینی میں اضافہ کر رہے ہونگے۔

---

[1] واقدی۔ ج۔ س۔ صفحہ ۴۵۵۔ مدینہ کے پاس صرف تیس گھوڑے تھے جو تیز رفتار گشت کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔ واقدی صفحہ ۴۵۷۔

[2] خوراک کے لیے مختلف قبائل جو اونٹ ساتھ لائے تھے ان کی تعداد کتابوں میں ایک ہزار درج ہے مگر یہ اعداد و شمار مکمل نہیں ہو سکتے، صرف چند قبائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

Marfat.com

خندق کا مسلسل پہرہ تھکان کے علاوہ ہمہ وقت دشمن کی حرکت کو دیکھتے رہنے کی وجہ سے طبیعتوں کو اُکتا دیتا ہوگا۔ ایسے میں دل وجان سے اسلام پر فدا ہونے والوں کو کتنا بُرا لگتا ہوگا جب منافق یہ کہتے ہوں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمیشہ قیصر وکسریٰ کے ایوانوں کی فتح کی پیشگوئیوں کے متعلق بتاتے تھے۔ اور ہم ہیں کہ کھیتوں کو بھی نہیں جا سکتے[1] مگر وہاں کھیت کہاں تھے۔ وہاں تو چٹیل میدان اور وادیٔ قناط کے کناروں پہ کھودی ہوئی خندق اور اس کے سامنے فصیل نما دمدمہ تھا۔ اور سامنے نوآباد ساحیموں کا شہر، جس کی مصروفیات پر نظر رکھنا ان کا کام تھا۔ اس شہر سے نکل کر وقفے وقفے کے بعد اور کبھی کبھی نوجوان تیراندازی پر اتر آتے تھے۔ خندق اور دمدمے کو عبور نہ کر سکنے کے خیال سے بپھرے ہوئے نوجوان تیروں اور غلیلوں کے ذریعہ پتھروں کی بارش کرتے رہتے ہوں گے۔ کہیں کہیں سوار گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے آتے ہوں گے اور خندق اور پھر دمدمے پر پہنچ کر اور شاید اس کے اوپر چڑھ کر جب سامنے خندق کو پاتے ہوں گے تو مجبوراً گھوڑوں کی باگیں موڑتے ہوئے واپس فرار کی راہ ڈھونڈنی پڑتی ہوگی۔ اس لیے کہ خندق پر متعین پہرہ دار بھی تو ان پر وار کرنے کو لپکتے ہوں گے۔ ان مسلسل کوششوں کے نتیجہ میں دمدمہ کی ریت اور مٹی کچھ خندق میں گرنا شروع ہوئی ہوگی، کچھ دب گئی ہوگی اور ممکن ہے کہ یہ طویل دمدمہ فصیل کی سی صورت اختیار کر گیا ہو۔ جس کے اوپر بھی گھوڑے سرپٹ دوڑائے جا سکتے ہوں اور پھر کسی کسی جگہ سے خندق بھی عبور کی جا سکتی ہو۔ خندق عبور کرنے کا ایک واقعہ جو تحریر میں آچکا ہے وہ اسی طرح وجود میں آیا ہوگا۔ یا وہ ان مقامات میں سے ایک مقام ہو جو چھاپہ مار دستوں کے باہر جانے کے لیے رکھے گئے تھے۔

تیروں کی بوچھاڑ تو مسلسل جاری رہتی ہوگی اس لیے کہ تیس ہزار کی فوج میں سے

---

[1] ابن اسحاق۔ ح۔س۔ صفحہ ۴۵۴۔

Marfat.com

پانچ چھ ہزار ایسے تیر انداز ضرور ہوں گے جو اپنے فن کا مظاہرہ وقفے وقفے کے بعد کرتے رہتے ہوں گے، البتہ ان کے اور مسلمان سپاہ کے درمیان دستہ نظری رکاوٹ VISUAL OBSERVATION بن کر مکی تیر اندازوں کے غصہ کو مزید بھڑکاتا ہوگا۔

یہودی سردار حیی بن اخطب کو اس بات کا فخر تھا کہ وہ عرب دنیا کی تاریخ کا سب سے بڑا لشکر اکٹھا کر کے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے لے آیا تھا، اسے تو یہ امید تھی کہ تیس ہزار کا ناقابلِ مقابلہ لشکر جب مدینہ پہنچے گا تو وہ پورے مدینہ کے گرد و نواح پر چھا جائے گا۔ اور مسلمانوں کو اس سے مقابلہ کرنے کی ہمت تک نہ ہوگی۔ مگر اس نئی طرزِ دفاع نے اس کے تمام خواب منتشر کر دیے تھے۔ بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس طریقِ دفاع یعنی خندق کے ذریعہ محفوظ اور اس قدر پھیلے ہوئے قلعے کو سر کرنے کا ایک ہی طریقہ تھا اور وہ یہ کہ اسے اندر سے شگاف ڈالا جائے اور پھر اس شگاف کے ذریعہ قلعے کے اندر پھیل کر اسے مکمل طور پر تباہ و برباد کیا جائے۔ اسے منافقوں کی جماعت کے وجود کا علم ہونا بدیہی تھا۔ مگر منافق منفی کردار تو ادا کر سکتے تھے یعنی دفاع کے دوران عدم تعاون کے ذریعہ دفاع کو کمزور تو کر سکتے تھے، کھلم کھلا بغاوت پر آمادہ نہ کیے جا سکتے تھے۔ اس لیے کہ ان کے بھائی بھتیجے اور دوسرے عزیز و اقارب دل سے مسلمان ہو چکے تھے۔ اس کی نظر مدینہ کے واحد یہودی قبیلہ بنو قریظہ پر پڑی۔ جیسا کہ مختصر سا اشارہ کیا جا چکا ہے۔ وہ بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا اور اسے کہا کہ میں تمھیں تاریخ میں لافانی مقام دلانے کے لیے آیا ہوں۔ میں ایک فوج لایا ہوں۔ میں پورے عرب کو مجتمع کر کے لایا ہوں۔ میں قریش کے سرداروں کو اکٹھا کر کے لایا ہوں اور میں بنو غطفان کو بھی لے کر آیا ہوں اور انھوں نے اقرار کیا ہے کہ تمھیں محمدؐ سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا مل جائے[1] کعب بن اسد نے تذبذب دکھایا اس نے پہلے تو کہا "نہیں تم

---

[1] ابن اسحاق۔ ح۔س۔ صفحہ ۴۵۲۔ ابن قیم الجوزی۔ ح۔س۔ صفحہ ۱۱۸۔

Marfat.com

میرے لیے کبھی نہ مٹنے والی شرمساری لے کر آئے ہو۔ تم ایسا بادل لے کر آئے ہو جو برس چکا ہے اس بادل میں گرج اور چمک تو ہے، اس کے اندر اور کچھ نہیں۔ حیی خدا تمھیں غارت کرے مجھے میرے مقدر پر چھوڑ دو۔ محمدؐ کو میں نے ہمیشہ با وقار اور ایماندار پایا ہے[1]۔"

حیی بن اخطب اس کے پیچھے پڑا رہا۔ بالآخر کعب بن اسد اس کے ساتھ شامل ہونے پر راضی ہو گیا۔ طے پایا کہ اگر قریش اور بنو غطفان ناکام ہو کر واپس اپنے اپنے علاقہ کو چلے گئے تو حیی بن اخطب اپنے ساتھیوں سمیت کعب بن اسد کے قلعے میں آ جائے گا۔ اور اس کا ساتھ دے گا[2]۔"

اس طرح کعب بن اسد نے اس وعدے کو توڑا جو اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو چکا تھا۔ یہ وعدہ میثاقِ مدینہ میں شمولیت کا تھا۔ اس کا آئینی مقام ریاست کے اندر رہنے والی ایک اقلیت کے سردار کا تھا۔ اس نے ریاستِ مدینہ کے آئین کو قبول کرنے کا اعلان کیا تھا، اس نے اپنے آپ سے، اپنی قوم سے، مدینہ کی ریاست سے اور ریاستِ مدینہ کے سربراہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ریاست و مملکت اور مدینہ کی اسلامی حکومت کا وفادار رہے گا۔ اس نے یہ وعدہ جانتے اور سمجھتے ہوئے توڑا۔ وہ بھول گیا تھا کہ اس میثاق کی شق ۵۳ یہ یاد دلانے کے لیے شامل کی گئی تھی کہ

"وفاداری، دھوکا کے خلاف تحفظ عطا کرتی ہے۔"

اور اسے یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ

"کوئی شخص اگر وفادار رہتا ہے یا بے وفائی کرتا ہے تو وہ اپنے لیے کرتا ہے"[3]

---

[1] ابن اسحاق۔ ح۔س۔ ص ۴۵۳۔

[2] واقدی۔ ح۔س۔ صفحہ ۴۵۶۔ طبری، جلد اول۔ ح۔س۔ صفحہ ۳۰۷

[3] میثاقِ مدینہ۔ شق ۵۵

Marfat.com

وہ حیی بن اخطب کے کہنے میں آکر بغاوت کرنے پر آمادہ ہوگیا تھا اور بغاوت کی سزا ہمیشہ سے موت چلی آئی ہے۔

اس فقیر کی رائے یہ ہے کہ جس معاہدہ کی طرف مؤرخ اشارہ کر رہے ہیں وہ میثاقِ مدینہ ہی تھا۔ میثاقِ مدینہ اس قدر مفصل اور ہمہ گیر تھا کہ اس کے بعد کسی دوسری دستاویز کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ یہ ملک کا قانونِ اساسی تھا۔ اس کی موجودگی میں ان لوگوں کے ساتھ کسی طرح کے دوسرے معاہدے کی ضرورت نہ تھی، یہودیوں نے روزِ اول سے اس آئین کے مندرجات سے متفق ہوکر ریاستِ مدینہ کے شہری بننے پر رضامندی کا وعدہ کیا تھا۔ جو قبائل اور ممالک بعد میں فتوحات کے ذریعہ یا معاہدات کے ذریعہ ریاستِ مدینہ کے شہری یا حلیف یعنی زیرِ سایہ یا زیرِ حفاظت بن کر رہنے پر رضامند ہوئے ان میں سے بعض کے ساتھ معاہدات کیے گئے۔ مگر وہ لوگ جو ریاستِ مدینہ کے قیام کے موقع پر ریاست میں رہنے پر رضامند تھے، ان کے لیے کسی نئی دستاویز یا معاہدے کی ضرورت نہ تھی۔

پروفیسر سارجنٹ کا ذکر آچکا ہے۔ اس کے مطابق میثاقِ مدینہ آٹھ معاہدات کا مجموعہ ہے پروفیسر سارجنٹ نے لندن کے مجلّہ اسلامک کوارٹری کے ۱۹۶۴ء کے شمارے میں ایک مضمون شائع کیا تھا۔ اس میں اس نے یہی رائے پیش کی ہے۔ اس نے ۱۹۷۵ء میں پھر اسی مجلّہ میں ایک اور مضمون اپنے مضمون کی وضاحت میں شائع کیا مگر وہ اپنے مؤقف کو ثابت نہیں کر سکا۔

اس فقیر نے حال ہی میں راولپنڈی میں اس کی ایک تقریر کے بعد اس سے سوال کیا تھا کہ آیا اس کے پاس کوئی ثبوت ہے کہ میثاقِ مدینہ ایک سے زائد دستاویزات کا مجموعہ ہے؟ تو اس نے نفی میں جواب دیا۔ پھر اس فقیر نے اس سے یہ بھی پوچھا کہ آیا وہ میثاقِ مدینہ میں جو زبان یا اندازِ بیان استعمال ہوا ہے اس کی روشنی میں وہ کوئی ثبوت پیش کر سکتا ہے، اس کا جواب بھی نفی میں تھا۔ اس فقیر کی درخواست پر اس نے اپنے دونوں مضمون لندن سے روانہ کیے ہیں۔ ان کے مطالعہ کے بعد بھی اس فقیر کی رائے یہی ہے کہ میثاقِ مدینہ ایک ہی

Marfat.com

نشست میں سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے املاء کروایا تھا۔ تاریخ کسی دوسری دستاویز کا ذکر نہیں کرتی اور میثاقِ مدینہ اس تسلسل سے تمام آئینی پہلوؤں کو سادہ اور واضح الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ اس دستاویز کو ایک سے زائد دستاویزات کا مجموعہ کہنا تو کجا، اس کو ایک سے زائد نشستوں کا نتیجہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہودی سردار اہلِ خیبر اور قریشِ مکہ کا ساتھ دے کر ریاست کے آئین یعنی قانونِ اساسی کے تحت بغاوت کا مرتکب ہوا تھا۔ بہرکیف اگر اس نے کوئی اور معاہدہ بھی توڑ کر اس جرم کا ارتکاب کیا تھا تو اس کی بغاوت کی اہمیت اور شدّت کسی طرح کم نہیں ہو سکتی۔

کعب بن اسد کی بغاوت پر آمادگی کی اطلاع آپ تک پہنچ گئی۔ اس لیے آپؐ نے مدینہ کے اندر کے علاقوں کی گشت کے انتظامات مزید محکم کرنے کے احکامات صادر فرمائے اور عورتوں اور بچوں کو محفوظ قلعوں میں اکٹھا کرنے کے انتظامات کیے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ حیی بن اخطب نے کعب بن اسد کو اپنے ساتھ ملانے اور بغاوت پر رضامند کرنے کا کام محاصرے کے اولین ایام میں ہی مکمل کر لیا تھا مگر طریقِ کار میں اتفاق ہونے میں کئی دن لگ گئے۔ مدینہ کے اندر رہنے والے یہودیوں کی طرف سے جو اقدامات ہونے تھے، ان کے متعلق ان اولین ایام میں فیصلہ نہ ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ محاصرہ کرنے والی فوجوں کے درمیان بھی کسی متفقہ منصوبہ کے مطابق کارروائی کا فیصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ کئی قبیلوں کی فوجوں پر مشتمل تیس ہزار کے لشکر کا مل کر حملہ کرنا آسان کام نہ تھا۔ متحدہ کمان کی ذمہ داریاں، یہ کمانِ عظمیٰ کن اشخاص پر مشتمل ہوگی، علاقوں کی بانٹ، وقت کا تعیّن، طریقِ کار اور حملے کے کامیاب ہونے پر کیا کچھ کیا جائے گا۔ ان سب پہلوؤں میں وقار، عزت، انا، حسد اور شکوک و شبہات دخل انداز ہوتے رہے ہوں گے۔ علاوہ بریں محاصرہ کئی جگہوں پر توڑ کر دفاع کرنے والی کم تعداد کی ٹولیاں کئی بار دشمن کے انتظامی دستوں پر حملہ آور ہو چکی تھیں۔ اس وجہ سے محاصرہ کرنے والا

Marfat.com

ہر لشکر اپنے اپنے معسکر کے حفاظتی انتظامات کو اہمیت دینا چاہتا ہوگا جس کی وجہ سے حملہ کرنے والی تعداد میں کمی واقع ہونے کا اندیشہ ہوگا اور کمانِ عظمیٰ کم تعداد سے حملہ شروع کرنے پر رضامند نہ ہوگی۔ محصور فوج کی مسلسل پیادہ اور سوارہ گشت نے بھی اسی طرح کے متحدہ حملے کے امکانات کم کر دیے ہونگے۔ غرضیکہ کئی دن گزر جانے کے باوجود محاصر افواج تیر اندازی اور چھوٹے پیمانے پر حملوں کے علاوہ کچھ نہ کر سکیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ محاصر فوج کے حملہ سے قبل بنو قریظہ یعنی یہودی باغی قبیلہ کی جانب سے حملے کا آغاز کرنے کا فیصلہ ہوا ہو اور وہ اپنا منصوبہ بنانے سے قبل دفاعی پوزیشن کی تفاصیل سے مکمل آگاہی حاصل نہ کر سکے ہوں۔ اس لیے کہ جہاں مسلمان عورتوں اور بچوں کو حفاظت کے طور پر رکھا گیا تھا وہاں ایک یہودی چھپ چھپ کر انتہائی مشکوک حالات میں دیکھ بھال میں مصروف تھا۔ اغلباً قلعہ کے دفاع کی تفاصیل معلوم کرنا چاہتا ہوگا کہ مسلمان عورتوں اور بچوں کو یرغمال بنا لیا جائے۔ اتفاقاً اس وقت کوئی مرد وہاں موجود نہ تھا۔ حضور اقدسؐ کی پھوپھی اور حضرت زبیر بن عوام رضؓ کی والدہ صفیہ بنت عبدالمطلب نے خیمہ چوب سے اسے ڈھیر کر دیا[1] پھر کسی یہودی کو اس قلعہ کے گرد و نواح میں آنے کی ہمت نہ ہوئی۔

اس طرزِ جنگ کی کہیں مثال نہیں ملتی، یہ نفسیاتی جنگ تھی۔ تیس ہزار کے قریب افواج مختلف معسکروں میں قیام کر رہی تھیں اور محصور فوج پر شب و روز ایسا شدید نفسیاتی دباؤ ڈال رہی تھیں کہ برداشت سے باہر تھا۔ قرآن حکیم نے بھی اس ذہنی کشمکش کے لیے دلوں کو ہلا دینے کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

ظاہر ہے کہ محاصرہ کرنے والے کسی وقت بھی نچلے نہ بیٹھتے ہوں گے۔ تیر اندازی نہ ہو رہی ہوتی تو پتھروں کی بوچھاڑ ہوتی۔ گھوڑ سوار ادھر سے اُدھر گھوڑے دوڑا دوڑا کر خندق عبور

---

[1] ابن اسحاق۔ ح۔ س۔ صفحہ ۴۵۸۔

Marfat.com

کرنے کی کوشش میں مصروف ہوتے۔ کہیں ٹولیوں میں کھڑے لوگ منصوبہ بندی میں مبتلا ہوتے غرضیکہ دور دور تک پھیلے ہوئے معسکروں کی گہما گہمی اور شور و غُل محصور فوج کے لیے ہر لمحہ نئے خطرات کی طرف اشارہ کرتا ہوا نظر آتا۔ ظاہر ہے کہ حملہ آور فوج کا ہر لشکر دوسروں پر بازی لے جانے کی فکر میں ہوگا۔ ہر ایک کی یہ کوشش ہوگی کہ اسے کامیابی میں پہل کا مقام حاصل ہو۔ اتنی بڑی فوج ناکامی کے متعلق تو سوچ بھی نہ سکتی تھی۔ مگر افواج کے اس عظیم اجتماع کے افراد مجبور تھے کہ جس مقصد کے لیے آئے تھے اس کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ محصور فوج اول تو نظر ہی نہ آتی ہوگی۔ اس پہاڑ نما دمدمے کے پیچھے سے جب ان مجاہدوں کو موقع ملتا تھا، وار کرتے اور پھر نظروں سے اوجھل ہو جاتے۔ مگر جہاں تک بہرہ دینے کا تعلق تھا، ایک لمحہ کے لیے بھی وہ غافل نہ رہتے۔ اعصاب کی اس لڑائی کا تجربہ ان حملہ آوروں کو آج تک نہ ہوا تھا۔ جوں جوں دن گزرتے جاتے اور ہر صبح کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آتی، حملہ آوروں کے اعصاب محصور فوج سے بھی بڑھ کر متاثر ہوتے ہوئے نظر آتے۔

حملہ آور فوج کے سرداروں کی مجالس بھی منعقد ہوتی ہوں گی۔ جب مختلف فوجوں کے سردار آپس میں اتفاق رائے نہ کر سکیں یا متحدہ حملوں کی منصوبہ بندی پر قادر نہ ہوں تو ان کی مجالس دوستانہ ماحول میں شروع ہو کر سخت کلامی پہ منتج ہو سکتی ہیں، یہی حال ان حملہ آور افواج کی رہنما مجالس کا ہوتا ہوگا۔

محصور فوج میں اس طرح کی کوئی الجھن نہ تھی۔ وہ متحدہ کمان کے تحت اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔ متحدہ کمان افضل البشرؐ کے ہاتھوں میں تھی۔ اور ان ہاتھوں کے صادر شدہ احکام اس قدر واضح اور قابلِ عمل ہوتے تھے کہ آج صدیوں بعد بھی ان پر عمل بہترین عمل قرار پا رہا ہے۔ اس متحدہ کمان کی مجلس شوریٰ اپنے اہل الرائے اور اُولی الامر سمیت ایمان باللہ سے اس قدر سرشار تھے کہ ان کی یہ جدوجہد اور یہ جہاد بہر معنی فی سبیل اللہ تھا۔

Marfat.com

اورانھیں یقین تھا کہ ان کا اللہ ان کے ساتھ ہے اور ان کا مددگار ہے اور جب اللہ اپنے مجاہدوں کو یُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ کی بشارت دیتا ہے تو ان کے دلوں سے ہر طرح کا خوف نکل جاتا ہے۔ دراصل سپاہی کا سب سے پُراثر دشمن اس کے اپنے قلب وذہن کے اندر ہوتا ہے۔ جسے بے یقینی کا پیدا کردہ خوف کہا جا سکتا ہے، موت کا خوف سب سے پُرخطر خوف ہے۔ اس لیے کہ جو اس کا شکار ہو جائے وہ لڑائی میں حصہ لینے کے قابل نہیں رہتا خندقی لڑائی میں دست وپا کو مصروف رکھنے کا موقع بہت کم ملتا ہے اس لیے یہ خاموشی اعصاب پر اثر انداز ہوتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے دوران موت کا خوف نسبتاً زیادہ ہو جاتا ہے۔ ایک مغربی معالج جو پہلی عالمی جنگ کے دوران طویل عرصہ تک ایک ہی پیادہ پلٹن کے ساتھ فرانس کے مورچوں میں خندقی جنگ کا تجربہ اور مشاہدہ کر سکا تھا، وہ لکھتا ہے:۔

"انسان تقریباً سبھی بیماریوں کے خوف پر فتح پالیتا ہے، ہاں موت کے خوف پر فتح نہیں پا سکتا۔"[1]

مسلمان سپاہیوں کا سب سے بڑا اثاثہ ان کا اللہ پر ایمان ہوا کرتا ہے۔ اس ایمان نے، بلکہ یوں کہیئے کہ اللہ کے خوف نے ان کے دلوں سے ہر خوف کو نکال باہر کیا تھا، یہی وجہ ہے کہ خوفِ خدا کو علم وحکمت کا منبع اور معراج کہا گیا ہے۔ "رَاْسُ الْحِکْمَۃِ مَخَافَۃُ اللّٰہِ"۔

اس صفت کے لیے مغربی مفکر مورال MORALE کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ منٹگمری کے مطابق قوت ایمانی MORALE کے بغیر فتح حاصل نہیں ہو سکتی۔

---

[1] باسل کنگ۔ خوف پر فتح۔ THE CONQUEST OF FEAR نیویارک ۱۹۴۵ء صفحہ ۹۔

Marfat.com

چاہے تزویراتی اور تدبیراتی منصوبے کتنے ہی بلند کیوں نہ ہوں۔"[1] فیلڈ مارشل سلم SLIM کے الفاظ میں "قوتِ ایمانی MORALE مردوں اور عورتوں کی نظر نہ آنے والی روحانی قوت ہے۔ جرأت کی طرح قوتِ ایمانی بھی ایک ذہنی کیفیت ہے جسے احساسات اور دلائل کا مجموعہ کہا جا سکتا ہے۔[2]"

یہ موت کا خوف ہی تو ہے جو اعصاب کو ناکارہ بنا دیتا ہے۔ جب اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں تو بدن کا کوئی حصہ بھی اپنے عمل کی کارکردگی پر صحیح طور پر قادر نہیں رہتا۔ یہی مصنف اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ موت کا خوف ایمان کی کمزوری کا نتیجہ ہوتا ہے:-

"ان لوگوں کے دینی عقائد مفقود ہوتے ہیں جن کی مدد سے وہ نازک موقعوں پہ اپنے آپ کو سنبھال سکتے۔ ان کے پاس زندگی کا کوئی محکم فلسفہ نہیں ہوتا، جسے وہ محور بنا کر اپنے آپ کو سنبھالا دے سکیں۔ وہ خوف کے ہاتھ میں کمہار کی مٹی کی طرح ہوتے ہیں اور ان کو ہر بیرونی طاقت کا خوف نحیف و نزار بنا دیتا ہے۔"[3]

دورِ حاضر کی افواج کو اعتقاد و ایمان کی دولت سے عمداً محروم رکھا جاتا ہے کہیں "ملک" کہیں "قوم" اور کہیں "شہنشاہِ معظم" کی عزّت و ناموس کا سوال سامنے رکھ کر سپاہیوں کو فرض شناس اور دلیر بننے کی تلقین کی جاتی ہے۔ ملک، قوم یا شہنشاہ کے ساتھ وفاداری خوف سے نجات نہیں دلا سکتی۔ موجودہ تہذیب نے جس قدر مختلف خوف

---

[1] عسکری تزویرات مارشل سوکولاوا سکی MILITARY STRATEGY BY MARSHAL V.D.SOKOLOOSKY پال مال پریس لندن، انعام پریس لاہور صفحہ ۳۷

[2] ایضاً صفحہ ۳۸

[3] ایضاً صفحہ ۱۲

Marfat.com

انسانوں کے ذہنوں پر سوار کیے ہیں اس کا اندازہ نہیں۔ اس تہذیب کے پروردہ افراد کے متعلق ایک مغربی مصنف لکھتا ہے :۔

"دلیری یا جس خاصیت کو دلیری کا نام دیا جاتا ہے یہ اس خواہش کا مظہر ہوا کرتا ہے۔ جو کوئی فرد اپنے متعلق دوسروں کے دلوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ مثلاً میری خواہش رہتی ہے کہ میری بیوی اور میرے دوست مجھے دلیر سمجھیں، اس لیے میں نے ہمیشہ دلیر بننے کی کوشش کی ہے، کاش وہ میرے اندر جھانک کر دیکھ سکیں"[1]

یہ سب اللہ پر ایمان کے نہ ہونے کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔

ایک معالج اپنے تجربہ کی بنا پر کہتا ہے کہ ذہنی پریشانی اور خوف کا اثر زخموں کے مندمل ہونے پر بھی ہوا کرتا ہے۔ اس جرّاح نے دوسری جنگِ عظیم کا بیشتر حصہ محاذ پر گزارا تھا۔ وہ لکھتا ہے :۔

"ایک روز ہم پر بہت زیادہ مارٹر کے گولے پڑے ہمارے پاس (خندق کے اندر آپریشن تھیٹر میں) ایسے زخمی بھی تھے جن کے پیٹ پر زخم لگے تھے، گولہ باری کا اثر یوں بھی ذہن پر انتہائی شدید ہوتا ہے[2] البتہ شدید زخموں والے افراد جو سٹریچر پر پڑے ہوئے ہل جُل بھی نہ سکتے تھے ان پر گولہ باری کا اثر غیر معمولی طور پر نقصان دہ ہوا کرتا تھا۔ دو ایسے مریضوں کی انتڑیوں نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا اور وہ (زخموں سے نہیں بلکہ) ٹاکسیمیا سے مر گئے"[3]

---

[1] رینی۔ دلیری اور خوف COURAGE AND FEAR مترجم شیپرڈ آرتھر بارکر، لندن ۱۹۵۰ء صفحہ ۱۱۷ ؛ [2] تیر اندازی کے دور میں تیروں کی بوچھاڑ کا بھی یہی اثر ہوتا ہوگا (مصنف)

[3] واٹس، ایک سرجن جنگ میں A SURGEON IN WAR جیارج ایلن اور اَن وِن۔ لندن ۱۹۵۵ء۔ صفحہ ۹۲

Marfat.com

جب قرآن حکیم کہتا ہے کہ ان کے دل انتہائی لرزہ سے لرزائے گئے مگر وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں کامیاب رہے تو خندق کے ذریعہ دفاع کرنے والی فوج کے افراد کے اعصاب پر جو بوجھ پڑ رہا تھا اس کو برداشت کرنے کے لیے ان کے پاس ایمان و ایقان ہی کا سہارا تھا اور اسی سہارے کی موجودگی نے انھیں اس امتحان میں سرخرو اور کامیاب رکھا۔

اس طرح کی اعصاب شکن لڑائی کے دوران جب یہ خبر عام ہو جائے کہ ریاست کے آئین پر دستخط کرنے والی اور دارِ رسالتؐ میں رہنے والی طاقتور اقلیت نے دشمن کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا ہے اور وہ اندرونِ شہر سے ایسے وقت حملہ کرنے پر رضامند ہو گئی ہے جب طاقتور دشمن شہر کے باہر اور خندق کے اس پار سے متحدہ حملہ کرے گا۔ تو ان مجاہدوں کی پریشانیوں میں اضافہ ہونا فطری امر تھا۔ جب بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد اور حیی بن اخطب کے ذریعہ قریش مکہ کے درمیان سمجھوتہ ہونے خبر آپؐ تک پہنچی تو آپ نے حضرت سعدؓ بن معاذ اور حضرت سعدؓ بن عبادہ اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو یہودیوں کی طرف روانہ کیا تاکہ انھیں یاد دلائیں کہ وہ مدینہ کے شہری ہونے کی نسبت سے اپنے عہد و پیمان پر قائم رہیں۔ یہ اصحاب جب یہودی سردار کے پاس پہنچے تو انھیں احساس ہوا کہ معاملہ از حد سنگین ہو چکا ہے اور وہ یہودیوں کے متعلق جو کچھ سن چکے تھے حالات اس سے بھی ابتر تھے[1] یعنی بنو قریظہ متحدہ حملے میں شرکت کے لیے کمربستہ تھے اور مکمل طور پر بغاوت پر اتر آئے تھے۔ جب انھوں نے بالمشافہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا تو یہودیوں نے کہا "کون ہے اللہ کا رسول، ہمارا محمدؐ کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں"[2]

---

[1] ابن اسحاق۔ ج۔س۔ صفحہ ۴۵۳۔

[2] ایضاً۔ طبری کے الفاظ ہیں "انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے الفاظ استعمال کیے اور صاف کہہ دیا کہ ہم میں اور محمدؐ میں کوئی عہد و پیمان نہیں"، طبری اردو۔ ج۔س۔ صفحہ ۳۰۷۔

Marfat.com

سعدؓ بن معاذ کی طبیعت میں کافی سختی بتائی جاتی تھی، انھوں نے اس موقع پر یہودیوں کو بُرا بھلا کہا، سعد بن عبادہؓ نے انھیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ حالات گلہ شکوہ سے آگے جا چکے ہیں۔ اب خفا ہونے کے بجائے تدارک کا طریقہ سوچنا موزوں ہوگا اور انھیں لے کر وہاں سے چلے آئے۔ اب صورتحال انتہائی خطرناک ہو چکی تھی، اب جو سوال مسلمان قیادت کے سامنے تھا۔ وہ یہ تھا کہ یہودیوں اور حملہ آور لشکروں کے اس متحدہ منصوبے کو کس طرح ناکام بنایا جائے۔ یعنی کوئی ایسی ترکیب سوچی جائے جس کے ذریعہ یہودی اپنے مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس متحدہ محاذ سے علیحدگی اختیار کر لیں یا کم از کم ایسی شرائط پیش کریں جو قریش سمیت حملہ آور لشکروں کو قبول نہ ہوں۔

محاصرہ جاری رہا اور حملہ آوروں اور یہودیوں کے درمیان نامہ و پیام جاری رہا۔ اس طرح کے پیغام رسانوں کا آنا جانا روکا نہ جا سکتا تھا۔ باغات کے راستہ سے مدینہ کے اندر آنا مشکل نہ تھا۔ علاوہ ازیں یہودیوں کے قلعے بھی تو شہر کے باہر تھے۔ گو تاریخ دان اس بات کا ذکر نہیں کرتے مگر اس بات کے امکان سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہودی سردار کعب بن اسد نے خیبر کے یہودی سردار حیی بن اخطب کو ان کے ساتھ شامل ہونے کا وعدہ تو کر لیا تھا مگر وہ مسلمانوں سے خوفزدہ تھا اور اسی لیے ان مباحث نے طول کھینچا۔ اس طول کے نتیجہ میں خیبر کے یہودی سردار کو بالآخر کہنا پڑا کہ اگر قریش مکہ اور باغی افواج مدینہ سے چلے بھی گئے تو وہ اپنے ساتھیوں سمیت بنو قریظہ کے قلعہ میں آ جائے گا۔ یعنی ان کی مدد کے لیے اور ان کے ساتھ مرنے مارنے کی حد تک موجود رہے گا۔

ان آخری ایام میں قریش کے کچھ گھوڑ سوار جن میں اس دور کا مشہور پہلوان عامر بن عبدوُد بن ابو قیس شامل تھا۔ وہ خندق کے تنگ حصہ سے خندق پار کرنے میں کامیاب ہو گیا، یہاں پر وادیٔ عتیق کے کنارے پر کچھ دلدلی زمین تھی۔ ممکن ہے اس کی وجہ سے خندق میں کمی رہ گئی ہو۔ یہ گھوڑ سوار خندق پار کر کے جبلِ سلع کی طرف بڑھے جہاں مدنی

Marfat.com

مقر قیادت تھا۔ جیسا کہ ذکر آ چکا ہے۔ حضور اقدسؐ نے حضرت علیؓ کو روانہ کیا کہ وہ ان گھوڑ سواروں کی واپسی کا راستہ روک دیں۔ حضرت علیؓ فوراً گئے اور انھوں نے خندق کے اس حصہ پر قبضہ کر لیا۔[1] طبری کے الفاظ ہیں "علیؓ بن ابی طالب چند مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ پر نکلے اور انھوں نے خندق کا وہ حصہ، جہاں سے یہ کود کر آئے تھے، اپنے قبضہ میں لے کر ان کی واپسی کا راستہ مسدود کر دیا۔ اب پھر قریش کے شہسوار گھوڑے دوڑاتے ہوئے اس جماعت کی طرف لپکے۔"[2]

ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ فوج کے کمانداروں میں شامل ہونگے۔ جب کسی کماندار کو کسی مقام پر قبضہ کرنے کے لیے حکم دیا جاتا ہے تو وہ اکیلا اس کام کی تکمیل کے لیے نہیں جاتا بلکہ اپنے تحت جو کمپنی، پلاٹون یا سیکشن ہوتی ہے اس کے افراد کو اپنے ساتھ لے کر جاتا ہے۔ حضرت علیؓ چونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھے اس لیے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ محفوظہ کے کسی حصہ کے کماندار تھے اور یہ کہ حضور اقدسؐ محفوظہ رکھا کرتے تھے اور اسے استعمال کرنے کے مواقع بھی پیش آئے۔ ابن اسحاق کے الفاظ سے بھی یہی تاثر ملتا ہے، اس کے الفاظ ہیں :-

"جس خالی جگہ سے انھوں نے خندق کو عبور کیا تھا۔ علیؓ نے کچھ مسلمانوں کے ساتھ اس جگہ کو قبضے میں لے لیا۔"[3]

دوسری طرف سے مسلمان گھوڑ سوار آگے بڑھے اور ان کو سامنے سے روک لیا۔ یہ مکی پہلوان عبدِ وُدّ، بدر میں زخمی ہوا تھا، اس لیے اُحد میں شریک نہیں ہوا تھا۔ اس مرتبہ وہ

---

[1] ابن اسحاق۔ ح۔س۔ صفحہ ۴۵۵

[2] طبری۔ ح۔س۔ صفحہ ۳۱۰

[3] ابن اسحاق۔ ح۔س۔ صفحہ ۴۵۵

Marfat.com

خاص لباس پہن کر آیا تھا کہ پہچانا جا سکے۔ اس نے مسلمانوں کو للکارا کہ جو چاہے وہ اس کے ساتھ آکر مبارزت کرے۔ تمام تاریخ دان لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ اس کے مقابلہ پر بھیجے گئے اور ان کی واپسی کا راستہ مسدود کر دیا۔ یہ دیکھ کر مکی سوار پلٹے۔ حضرت علی رضؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کے دوبارہ خندق عبور کرنے کی راہ میں حائل ہوئے۔ اب مکی پہلوان کو لڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا اور حضرت علی رضؓ پیادہ پا تھے، انھوں نے اسے پیادہ ہونے کو کہا اس لیے کہ حضرت علی رضؓ پیادہ ہی تھے۔ وہ گھوڑے سے اتر آیا اور اپنے گھوڑے کی کونچیاں کاٹ ڈالیں۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اب وہ اس مقابلہ سے بھاگ جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ دونوں کے درمیان لڑائی ہوئی جو دیر تک جاری رہی۔ تیز رفتاری سے پینترہ بدلتے رہنے کی وجہ سے گرد کے غبار نے دونوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور وہ جبلِ سلع یعنی مدنی مقر قیادت سے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ معًا جب اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کو معلوم ہوا کہ حضرت علی رضؓ نے اس مشہور زمانہ مکی پہلوان کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیا ہے۔ اس کے مرنے پر اس کے سوار ساتھی فرار ہو گئے[1]۔ مکی سواروں کے اس دستے کا ایک فرد خندق پار نہ کر سکا اور گھوڑے سمیت خندق میں گر گیا۔ اسے خندق ہی میں ختم کر دیا گیا۔ ایک اور تیر سے زخمی ہوا اور واپس مکہ جا کر مرا۔ جو خندق میں گر کر مارا گیا تھا اس کی لاش لے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ عکرمہ بن ابوجہل بھی اس دستے میں شامل تھا۔ جب عامر مارا گیا تو عکرمہ بھی باقی دستے کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ اور بھاگتے ہوئے اپنا نیزہ بھی پھینک گیا یا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ شاید گھوڑے اور نیزے کو بیک وقت سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

اس دوران یہودی قبیلہ بنو قریظہ نے ضرور کچھ عملی اقدامات بھی کیے ہوں گے اس لیے

---

[1] ابن اسحاق - ح - س - صفحہ ۴۵۵

Marfat.com

کہ حضرت صفیہؓ نے جب اس یہودی کو خیمہ کی چوب سے مار ڈالا تھا تو وہ ذکر کرتی ہیں کہ یہودیوں نے لڑائی شروع کر دی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقر قیادت کے ساتھ ہمارا رابطہ کٹ گیا تھا[1] انھوں نے یہ واضح طور پہ کہا تھا کہ مجھے یہ خوف تھا کہ یہ شخص یہ دیکھنے کے لیے آیا ہے کہ ہمارے پاس کتنی طاقت ہے۔ میں اس نتیجہ پہ پہنچی تھی کہ اگر میں نے اسے واپس جانے دیا تو یہ ہماری کمزوری کا علم دوسروں تک پہنچا دے گا۔ ادھر ہم اس لیے بھی اپنی طاقت میں اضافہ نہ کر سکتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا رابطہ کٹ چکا تھا اور وہ اس قدر مصروف تھے کہ انھیں ہماری حفاظت کے لیے آدمی بھیجنے کی فرصت ہی نہ ہوگی۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گو "یہودیوں نے لڑائی شروع کر دی تھی" اب تک ان کے اور حملہ آور فوجوں کے درمیان متحدہ حملے کے متعلق مکمل طور پر منصوبہ بندی وجود میں نہیں آئی تھی۔ یعنی یہودیوں کی بغاوت محض اعلان تک محدود نہ تھی بلکہ وہ عملی طور پر میدانِ جنگ میں شامل ہو چکے تھے۔

ان انتہائی سنگین حالات میں بنو غطفان قبیلے کا ایک نو مسلم آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اس کے اسلام لانے کا علم ابھی کسی کو نہیں، اس لیے اگر کوئی ایسا خفیہ کام ہو جو وہ انجام دے سکے تو وہ بسر و چشم ادا کرنے کے لیے حاضر ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ چونکہ اب تک صرف وہی اپنے قبیلہ میں سے اسلام لایا تھا اس لیے وہ اس طرح کا خفیہ کام سرانجام دینے کے لیے موزوں ثابت ہو سکتا تھا۔ آپؐ نے اسے مشورہ دیا کہ وہ دشمن کے مختلف فریقوں کے درمیان ایک دوسرے سے اعتماد اُٹھانے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپؐ نے اسی موقع پر فرمایا تھا "الحرب خُدعٌ" (جنگ دشمن کو

---

[1] ابن اسحاق۔ ح۔ س۔ صفحہ ۴۵۸۔

Marfat.com

دھوکا دینے کا مقام ہے)

نُعیم بن مسعود کے ماضی میں بنو قریظہ کے ساتھ گہرے تعلقات رہ چکے تھے وہ ان کے پاس گیا اور کہا، تم جانتے ہو کہ قریش اور بنو غطفان کا معاملہ تم سے مختلف ہے۔ تم تو یہاں کے رہنے والے ہو اور تمھیں یہاں ہی رہنا ہے۔ تم ان کی طرح یہاں سے ڈیرہ اٹھا کر کہیں نہیں جا سکتے۔ میرے تمھارے تعلقات پُرانے ہیں اور میں تمھارا خیر خواہ ہوں، قریش اور بنو غطفان تو اپنی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ تم نے ان کا ساتھ دے کر بڑی غلطی کی ہے اگر وہ محمدؐ کو شکست دے سکے تو بھی، اور اگر نہ بھی شکست دے سکے تو وہ واپس اپنے اپنے علاقے کو چلے جائیں گے۔ تم ان کی جگہ نہیں ہو۔ اگر حالات نے پلٹا کھایا اور آثار یہی بتا رہے ہیں تو تمھیں اپنے وطن میں مسلمانوں کے ساتھ اکیلے مقابلہ کرنا پڑے گا اور تم جانتے ہو کہ تم اکیلے ایسا نہ کر سکو گے۔ اس لیے تم ان کے ساتھ مل کر اس شرط پر جنگ کرنا کہ وہ تمھیں یرغمال کے طور پر اپنے سرداروں میں سے کچھ افراد دے دیں۔ اس طرح وہ تمھیں اکیلے چھوڑ کر نہیں جا سکیں گے، اس طرح تمھارے ہاتھ میں ایک قیمتی ضمانت ہو گی اور یہ لوگ کامیابی تک جنگ جاری رکھنے پر مجبور رہیں گے۔ یہودیوں نے کہا یہ تو واقعی بہت اچھا مشورہ ہے۔[1]

بنو قریظہ سے ملنے کے بعد نعیم بن مسعود نے قریش کے سرداروں سے ملاقات کی اور ابو سفیان سے خاص طور پر ملا اور اس سے کہا "تم جانتے ہو کہ میں تمھارا دوست ہوں۔ میں نے کچھ باتیں سنی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان باتوں کو میں تم تک پہنچا دوں۔ مگر ان باتوں کو پردۂ راز میں رکھنا از حد ضروری ہے۔ میری اس بات کو غور سے سُننا اور اسے یاد رکھنا کہ یہودی محمدؐ کے خلاف تمھارا ساتھ دے کر پچھتا رہے ہیں[2]" انھوں نے محمدؐ کی طرف ایک آدمی بھیجا ہے

---

[1] ابن اسحاق - ح - س - صفحہ ۴۵۸، ۴۵۹

[2] اس قدر عرصہ گزر چکا تھا اور اب تک یہودیوں نے قابلِ قدر کام نہ کیا تھا اس لیے اس بیان میں صداقت تھی (مصنف)

Marfat.com

تاکہ ان کے پچھتانے کی اطلاع مسلمانوں تک پہنچ جائے۔ یہودیوں نے یہ کہلا بھیجا ہے کہ اگر مسلمان چاہیں تو وہ قریش اور بنو غطفان کے چند سرداروں کو یرغمال کے طور پر بلالیں گے تاکہ جب چاہیں مسلمان ان کے سر قلم کر سکیں۔ محمدؐ نے واپسی پیغام بھیجا ہے کہ ہاں ان شرائط کو قبول کر لو۔ اس لیے اے قریش! تم ایک آدمی بھی اندر نہ بھیجنا، ورنہ وہ زندہ واپس نہ آئیں گے۔ اس کے بعد وہ بنو غطفان کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ بھائی میں تو تم ہی میں سے ہوں۔ تم میرا قبیلہ اور میرا خون ہو۔ مجھے اپنے خون سے بہت پیار ہے اور پھر اس نے وہی بات بنو غطفان کے سرداروں سے کہی۔

شوال ۵ھ کی "سبت" رات کو ابوسفیان اور غطفان کے سرداروں نے عکرمہ بن ابوجہل کی قیادت میں ایک وفد بنو قریظہ کے پاس بھیجا۔ عکرمہ کے ساتھیوں نے بے خوفی یا بے احتیاطی سے وہاں جا کر یہ کہہ دیا کہ ہم لوگ مستقل معسکر میں نہ ہونے کی وجہ سے تکلیف میں ہیں۔ ہمارے اونٹ اور گھوڑے مر رہے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ فیصلہ کن لڑائی جلد از جلد کی جائے اور محمدؐ کا خاتمہ کیا جائے۔ ممکن ہے کہ دوسرے دن کے لیے حملے کا منصوبہ پیش کیا گیا ہو۔ اس لیے کہ یہودیوں نے جواب دیا تھا کہ "کل تو ہمارا یوم سبت ہے اور سبت کے دن ہم کوئی کام کرنا گناہِ عظیم سمجھتے ہیں اور ہماری تاریخ بتاتی ہے کہ جن لوگوں نے اس قانون کو توڑا ان کا خاتمہ ہو گیا۔"

انھوں نے یہ بھی کہا کہ "تم لوگوں کو واپس جانے کی جلدی ہے اس لیے ہم اب محمدؐ کے ساتھ اسی صورت میں لڑائی جاری رکھیں گے کہ تم لوگ ہمیں اپنے سرداروں میں سے چند آدمی یرغمال دو، جو ہمارے پاس ضمانت رہیں تاکہ تم جنگ جاری رکھو۔ اس طرح محمدؐ کے خاتمے تک ہم تمھارا ساتھ دیں گے۔ ہمیں خدشہ ہے کہ اگر تم لوگوں نے کسی موقعہ پر یہ سمجھا کہ لڑائی کی صورت تمھارے لیے اچھی نہیں یا تمھارا نقصان ناقابلِ برداشت حد تک ہو گیا ہے تو تم لوگ واپس چلے جاؤ گے۔ اگر تم لوگ چلے جاؤ تو ہم اکیلے محمدؐ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

Marfat.com

جب یہ وفد قریش اور بنو غطفان کے پاس واپس آئے تو دونوں نے کہا کہ نُعیم نے تو ہم سے پہلے ہی یہ کہہ دیا تھا کہ یہودی ایسا کریں گے۔ نُعیم سچ کہہ رہا تھا۔ اس لیے اب بنو قریظہ کو پیغام بھیجا جائے کہ ہم انھیں ایک آدمی بھی برغمال کے طور پر دینے کے لیے تیار نہیں۔ اگر وہ لڑائی جاری رکھنا چاہتے ہیں تو باہر نکل کر لڑائی کریں لے

جب یہ خبر آپ تک پہنچی تو آپ نے حُذیفہ بن الیمان کو دشمن کے معسکر میں بھیجا اور کہا کہ وہاں کی خبر لے آئے۔ اس نے اس کام کے لیے اپنے آپ کو رضا کارانہ طور پر پیش کیا تھا۔ حُذیفہ، قریش کے معسکر میں گیا اور ان کی باتیں سنتا رہا۔ اس نے واپس آکر بیان کیا کہ ابوسفیان نے رازدارانہ طریقہ پر کہا "اے قریش! دیکھ لو کہ تمھارے پاس کون بیٹھا ہے"۔ میں نے جھٹ اپنے قریب والے سے کہا "تم کون ہو؟" اس نے اپنا نام بتایا مگر اس نے مجھ سے کچھ نہ پوچھا۔ اب ابوسفیان نے اپنا بیان جاری رکھا اور کہا "اے اہلِ قریش! ہم مستقل معسکر میں نہیں۔ ہمارے گھوڑے اور اونٹ مرتے جا رہے ہیں۔ بنو قریظہ نے ہمارے ساتھ وعدہ خلافی کی ہے۔ تم لوگ خود بھی آج اس آندھی کی رفتار دیکھ رہے ہو۔ ہم نہ تو آگ جلا سکتے ہیں نہ ہمارے برتن آگ پر ٹھہر سکتے ہیں اور نہ ہی ہمارے خیمے کھڑے رہ سکتے ہیں۔ جاؤ چلے جاؤ۔ میں بھی جا رہا ہوں"۔

"اس کے اونٹ کا گھٹنا بندھا ہوا تھا اور وہ تیار کیا ہوا تھا۔ وہ کود کر اس پر چڑھا، اور اس کا گھٹنا بھی نہ کھولا۔ اگر مجھے رسول اللہؐ نے کچھ کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو میں اسی گھڑی ابوسفیان کو مار ڈالتا"۔

حذیفہ کہتا ہے "اس کے بعد میں واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہؐ ایک چادر لپیٹے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ نے مجھے دیکھا تو اپنے

لے ابن اسحاق ہے۔ س۔ صفحہ ۴۵۹۔

Marfat.com

پاس بلا لیا اور اپنی چادر کا ایک سرا مجھ پر ڈالا۔ اس کے بعد وہ رکوع اور سجود میں گئے جب انھوں نے نماز ختم کی تو میں نے پوری خبر انھیں سنا دی[1]۔"

جب بنو غطفان نے سنا کہ قریش چلے گئے ہیں تو انھوں نے بھی اپنا معسکر توڑ ڈالا اور انھوں نے بھی اسی رات اپنے علاقہ کی راہ لی۔

دوسری صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے علاقہ کو خالی کیا اور واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ یوں غزوۂ احزاب غیر متوقع طور پر ختم ہوا۔

---

[1] ابن اسحاق۔ ح۔ س۔ صفحہ ۴۶۰

Marfat.com

نقشۂ ممکنہ مقامات دوران غزوۂ احزاب

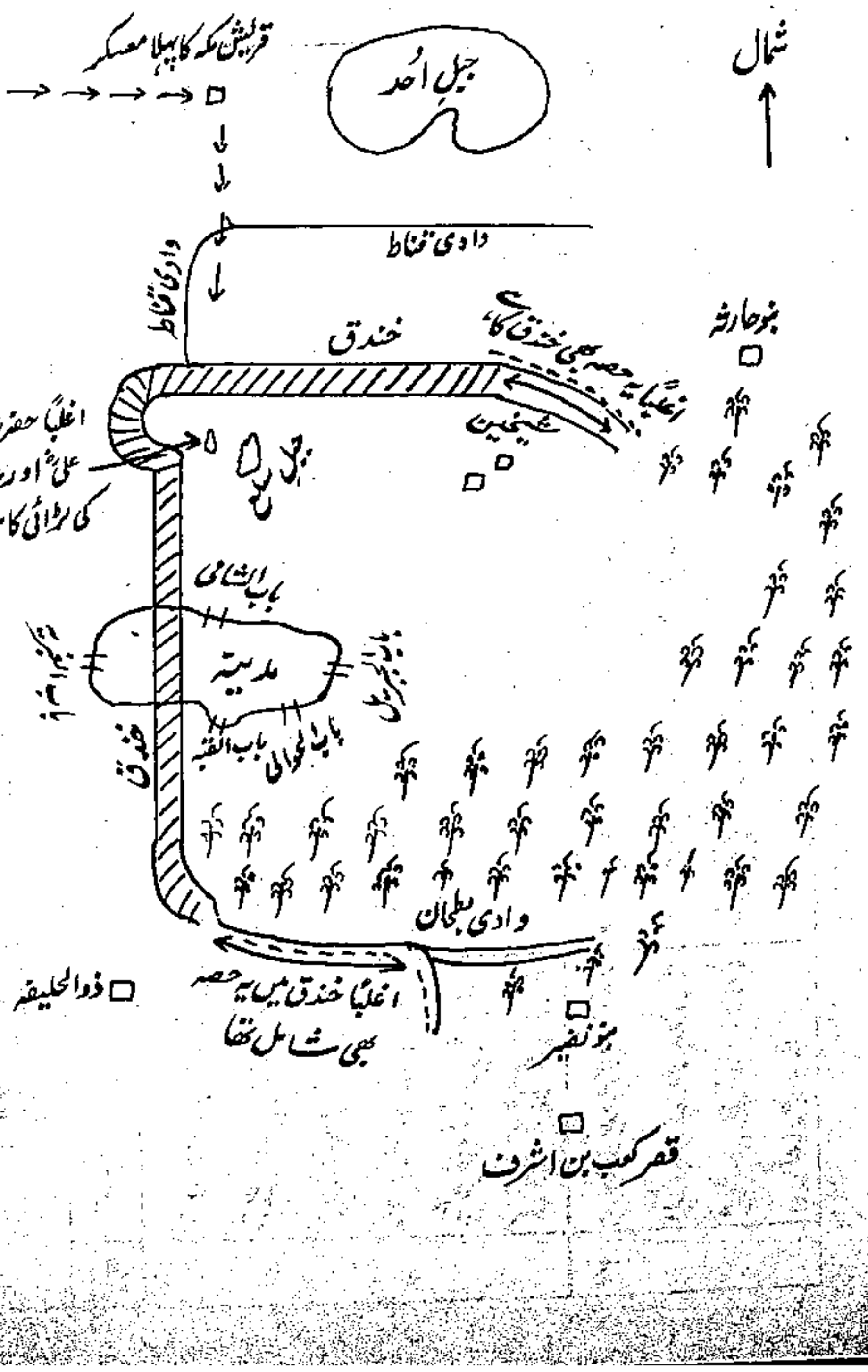

Marfat.com

غزوۂ اُحد اور غزوۂ احزاب کے درمیانی عرصے کے غزوات اور سرایا کا مختصر خاکہ (ضمیمہ الف)

نمبر شمار	مہم کا نام۔ امکان، تاریخ	جغرافیائی پہلو	دشمن سے متعلق تفصیلات	کیفیّت
۱	غزوۂ حمراء الاسد ۱۶ شوال ۳ھ۔ علمبردار کا نام معلوم نہیں، اسلامی لشکر کی تعداد ۵۴۰۔ جنھوں نے ایک روز پیشتر غزوۂ اُحد میں شرکت کی تھی اور تقریباً سبھی زخمی تھے	مدینہ سے آٹھ میل دور حمراء الاسد کے مقام پر حضور اقدسؐ نے معسکر قائم کیا۔	دشمن اس سے آگے مکہ جانب تقریباً تین چار میل کے فاصلہ پر معسکر قائم کر چکا تھا ان کے لشکر کی تعداد تین ہزار کے قریب تھی وہ گذشتہ شام اُحد سے لوٹے تھے	حضور اقدسؐ نے اپنے لشکر کی تعداد کی کمی اور زخموں سے چُور ہونے کے باوجود دشمن کا تعاقب کیا۔ جب دشمن کو معلوم ہوا کہ حضور اقدسؐ ان کے تعاقب میں آچکے ہیں تو انھوں نے مکہ کا سفر جاری رکھا حالانکہ پہلے وہ پلٹ کر مدینہ پر ایک بار پھر حملہ آور ہونے کے ارادے باندھ رہے تھے۔
۲	سریہ قطن یکم محرم ۴ھ، کمانڈر ابو سلمیٰ مخزومی، ابو عبیدہ بھی مہم میں شامل تھے تعداد ۱۵۰ مہاجر اور انصار صحابہ رضؓ	مدینہ کی چراگاہ قطن کے علاقہ میں اونٹوں پر چھاپہ مارنے کے لیے کچھ لوگ آئے تھے۔	مویشیوں کے دو ڈاکو مدینہ کے کچھ اونٹ ہانک کر لے گئے تھے	ان کا تعاقب کیا گیا مگر وہ پہاڑیوں میں روپوش ہو چکے تھے۔

Marfat.com

نمبر شمار	مہم کا نام، امکانی تاریخ وغیرہ	جغرافیائی پہلو	دشمن کے متعلق تفصیلات	کیفیت
۳	واقعۂ رجیع۔ صفر ۴ھ قبائل کے کچھ لوگ حاضر ہوئے، اور مبلغین روانہ کرنے کی درخواست کی۔ دس مبلغ ان کے ساتھ روانہ کیے گئے۔	مبلغین نہتے تھے۔	تقریباً سو آدمیوں نے انھیں گھیر لیا۔	وعدہ کیا کہ انھیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ مگر وعدہ خلافی کی اور آٹھ کو شہید کر دیا۔ دو کو مکہ جا کر فروخت کیا۔
۴	بئر معونہ۔ یہ بھی صفر ۴ھ کا واقعہ ہے۔	ستر مبلغین روانہ کیے گئے	بئر معونہ کے مقام پر بڑی تعداد میں ان پر حملہ ہوا	سوائے ایک کے سب شہید ہوئے۔
۵	سریۂ بنو عامر صفر ۴ھ	ایک صحابی جو بئر معونہ سے بچ کر آئے تھے انھوں نے دشمن کے دو آدمی قتل کر دیے انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ یہ لوگ معافی مانگ کر حضور اقدس سے امان حاصل کر چکے ہیں		حضورؐ نے ان کا خونبہا ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔

Marfat.com

نمبر شمار	مہم کا نام، امکانی تاریخ وغیرہ	جغرافیائی پہلو	دشمن کے متعلق تفصیلات	کیفیت
٦	غزوہ بنو نضیر۔ ربیع الاول ۴ ھ کمانڈر حضور اقدسؐ، علم بردار علیؓ بن ابی طالب	یہودی قبیلہ بنو نضیر کے قلعہ کا محاصرہ کیا گیا انھوں نے پہلے خونبہا میں شمولیت سے انکار کیا اور پھر بغاوت پر اُتر آئے تھے۔		بنو نضیر کو مدینہ سے چلے جانے کی اجازت دے دی گئی۔
٧	غزوہ ذات الرقاع۔ جمادی الاول ۴ ھ ۴۰۰ مہاجر اور انصار صحابہؓ، ابوذر غفاریؓ کو مدینہ میں نائب بنا کر چھوڑا گیا۔	ذات الرقاع نجد کے ایک مقام کا نام ہے۔	دشمن بھاگ گیا اور لڑائی نہ ہو سکی۔	یہ قبیلہ پہلے بھی شرارت کر چکا تھا مگر مدنی لشکر کے جانے پر فرار ہو گیا تھا۔
٨	غزوہ ذات الرقاع۔ جمادی الاول ۴ ھ کمانڈر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، تعداد ۴۰۰ مہاجر اور انصار صحابہؓ، ابوذر غفاریؓ کو مدینہ میں نیابت کے لیے چھوڑا گیا۔	ذات الرقاع نجد کا ایک مقام ہے اور بنو غطفان قبیلہ کا مسکن تھا۔	دشمن فرار کر گیا لڑائی نہ ہو سکی	یہ قبیلہ اس سے قبل بھی تیاریاں کر رہا تھا کہ ان پر لشکر کشی کی گئی تھی۔ اس مرتبہ کی طرح گزشتہ مرتبہ بھی وہ منتشر ہو گئے تھے۔
٩	غزوہ بدر الاخریٰ، شعبان ۴ ھ، کمانڈر حضور اکرمؐ تعداد ایک ہزار مہاجر اور انصار صحابہؓ	بدر کا مقام	اُحد سے واپسی پر ابو سفیان نے ایک سال بعد دونوں لشکروں کا	مکی لشکر مکہ سے روانہ ہو کر راستہ سے واپس چلا گیا اور لڑائی نہ ہو سکی۔

Marfat.com

نمبر شمار	مہم کا نام اور امکانی تاریخ وغیرہ	جغرافیائی پہلو	دشمن کے متعلق تفصیلات	کیفیت
	عبداللہ بن رواحہ کو مدینہ میں نیابت کے لیے چھوڑا گیا تھا۔	بدر کا مقام	بدر کے مقام پر آمنے سامنے ہونے کا وعدہ کیا تھا	ابوسفیان نے جانوروں کے لیے چارہ مہیا نہ ہونے کا بہانہ بنایا تھا۔
۱۰	غزوۂ دومۃ الجندل۔ محرم ۵ھ، کماندار سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم، تعداد ایکہزار مہاجر اور انصار صحابہؓ	دومۃ الجندل عرب کے شمال میں اس وقت کی بازنطینی سرحد کے قریب واقع ہے	اطلاع ملی تھی کہ کاروانوں کی آمدورفت میں مقامی قبائل حائل ہو رہے ہیں اور وہ بازنطینی حکومت کے ایماء پر مدینہ پر حملہ کرنیوالے ہیں۔	مدینہ پر حملہ کی تیاریاں تو نظر نہ آئیں البتہ قبائل کو آئندہ کیلئے تنبیہ کی گئی کہ تجارتی شاہراہ کو مسدود نہ کریں۔ قبائل نے مدینہ کی اطاعت قبول کرلی۔
۱۱	غزوہ مصطلیق۔ شعبان ۵ھ کماندار حضور اقدسؐ تعداد معلوم نہیں کی جاسکی۔	بنو مصطلیق کے قبائلی علاقہ میں	پورا قبیلہ گھیرے میں لے لیا گیا	چہار اطراف کے حملہ کی تاب نہ لاکر اس قبیلہ نے ہتھیار ڈال دیے۔ اہل مکہ کے ایماء پر وہ مدینہ پر حملہ کی تیاری کر رہے تھے۔ معذرت خواہی پر انھیں معاف کر دیا گیا۔

Marfat.com

ضمیمہ (ب)

کتابیات

عربی کتب

۱۔ ابی حسن بن محمد مشاط المکی

۲۔ ابی علی حسن بلاذری

۳۔ ابی الفداء اسمٰعیل ابن کثیر

۴۔ ابن سعد

۵۔ ابن سعید

۶۔ ابی عبداللہ القیم الجوزیہ

۷۔ ابن اثیر

۸۔ ابن ہشام

۹۔ حسین عبداللہ باسلامہ

۱۰۔ جلال الدین عبدالرحمٰن ابی بکر السیوطی

۱۱۔ جمال حماد

۱۲۔ عماد الدین یحییٰ بن ابی بکر العامری

۱۳۔ سعید عوی

۱۴۔ واقدی

۱۵۔ محمد بن عبدالوہاب

۱۶۔ محمد احمد باشمیل

قرآن، حدیث

امارۃ الاجانی مغازی خیر الورا ؐ

فتوح البلدان

البدایہ والنہایہ

طبقات الکبریٰ

حروب الاسلام والامارۃ الرومانیہ

زاد المعاد

الکامل فی التاریخ

السیرۃ النبویہ

حیاۃ سید العرب

الخصائص الکبریٰ

غزوۃ البدر

بہجۃ المحافل وبغیۃ الاماثل

الرسول ؐ

مغازی رسول اللہ ؐ

مختصر سیرۃ رسول اللہ ؐ

غزوۂ احزاب

Marfat.com

اُردو کُتب

۱۔ ابوالاعلیٰ مودودی	تفہیم القرآن اور سیرت سرورِ عالمؐ
۲۔ ابوبکر السیوطی	خصائص الکبریٰ
۳۔ ابوالفداء اسمٰعیل	تاریخ ابوالفداء (ترجمہ)
۴۔ ابوالکلام آزاد	رسولِ رحمتؐ
۵۔ ابوالکلام آزاد	رسولِ رحمتؐ۔ مؤلفہ غلام رسول مہر
۶۔ اشرف علی تھانوی	نشرۃ الطیب فی ذکر حبیب
۷۔ حمید اللہ ڈاکٹر	رسول اللہؐ کے میدانِ جنگ
۸۔ راجہ محمد اشرف	حیاتِ رسالت مآبؐ۔
۹۔ شبلی نعمانی	سیرۃ النبیؐ
۱۰۔ فضل حسن	پیغمبرِ اسلامؐ
۱۱۔ گلزار احمد	غزواتِ رسول اللہؐ جلد اول و دوم
۱۲۔ مختار احمد کیلانی	مضمون غزوۂ خندق
۱۳۔ محمد طفیل	نقوش۔ رسولؐ نمبر
۱۴۔ محمود خطاب شیخ	آنحضرتؐ بحیثیت سپہ سالار
۱۵۔ نعیم صدیقی	محسنِ انسانیت
۱۶۔ واجد علی رضوی	رسولؐ، میدانِ جنگ میں

Marfat.com

English Books

Abdul Rehman Aazam	Islam
Andre Tor Muhammad,	The Man and his Faith
Arnold	Preaching of Islam
Ataturk	Nutg
Carlyle	Heroes and Hero Worship
Clausewitz	On War
Dazy	Spanish Islam
Duyrrani	Muhammad, The Prophet
Earl Meade	Makere of Modern Strategy
Fuller Maj. Gen.	Decisive Wars of the West
Gauka	The Prophet of the Desert
Gesta Tran curum	The First Gusade
GreenLt. Col.	The living Thoughts of Clause witz
Gluble and Brown	Islamic Society and the West
Gibbon	The Decline and fall of Roman Empire
Glubb Lt. Gen.	The Great Book Conquests
Glubb Lt. Gen.	Life and Times of Muhammad
Glubb Lt. Gen.	War in the Desert.
HiHi Philips	History of the Arabs
Ihne Ishaq	The Life of Muhammad (Translation)
Ingesol	Top Secret.
Liddell Hart	Thoughts an on War
Mac Cloughry	War in three Dimensions
Magnus Philip	Kitchner
Margolexnth	Life of Muhammad.
Montgomery Watt.	Muhammad in Madina
Muhammad Hamdeedullah	Battle fields of the Prophets
Muir.	Life of Muhammad
Puto Lt. Col.	The Sky Catcher
Dowan Ribard	The Story of the Secret Service
Sergeart	The Cnstitution of Madina
Sergent and Geoffry West	Grand Strategy
Syed Amir Ali	A Short History of Saraceus
Sokolvvosky	Military Strategy
Tolstuy	Stalinis Secret WAt
Tucker Lit Gen.	The Pattern of War

Marfat.com

ضمیمہ "ج" عسکری اصطلاحات

Casualties	آلاف
Intellegence	استنبارات
Manpower	افرادی قوت
Operations	اقدامات
Operational freedom	اقداماتی آزادی
Operational aspect	اقداماتی پہلو
Operational Ground	اقداماتی میدان
Operational Area	اقداماتی علاقہ
Weapons of War	آلاتِ جنگ
Supply Columns	انتظامی دستے
Enveloping movement	بازوگیر حرکت
Indirect operation	بالواسطہ اقدامات
Direction operations	بلاواسطہ اقدامات
History of War	تاریخی جنگ
Tactics	تدبیرات
Tactical Plan	تدبیراتی منصوبہ
Tactical	تدبیراتی
Tactical Position	تدبیراتی پوزیشن
Diagonl Advance	ترچھی پیش قدمی
Strategy	تزویرات
Grand Strategy	تزویرات
Strategical	تزویراتی
Strategic Area	تزویراتی علاقہ
Strategic Plan	تزویراتی منصوبہ
Conscription	تجنید اجباری / جبری بھرتی
Aggressive action	جارح عمل

Marfat.com

Aggressor	جارح
Aggressive	جارحانہ
Aggression	جارحانہ کاروائی
Appeciation/Review	جائزہ
Appreciation of Situation	حالات کا جائزہ
Attack	حملہ
Attacker/Invader	حملہ آور
Mobility	حرکیت
War	جنگ
National WAr	ملی جنگ
Total War	کُلی جنگ
Field of Battle	میدان جنگ
Law of Aggression	جارحانہ جنگ
Raid	چھاپہ
Line of Approach	خطِ قرب دشمن
Trench Warfare	خندقی لڑائی / خندقی جنگ
Defence	دفاع
Depersive	دفاعی
Defence Plan	دفاعی منصوبہ
Offensive Defence Plan	دفاعی مہاجماتی منصوبہ
Cavalry	رسالہ
Obstruction	رکاوٹ
Receennalsance	زمینی دیکھ بھال
Protectorate	زیر حفاظت علاقہ
Foubal Attack	سینہ پر حملہ
Shock Action	صدماتی عمل
Hit and Run Tactics	ضرب و فراری تدبیرات
Military	عسکری
Forces	عساکر
Military High Command	عسکری کمانِ اعلیٰ

Marfat.com

Military Leadership	عسکری قیادت
Factors	عوامل
Army	فوج
Appreciation of Military Situation	فوجی تجزیہ
Battle Ground	قتال گاہ
Recce Patrol	قراولی گشت
Patrol	گشت
Morale	قوت ایمانی
Command	کمان
Commander	کمان دار
Commanding Officer	کمان افسر
Ammunition	گارود، گولہ بارود
Patrol	گشت
Fighting Patrol	لڑاکا گشت
Recce Patrol	قراولی گشت
Standing Patrol	قائم گشت
Siege	محاصرہ
Besieged	محصور
Besleger	محاصرہ
Reserve/Reserves	محفوظہ
Compaign	مہم
Field of Operations	مہماتی میدان
Offensive	مہاجمہ
Offinsive Action	مہاجماتی عمل
Command Head Quarters	مقر قیادت
Offensive Strategy	مہاجمانہ تزویرات
Battle Field	میدان قتال
National War	ملی جنگ
Impoderable Factore	ناقابل اندازہ عوامل
Visual Obstruction	نظریاتی رکاوٹ

Marfat.com

○ قرآن مکمل ضابطۂ حیات ہے

آئیے

قرآن کو سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے کی کوشش کریں،

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری کی معرکہ آرا تفسیر

ضیاءُ القرآن

قرآن فہمی کا بہترین ذریعہ ہے

اس کے علاوہ اپنی پسند کی ہر کتاب ہم سے طلب فرمائیں،

ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ، لاہور

فون : ۶۳۴۶۴